سلسلۂ آصفیہ

جلد ہشتم

الکلام

یعنی علم کلام جدید جسمین اسلام کے تمام عقائد کو فلسفۂ حال کے
مقابلہ مین نہایت بسط اور خوبی کے ساتھ ثابت کیا گیا ہی

مؤلفہ

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی

معتمد دار العلوم ندوۃ العلماء فیلو آف الہ آباد یونیورسٹی سابق
ناظم سررشتۂ علوم و فنون حیدر آباد ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

جسکو

مولوی سلیمان صاحب ناظم انجمن المعین ندوۃ العلمائے انجمن المعین کی طرف سے

عمدۃ المطابع لکھنؤ میں چھپوایا

سلسلۂ آصفیہ

الکلام

حصہ دوم

یعنی علم کلام جدید جسمین اسلام کے عقائد کو فلسفۂ حال کے مقابلہ مین ثابت کیا گیا ہے

مرتبہ

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی سابق ناظم سررشتۂ علوم و فنون حیدرآباد و پروفیسر
مدرسۃ العلوم علیگڈھ و فیلو آف الہ آباد یونیورسٹی و ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ و معتمد دار العلوم
ندوۃ العلماء

عمدۃ المطابع لکھنؤ مین چھپا

سنہ ۱۹۰۶ء

فہرست الکلام حصہ دوم

مذہب اسلام تین چیزون کے مجموعہ کا نام ہے

عقائد، عبادات، اخلاق۔

عقائد مین اصل الاصول دو ہین، وجود باری، اور نبوت، اس کتاب مین انھی دو اصول سے بحث ہے، باقی مباحث تبعاً اور ضمناً آگئے ہین۔

قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا مہمات عقائد مین سے ہے لیکن اس کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، اس لئے اس حصہ مین ہم نے اس سے بحث نہین کی، بلکہ اس کو ایک مستقل کتاب کے لئے اٹھا رکھا ہے جو الکلام کا دوسرا حصہ ہوگا اور جس کا نام علوم القرآن ہوگا۔

عبادات اور اخلاق کا بیان بھی اسی کتاب مین آجائیگا اس طرح علم کلام کا سلسلہ تین جلدون مین پورا ہو جائے گا، متکلمین کی سوانح عمریان اس سلسلہ سے الگ ہین خدا ان کے اتمام کے بھی اسباب بہم پہونچا دے۔

شبلی نعمانی

حیدرآباد دکن

نتوان زگفتگو بہ حقیقت رسید لیک ❊ افسانۂ ز گوہر نایاب سفتنی ست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصہ دوم

علم کلام جدید

حامداً و مصلیاً

جدید علم کلام کا مایۂ خمیر اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے حصہ کے دیباچہ مین لکھ آئے ہین وہی قدیم علم کلام ہو تاہم اسکی تدوین و ترتیب جس حیثیت سے ہو گی چاہیے اسکے لحاظ سے اسکو جدید بھی کہ سکتے ہین - اس اجمال کی تفصیل یہ ہے -

تم پڑھ آئے ہو کہ علم کلام کے مختلف طریقے اور مختلف شاخین ہین ان مین جو طریقہ حقیقی علم کلام کہلانے کا مستحق تھا وہ قدما کا علم کلام تھا لیکن قدما کی ایک تصنیف بھی آج موجود نہین، ملل و نحل، کتب کلامیہ، اور تفسیر کبیر مین جستہ جستہ قدما کے اقوال مذکور ہین ان تمام اقوال کو اس استقصا کے ساتھ جمع کرنا چاہیے کہ علم کلام کے اہم مسائل آجائین

متاخرین مین سے جو لوگ اہل حقیقت تھے انھون نے یہ طرز اختیار کیا تھا کہ درسی کتابین عام مذاق کے موافق لکھتے تھے، اور اپنے اصلی خیالات و معتقدات دوسری کتابون مین ظاہر کرتے تھے جنکی نسبت یہ بھی تاکید کرتے تھے کہ عوام پر ظاہر نہ کی جائین - مثلاً علم کلام مین امام غزالی کی متعدد تصنیفات ہین قواعد العقائد - اقتصاد - تہافۃ الفلاسفہ وغیرہ وغیرہ

لیکن اُنھون نے خود جابجا مختلف کتابون مین تصریح کی ہے کہ ان تصنیفات مین جو باتین مذکور ہین وہ اصلی حقائق نہین ہین بلکہ عوام کے عقائد محفوظ رکھنے کے لیے ہین۔

امام غزالی نے تصریح کی ہے کہ کتب متداولہ مین انھون نے اصل حقیقت ظاہر نہین کی

جواہر القرآن[۱] مین جہان علوم قرآنی کا بیان کیا ہے لکھتے ہین۔

اَلثَّانِیْ هُوَ مُحَاجَّةُ الْكُفَّارِ وَمُجَادَلَتُهُمْ وَمِنْهُ يَنْشَعِبُ عِلْمُ الْكَلَامِ الْمَقْصُوْدُ لِرَدِّ الضَّلَالَاتِ وَالْبِدَعِ وَاِزَالَةِ الشُّبُهَاتِ وَيَتَكَفَّلُ بِهِ الْمُتَكَلِّمُوْنَ وَهٰذَا الْعِلْمُ قَدْ شَرَحْنَاهُ عَلٰى طَبَقَتَيْنِ سَمَّيْنَا الطَّبَقَةَ الْقَرِيْبَةَ مِنْهَا اَلرِّسَالَةَ الْقُدْسِيَّةَ وَالطَّبَقَةَ الَّتِيْ فَوْقَهَا اَلْاِقْتِصَادَ فِي الْاِعْتِقَادِ وَمَقْصُوْدُ هٰذَا الْعِلْمِ حِرَاسَةُ عَقِيْدَةِ الْعَوَامِ عَنْ تَشْوِيْشِ الْمُبْتَدِعَةِ وَلَا يَكُوْنُ هٰذَا الْعِلْمُ مَلِيًّا بِكَشْفِ الْحَقَائِقِ وَبِجِنْسِهٖ يَتَعَلَّقُ الْكِتَابُ الَّذِيْ صَنَّفْنَاهُ فِيْ تَهَافُتِ الْفَلَاسِفَةِ وَالَّذِيْ اَوْرَدْنَاهُ فِي الرَّدِّ عَلَى الْبَاطِنِيَّةِ فِي الْكِتَابِ الْمُلَقَّبِ بِالْمُسْتَظْهِرِيْ وَفِيْ كِتَابِ حُجَّةِ الْحَقِّ وَقَاصِمِ الْبَاطِنِيَّةِ وَكِتَابِ الْمُفَصَّلِ الْخِلَافِ فِيْ اُصُوْلِ الدِّيْنِ

دوسرا علم۔ کافرون سے بحث و مجادلہ کرنا ہوا اور اسی سے علم کلام پیدا ہوتا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ بدعتون کو رد کیا جائے اور شبہے زائل کیے جائین اور اس علم کے متکفل متکلمین ہین۔ اور ہم نے اس علم کو دو انداز پر لکھا ہے، جو معمولی ہو اسکا نام رسالہ قدسیہ ہے اور جو اس سے بلند تر ہے اسکا نام الاقتصاد فی الاعتقاد ہے اور مقصود اس علم کا عوام کے عقیدہ کو بدعتون کی رخنہ اندازی سے محفوظ رکھنا ہے اور اس علم مین حقائق ظاہر نہین کیے جاتے۔ اور اسی قسم کی ہماری وہ کتاب ہے جسکا نام تہافۃ الفلاسفہ ہو اور مستظہری جو باطنیہ کی رد مین ہے اور حجۃ الحق۔ و قاصم الباطنیہ۔ و کتاب المفصل للخلاف فی اصول الدین۔

[۱] جواہر القرآن کا کامل نسخہ میرے پاس موجود ہے لیکن اسکے کچھ اجزا مصر مین چھپ گئے ہین اور یہ عبارت اسمین موجود ہے

ان تصریحات سے قطع نظر کرکے امام صاحب کی کتابین خود اس بات کی شہادت
دے رہی ہین وہی عقائد جنکو کتب کلامیہ مین بڑے زور شور سے ثابت کرتے ہین، دوسری
تصنیفات مین اُن کی نسبت لکہدیتے ہین کہ ان عقائد کی اصلی حقیقت کچھ اور ہے

جن تصنیفات مین امام صاحب نے اسلام کے اصلی عقائد اور اُن کے حقائق بیان
کیے ہین ان کو نہایت اہتمام سے مخفی رکھنا چاہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود مختصر اور
سہل ہونے کے وہ رواج پذیر نہین، خدا کی ذات صفات، افعال، اور قیامت کے متعلق
عقائد کو اُنھون نے احیاء العلوم وغیرہ مین نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن جواہر القرآن مین لکھتے ہین کہ

وَهٰذِهِ الْعُلُوْمُ الْاَرْبَعَةُ اَعْنِیْ عِلْمَ الذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَالْاَفْعَالِ وَعِلْمَ الْمَعَادِ اَوْدَعْنَا مِنْ اَوَائِلِهٖ وَمَجَامِعِهِ الْقَدْرَ الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْهُ مَعَ قُصُوْرِ الْعُمْرِ وَكَثْرَةِ الشَّوَاغِلِ وَالْاٰفَاتِ وَقِلَّةِ الْاَعْوَانِ وَالرُّفَقَاءِ بَعْضَ التَّصَانِيْفِ لٰكِنَّا لَمْ نُظْهِرْهُ فَاِنَّهٗ يَكِلُّ عَنْهُ اَكْثَرُ الْاَفْهَامِ وَيَسْتَضِرُّ بِهِ الضُّعَفَاءُ وَهُمْ اَكْثَرُ الْمُتَوَسِّمِيْنَ بِالْعِلْمِ بَلْ لَا يَصْلُحُ اِظْهَارُهٗ اِلَّا عَلٰى مَنْ اَتْقَنَ عِلْمَ الظَّاهِرِ وَسَلَكَ فِیْ قَمْعِ الصِّفَاتِ الْمَذْمُوْمَةِ مِنَ النَّفْسِ طُرُقَ الْمُجَاهَدَةِ حَتّٰى ارْتَاضَتْ

یہ چارون علوم یعنی علم ذات و صفات و افعال و معاد انکی ابتدائی اور جامع اصول، جہانتک مجکو معلوم ہوسکے مین نے بعض تصنیفات مین درج کیے۔ باوجود اسکے کہ عمر کم تھی اور شغل بہت تھے، اور دوست و مددگار کم پاتا تھا، لیکن ان تصنیفات کو مین نے ظاہر نہین کیا کیونکہ اکثر لوگ اُن کو سمجھ نہ سکتے اور اُن سے انکو نقصان پہنچتا اور مدعیان علم اکثر اسی قسم کے ہین، ان تصنیفات کو صرف ان لوگون کے سامنے ظاہر کرنا چاہیے جنکو علم ظاہر مین کمال حاصل ہوچکا ہو اور صفات مذمومہ کے دور کرنے مین اسقدر کوشش کرچکے ہون کہ ان کا نفس رام

نفسہ واستقامت علی سواء السبیل فلم یبق لہ حظ فی الدنیا ولم یبق لہ طلب الا الحق ورزق مع ذلک فطنۃ وقادۃ وقریحۃ منقادۃ وذکاء بلیغا وفہما صافیا وحرام علی من یقع ذلک الکتاب بیدہ ان یظہرہ الا علی من استجمع فیہ ہذہ الصفات

ہو گیا ہو اور دنیا کی خواہش بالکل باقی نہ رہی ہو، اور طلب حق کے سوا انکی اور کچھ غرض نہ ہو۔ ان سب باتوں کے ساتھ ذکی الطبع، خوش فہم، حدید الذہن، سلیم الطبع ہوں جس کے ہاتھ میں یہ تصنیف پڑ جائے اسپر حرام ہے کہ کسی شخص کے سامنے اُس کو ظاہر کرے بجز ایسے شخص کے جسمین یہ تمام صفات جمع ہوں

امام صاحب کے ان الفاظ پر خوب غور کرو۔ فرماتے ہین کہ "اصلی حقائق لوگون کے سامنے بیان کیے جائین تو اُن کی سمجھ مین نہ آئین اور اُن کو نقصان پہنچائین" اس پر شاید کسی کو خیال ہو تا کہ یہ تو عوام کی حالت ہے علما کے سامنے اظہار حقائق مین کیا تامل ہو سکتا ہے اصلی جواب یہ ہے کہ آج کل جو علما ہین وہ عوام ہی کے ہم پایہ ہین

مخاطب صحیح کے لیے بڑی قید یہ لگاتے ہین کہ "دنیا سے اُس کو کسی قسم کی غرض نہ ہو" اس سے صاف ظاہر ہے کہ حقائق اصلی کے ظاہر کرنے پر، عوام برہم ہوتے ہین، اسلئے اس منصب کا وہ مستحق ہے جس کو عوام کی کچھ پروا نہ ہو۔

امام رازی کی نسبت اُن کے حالات مین تم پڑھ آئے ہو کہ وہ اپنے اصلی خیالات کس کس غیر معمولی پیرایہ مین ظاہر کرتے ہین، ابن رشد نے اپنی تصنیفات مین صاف لکھدیا ہے کہ جمہور کے سامنے اصلی حقائق ظاہر نہ کرنی چاہیین۔

اب جدید علم کلام کے مرتب کرنے والے کا یہ کام ہے کہ ان بزرگون نے جن خزانوں کو

سر بہ مہر رکھا تھا ان کو وقف عام کر دے۔

قدیم علم کلام مین صرف عقائد اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی کیونکہ اس زمانے مین مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کیے تھے عقائد ہی کے متعلق تھے لیکن آج کل تاریخی، اخلاقی، تمدنی، ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے، یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہین جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہین ان کے نزدیک، تعدد نکاح۔ طلاق، غلامی، جہاد کا کسی مذہب مین جائز ہونا، اس مذہب کے باطل ہونیکی سب سے بڑی دلیل ہے، اس بنا پر علم کلام مین اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کرنی ہوگی۔ اور یہ حصہ بالکل نیا علم کلام ہوگا

سب سے بڑی ضروری چیز یہ ہے کہ دلائل اور براہین ایسے صاف اور سادہ پیرایہ بیان کی جائین کہ سریع الفہم ہونے کے ساتھ دل مین اُتر جائین۔ قدیم طریقہ مین پیچ در پیچ مقدمات، منطقی اصطلاحات۔ اور نہایت دقیق خیالات سے کام لیا جاتا تھا۔ اس طریقہ سے مخالف۔ مرعوب ہو کر چپ ہو جاتا تھا لیکن اس کے دل مین یقین اور وجدان کی کیفیت نہین پیدا ہوتی تھی

غرض، جدید علم کلام کے ترتیب دینے مین، انھی امور مذکورہ کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے اخیر مین تخصیص کے ساتھ، ان بزرگون کے نام بتا دینے بھی ضرور ہین۔ جو اس علم کلام کے ماخذ ہین۔ اور وہ یہ ہین۔ ابو مسلم اصفہانی۔ قفال۔ ابن حزم۔ امام غزالی۔ راغب اصفہانی۔ ابن رشد۔ امام رازی۔ شاہ ولی اللہ

علوم جدیدہ اور مذہب

تمام دنیا مین ایک غل مچ گیا ہے کہ "علوم جدیدہ اور فلسفہ جدیدہ نے مذہب کی بنیاد متزلزل کر دی ہے" فلسفہ اور مذہب کے معرکہ مین ہمیشہ اس قسم کی صدائین بلند ہوتی رہی ہین، اور اس لحاظ سے یہ کوئی نیا واقعہ نہین، لیکن آج یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ فلسفہ قدیمہ قیاسات اور ظنیات پر مبنی تھا اس لیے وہ مذہب کا استیصال نہ کر سکا بخلاف اسکے فلسفہ جدیدہ تمام تر تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے، اس لئے مذہب کسی طرح اُسکے مقابلہ مین جانبر نہین ہو سکتا

یہ ایک عام صدا ہے جو یورپ سے اٹھکر تمام دنیا مین گونج اٹھی ہے لیکن ہم کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ اس واقعیت مین مغالطہ کا کس قدر حصہ شامل ہو گیا ہے۔

یونان مین فلسفہ ایک مجموعہ کا نام تھا جس مین طبعیات۔ عنصریات فلکیات۔ الٰہیات ما بعد الطبیعہ سب کچھ شامل تھا لیکن یورپ نے نہایت صحیح اصول پر اس کے دو حصے کر دیے، جو مسائل مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر قطعی اور یقینی ثابت ہوگئے ان کو سائنس کا لقب دیا جو مسائل تجربہ اور مشاہدہ کی دسترس سے باہر تھے اُن کا نام فلسفہ رکھا۔

مسائل جدیدہ کی نسبت یہ عام خیال جو پھیلا ہوا ہے کہ وہ قطعی اور یقینی ہین اس مین پہلی غلطی یہ ہے کہ جو چیزین قطعی اور یقینی ہین وہ صرف سائنس کے مسائل ہین اور یہی وجہ ہے کہ یورپ مین انکی نسبت طبقہ علما مین کسی قسم کا اختلاف نہین۔ لیکن فلسفہ کی یہ حالت نہین ہے یورپ مین آج فلسفہ کے بیسون اسکول ہین، اور ان مین اس شدت سے اختلاف ہے کہ اگر ان سب کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک ہی چیز سفید بھی ہو سکتی ہے

اور سیاہ بھی،

اب دیکھنا چاہیے کہ سائنس کو مذہب سے کیا تعلق ہے۔ سائنس جن چیزوں کا اثبات یا ابطال کرتا ہے، مذہب کو ان سے مطلق سروکار نہیں، عناصر کس قدر ہیں؟ پانی کن چیزوں سے مرکب ہے؟ ہوا کا کیا وزن ہے؟ نور کی کیا رفتار ہے؟ زمین کے کس قدر طبقات ہیں؟ یہ اور اس قسم کے مسائل، سائنس کے مسائل ہیں، مذہب کو ان سے کچھ سروکار نہیں، مذہب جن چیزوں سے بحث کرتا ہے وہ یہ ہیں، خدا موجود ہے یا نہیں؟ مرنے کے بعد اور کسی قسم کی زندگی ہے یا نہیں؟ خیر و شر یا نیکی و بدی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ ثواب و عقاب ہے یا نہیں؟ ان میں سے کون سی چیز ہے جس کو سائنس ہاتھ لگا سکتا ہے؟ سائنس کے اساتذہ نے جب کہا ہے تو یہ کہا ہے کہ ہم کو ان چیزوں کا علم نہیں یا یہ کہ یہ چیزیں مشاہدہ اور تجربہ کے احاطے سے باہر ہیں یا یہ کہ ہم ان باتوں کا یقین نہیں کرتے کیونکہ ہم صرف ان باتوں کا یقین کرتے ہیں جو تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہو سکتی ہیں، کوتاہ نظر عدم علم کو علم عدم سمجھ جاتے ہیں۔ سائنس والے کہتے ہیں کہ ہم کو یہ چیزیں معلوم نہیں، کوتاہ بین اس کے یہ معنے لیتے ہیں کہ ہم کو ان چیزوں کا نہ ہونا معلوم ہے، حالانکہ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

یورپ میں تقسیم عمل کے اصول پر عمل ہے یعنی تمام اہل فن نے اپنے اپنے کام تقسیم کر لئے ہیں اور ہر فرقہ اپنے کام میں اس طرح مشغول ہے کہ اس کو دوسری چیزوں سے مطلق غرض نہیں۔ ان میں ایک فرقہ مادیین کا (میٹریلسٹ) ہے جس کا موضوع بحث

مادہ ہے۔ اس گروہ نے مادہ کے متعلق نہایت عجیب عجیب اسرار معلوم کیے ہین یہی فرقہ
جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مذہب کا۔ خدا کا۔ روح کا منکر ہے، لیکن درحقیقت وہ
ان باتون کا منکر نہین بلکہ یہ کہتا ہے کہ ان چیزون کا ثبوت ہمارے دائرہ تحقیقات سے باہر ہے
پروفیسر لیتریہ LETTRE جو اس گروہ کا بہت بڑا عالم ہے لکھتا ہے کہ "چونکہ ہم کائنات
کی آغاز اور انجام سے ناواقف ہین اسلیئے ہمارا یہ منصب نہین کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا
انکار کرین جسطرح ہمارا یہ کام بھی نہین کہ ہم اس کو ثابت کرین۔ مادی مذہب اپنے آپکو علت اولی
کے وجود کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہے کیونکہ اس کو اسکے متعلق کسی قسم کا علم نہین۔ ہم
حکمت الہی کے نہ منکر ہین نہ مثبت۔ ہمارا کام نفی و اثبات سے بالکل الگ رہنا ہے"

فرانس کے ایک طبی رسالہ مین ایک دفعہ ایک مضمون چھپا تھا کہ "ادراک اور ذکا اس
فاسفورس سے پیدا ہوتا ہے جو دماغ مین ہے اور فضائل انسانی مثلاً شجاعت، فیاضی،
شرافت نفس، یہ سب اعضاے انسانی کی کہربائی تموجات ہین" اس پر فرانس کے ایک
مشہور فاضل کامل فلامریان نے جو طبعیات کا بڑا ماہر ہے، ایک مضمون لکھا جس مین اسنے
مضمون نگار سے اسطرح خطاب کیا۔

"یہ کس نے تم سے کہا؟ لوگون کو گمان ہوگا کہ تمھارے استادون نے تمکو یہ سکھایا
ہوگا۔ لیکن یہ گمان صحیح نہین، مین نہین جانتا کہ یہ بیہودہ دعوی زیادہ تر قابل تعجب ہے؟ یا مدعیان
علم کی جرءت؟ نیوٹن جب کوئی مسئلہ بیان کرتا تھا تو کہتا تھا کہ "بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے"
کیپلر کہا کرتا تھا کہ "تم ان چیزون کو فرض کرلو" بخلاف اس کے تم لوگ کہتے ہو کہ "ہم ثابت

کرتے ہین" "ہم باطل کرتے ہین" "یہ موجود ہے یہ معدوم ہے" "علم نے یہ فیصلہ کر دیا ہے" "علم نے یہ ثابت کر دیا ہے" حالانکہ تمھارے ان دعوون مین علمی دلائل کی جھلک بھی نہین تم اپنی حماقت سے دلیری کر کے علم پر اس قدر بڑا بار ڈال دیتے ہو؟ جو باتین تم کہتے ہو اگر علم کے کانون پڑجائین (اور پڑنی ہی چاہیین کیونکہ تم علم کے فرزند ہو) تو تمھاری حماقت پر اس کو ہنسی آجائیگی تم کہتے ہو کہ "علم مثبت ہے۔ نافی ہے۔ آمر ہے ناہی ہے" یہ باتین کہکر غریب علم کے ہونٹون پر ایسے بڑے بڑے بھاری الفاظ رکھدیتے ہو جس سے ممکن ہے کہ اُس کے دل مین غرور آجائے عزیزو! علم۔ ان تمام مسائل مین سے نہ کسی کا اثبات کرتا ہے نہ انکار"

یہ ہے ماہرین فن کی رائے لیکن بعض کم درجہ کے مادیین اپنی حد سے بڑھ کر نفی کا دعوے بھی کر بیٹھتے ہین، اور انھی کی ملمع کاریان ہین جس نے ہمارے ملک کے نوجوانونکی آنکھون کو خیرہ کر دیا ہے، اسلیئے ہم کو زیادہ غور و فکر سے دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے دعوی پر کس قسم کے دلائل قائم کرتے ہین۔ مثال کے لیے ہم ایک اہم مسئلہ یعنی روح کے وجود کے متعلق اُن کے اقوال نقل کرتے ہین

ڈاکٹر شفلر Sheffrer کہتا ہے کہ "روح مادہ ہی کی ایک قوت کا نام ہے جو اعصاب سے پیدا ہوتی ہے" دیرشو کا قول ہے کہ "روح ایک قسم کی میکانکی حرکت ہے" بوشنر Buchner کہتا ہے کہ "انسان صرف مادہ کا ایک نتیجہ ہے۔ دوبوار یمون Du Bois Reymond کہتا ہے کہ "تمام اعصاب مین ایک کہربائی تموّج پایا جاتا ہے اور جس کو فکر کہتے ہین وہ مادہ ہی کی ایک کا نام ہے" دوترشیہ Du Dutrochet

جو فزیکل سائنس کا بڑا عالم ہے کہتا ہے کہ زندگی فطرت کا کوئی اصلی قاعدہ نہین بلکہ ایک اتفاقی استثنا ہے جو مادّہ کے عام اصولون کے مخالف ہے" فرانس کے ایک مشہور ہیگنین نے ایک مضمون مین بیان کیا تھا کہ دماغ مین جو فاسفورس ہے فکر اسی کا ایک نتیجہ ہے اور جس چیز کو اخلاص شجاعت اور فضیلت کہتے ہین وہ اعضاے جسمانی کی کہربائی موجین ہین کیا یہ رایین قطعیات مین شمار ہوسکتی ہین۔ کیا انکی بنا پر یہ دعوی کیا جاسکتا ہی کہ علوم جدیدہ نے روح کو باطل ثابت کردیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور سائنس کے حدود بالکل الگ الگ ہین، سائنس کا جو موضوع ہے مذہب کو اس سے کچھ واسطہ نہین اور مذہب کو جن چیزون سے بحث ہے، سائنس کو ان سے کچھ غرض نہین، فلسفہ البتہ کہین کہین مذہب سے ٹکرا جاتا ہے لیکن قطعیات اور یقینیات مین اس کا شمار نہین اور یہی وجہ ہے کہ اُسکے مختلف اسکول ہین اور ان اسکولون مین باہم نہایت سخت اختلاف ہے۔ ان مین سے بعض خدا کے منکر ہین تو بہت سے خدا کے قائل بھی ہین، وجود روح کے مقر بھی ہین اور منکر بھی۔ اخلاق کے اصول ایک فرقہ کے نزدیک کچھ ہین اور دوسرے کے نزدیک کچھ اس حالت مین مذہب اس لحاظ سے مطمئن رہتا ہے کہ

چو دیدی کہ در دشمن افتاد جنگ

خلط بحث اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب سائنس اور مذہب دونوں مین سے کوئی اپنی حد سے بڑھ کر دوسرے کی حد مین قدم رکھتا ہے اور یہی خلط بحث تھا جس نے ملاحدہ اور منکرین مذہب کے خیالات کو قوت دی۔ بلکہ درحقیقت اسی خلط بحث نے الحاد اور بیدینی کے

خیالات پیدا کر دیتے۔ یورپ مین پہلے مذہب کو اس قدر وسیع کر دیا گیا تھا کہ کسی قسم کا کوئی علمی مسئلہ مذہب کی دست اندازی سے بچ نہین سکتا تھا چنانچہ خاص اس مقصد کی غرض سے اسپین مین مجلس انکویزیشن قائم ہوئی تھی جس کا کام یہ تھا کہ جو لوگ، مذہب کے خلاف کچھ کہتے ہون ان کی تحقیقات کرے اور ان پر کفر اور ارتداد کا الزام لگائے، چنانچہ اٹھارہ برس مین یعنی سنہ ۱۴۸۱ء سے لیکر ۱۴۹۹ء تک۔ دس ہزار دو سو بائیس آدمی، ارتداد کے الزام مین زندہ آگ مین جلا دیے گئے، اس مجلس نے ابتداے قیام سے اخیر زمانہ تک تین لاکھ چالیس ہزار آدمیون کو کافر اور ملحد قرار دیا جن مین سے کئی لاکھ آگ مین جلا دیے گئے۔

جس قسم کی باتون پر کفر کا الزام لگایا جاتا تھا اس کا اندازہ۔ ذیل کے واقعات سے ہو گا

کوپرنیکس نے نظام بطلیموسی سے انکار کر کے یہ ثابت کیا کہ زمین اور چاند وغیرہ آفتاب کے گرد گھومتے ہین۔ اس پر مجلس انکویزیشن نے فتوی نافذ کیا کہ یہ راے۔ کتاب مقدس کی مخالف ہے اور اس بنا پر کوپرنیکس مرتد اور کافر ہے۔

گلیلو نے جو دوربین کا موجد گذرا ہے ایک کتاب کوپرنیکس کی حمایت مین لکھی جس مین ثابت کیا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ اس پر مجلس انکویزیشن نے فتوی دیا کہ وہ مستوجب سزا ہے چنانچہ اس کو گھٹنون کے بل کھڑا کرا کر یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس مسئلہ سے انکار کرے لیکن جب وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہا تو قید خانہ بھیجدیا گیا۔ اور دس سال تک محبوس رہا۔

کولمبس نے جب کسی نئے جزیرہ کے دریافت ہونے کی امید پر سفر کرنا چاہا تو کلیسا نے فتوی دیا کہ اس قسم کا ارادہ، مذہب کے خلاف ہے۔

زمین کے کروی ہونے کا خیال جب اول اول ظاہر کیا گیا تو پادریون نے سخت مخالفت کی کہ یہ اعتقاد کتاب مقدس کے خلاف ہے۔

• غرض ہر قسم کی علمی ایجادات اور اکتشافات پر پادریون نے کفر و ارتداد کے الزام لگائے تاہم چونکہ علمی ترقی کا اٹھان تھا ان کی کوششین بے کار گئین، اور علوم و فنون تکفیر ہی کے سایہ مین پھولے اور پھلے۔

پادریون کے تعصبات اور وہم پرستی اگرچہ علم کو دبا نہ سکے لیکن اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ علمی گروہ نے پادریون ہی کے خیالات اور اوہام کو مذہب سمجھا اور اس بنا پر نہایت مضبوطی سے ان کی رائے قائم ہو گئی کہ مذہب جس چیز کا نام ہے وہ علم اور حقیقت کے خلاف ہے یہی ابتدائی خیال ہے جس کی آواز بازگشت آج تک یورپ مین گونج رہی ہے

بے شبہ اگر مذہب اسی چیز کا نام ہے تو وہ سائنس کے مقابلہ مین کسی طرح نہین ٹھہر سکتا لیکن اسلام نے پہلے ہی دن کہدیا تھا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمُوْرِ دُنْیَاکُمْ یعنی تم لوگ دنیا کی باتین خود خوب جانتے ہو" یہ ظاہر ہے کہ سائنس اور تمام علوم جدیدہ اسی دنیا سے متعلق ہین معاد اور آخرت سے انکو کچھ واسطہ نہین۔

اس موقع پر نکتہ لحاظ کے قابل ہے کہ اسلام مین سیکڑون فرقے پیدا ہوے اور ان مین اس قدر اختلاف رہا کہ ایک نے دوسرے کی تکفیر کی، یہ تکفیر بڑے بڑے مسائل پر محدود نہ تھی بلکہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتون پر ایک دوسرے کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن علمی تحقیقات اور اکتشافات کی بنا پر کبھی کسی شخص کی تکفیر نہین کیگئی

قدماے مفسرین کا خیال تھا کہ پانی آسمان سے آتا ہے یعنی آسمان پر ایک دریا ہے، بادل اُسی سے پانی لیتے ہین اور برساتے ہین، آفتاب، پانی کے ایک چشمہ مین غروب ہوتا ہے، زمین مسطح کروی نہین، ستارے جو ٹوٹتے ہین شیاطین کے شعلہ ہاے آتشین ہین، مفسرین ان تمام باتون کو قرآن کے نصوص سے ثابت سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام رازی نے مفسرین قدیم کے یہ تمام اقوال تفسیر کبیر مین نقل کیے ہین،

لیکن جب عباسیون کا علمی دور آیا اور فلسفہ اور طبعیات سے ترقی کی تو لوگون نے ان خیالات کی مخالفت کی، باوجود اسکے خود مفسرین کے گروہ مین سے ایک شخص نے بھی ان لوگون کو کافر اور منکر قرآن نہین کہا، معتزلہ کو متدین اس بنا پر کافر کہتے ہین کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہین لیکن اس بنا پر کوئی انکو کافر نہین کہتا کہ وہ جادو کی حقیقت سے منکر ہین،

غرض جس حد تک تحقیق و تفتیش کیجاے عموماً یہ ثابت ہوگا کہ مسلمانون نے علمی تحقیقات اور ایجادات کو کبھی مذہب کا حریف مقابل نہین سمجھا۔ بلکہ محققین نے صاف تصریح کر دی کہ اسباب کائنات، اور مسائل ہیئت، وغیرہ نبوت کی سرحد سے بالکل الگ ہین، اور انبیا کو تہذیب اخلاق کے سوا اور کسی چیز سے غرض نہین۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین۔

وَمِنْ سِيَرِهِمْ اَنْ لَّا يَشْتَغِلُوْا بِمَا لَا يَتَعَلَّقُ بِتَهْذِيْبِ النَّفْسِ وَسِيَاسَةِ الْاُمَّةِ كَبَيَانِ اَسْبَابِ حَوَادِثِ الْجَوِّ مِنَ الْمَطَرِ وَالْكُسُوْفِ وَالْهَالَةِ وَعَجَائِبِ النَّبَاتِ	انبیا کا ایک اصول یہ ہے کہ جو امور تہذیب نفس اور قوم کی سیاست سے تعلق نہین رکھتے ان مین وہ مشغول نہین ہوتے مثلاً بارش، گہن، اور ہالہ کے اسباب بیان کرنا یا نباتات

والحيوان ومقادير سير الشمس والقمر واسباب الحوادث اليومية وقصص الانبياء والملوك والبلدان ونحوها اللهم الا كلمات يسيرة ألفها اسماعهم وقبلها عقولهم يؤتى بها في التذكير بآلاء الله والتذكير بأيام الله على سبيل الاستطراد بكلام اجمالي يسامح في مثله بإيراد الاستعارات والمجازات ولهذا الأصل لما سألوا النبي عن لمية نقصان القمر وزيادته أعرض الله تعالى عن ذلك الى بيان فوائد الشهور فقال يسألونك عن الأهلة قل هي مواقيت للناس والحج

اور حیوانات کے عجائبات یا چاند سورج کی رفتار۔ یا روزانہ حوادث کے اسباب یا انبیاء اور سلاطین کے قصے یا شہروں کے حالات بیان کرنا۔ ان چیزوں سے وہ بحث نہیں کرتے مگر ہاں چند معمولی باتیں جن سے لوگوں کے کان آشنا ہو چکے ہیں اور انکی عقلوں نے ان باتوں کو قبول کر لیا ہے، اُن باتوں کو بھی انبیا علیہم السلام خدا کی شان اور قدرت کے ذکر میں ضمنی طور پر اجمالاً بیان کرتے ہیں اور اس میں مجاز اور استعارہ سے کام لیتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے آنحضرت سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت دریافت کی تو خدا نے اسکے جواب سے اعراض کیا اور اسکے بجائے مہینوں کی تعیین کا فائدہ بیان کر دیا چنانچہ فرمایا ویسئلونک الخ

شاہ صاحب نے انبیاء کی تعلیم کا جو اصول بتایا اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مذہب اسلام کو سائنس اور علوم جدیدہ سے کسی قسم کے خطرہ پہونچنے کا احتمال ہے۔

مذہب انسان کی فطرت مین داخل ہے

انسان[1] اور حیوان کا مقابلہ کرو حیوان اپنے ضروریات کا سامان اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ انکا لباس انکے ساتھ ہوتا ہے جو موسم کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ دشمنون سے مقابلہ کرنے کے لیے پنجے۔ ناخن۔ ڈنک۔ کے ہتیار اس کے ساتھ پیدا ہوتے ہین۔ جن غذا پر اسکی زندگی کا مدار ہے، پیدا ہونے کے ساتھ اس کو ہر طرف جنگل ہو یا پہاڑ خشکی ہو یا دریا ویرانہ ہو یا آباد۔ ہر جگہ مہیا ملتی ہین۔

انسان کا یہ حال ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو کسی قسم کا سامان اسکے پاس نہیں ہوتا اسکی جلد نازک ہوتی ہے۔ ہاتھ پانون کمزور ہوتے ہین، جسم پر کوئی لباس نہین ہوتا دشمن سے حفاظت کے لیے سینگ یا پنجے نہین ہوتے۔ اس کے ساتھ عالم فطرت کی جتنی چیزین اسکے گرد و پیش ہوتی ہین، سب کی سب اُسکے دشمن نظر آتی ہیں، آفتاب کی گرمی، بادلونکی جھڑی، لوون کی لپیٹ۔ جاڑون کی ٹھنڈ؟ ہر چیز چاہتی ہے کہ اس کو تباہ کر دے۔

ان مصائب اور مشکلات کے مقابلہ کرنے کے لیے قدرت نے اس کو کوئی جسمانی ہتیار نہین دیا، کیونکہ جن بیشمار اور پر زور دشمنون کا اس کو سامنا کرنا تھا، اسکے لیے کوئی جسمانی آلہ کافی نہین ہوسکتا تھا، قدرت نے اُس کو ان ہتیارون کے بدلے ایک ایسی عام قوت

---

[1] اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ اس حصہ مین ہمنے جابجا یورپ کے حکما اور علما کے اقوال نقل کیے ہین لیکن ہم نے انکی اصلی تصنیفات کے دیکھنے کی زحمت نہین اُٹھائی ہے۔ بلکہ مصر کے ایک فاضل مصنف کی تصنیفات پر اعتماد کیا ہے جسکا نام فرید وجدی بک ہے اس بحث مین اسکی دو تصنیفین ہین تطبیق الديانة الاسلاميہ اور الحديقہ الفكريہ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جن یورپین فاضلونکے اقوال نقل کیے گئے ہین انمین سے اکثر جرمن اور فرنچ کے علما ہیں ہمارے نئی تعلیم یافتہ احباب کو جو انگریزی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہین جانتے انکے ناموں کے متعلق غلطی نہ کرنی چاہیے

عطا کی جسکے ذریعہ سے اُس نے ہر قسم کے دشمنون کے مقابلہ کے لئے جدا سامان طیار کئے دھوپ
گرمی۔ جاڑے، سے محفوظ رہنے کے لئے ہر قسم کے لباس اور مکانات بنائے جانورونکے
مقابلہ کے لئے تیغ و خنجر طیار کیے۔ دریاون پر پل باندھے۔ پہاڑ تراشے۔ لوہا پگھلایا۔ برق کو مسخر کیا
ہوا کو تھاما، غرض تھوڑے عرصہ کے بعد دیکھا تو تمام کائنات اُس کے پنجہ اقتدار مین تھی۔

اس عام قوت کا نام عقل کلی یا عقل انسانی ہے۔ لیکن چونکہ قدرت کو منظور تھا کہ انسان کی
ترقیان بلند سے بلند نقطہ پر بھی پہنچکر ٹھہرنے نہ پائین، اس لئے وہ (یعنی قدرت) ایک دم بھی
انسان کو چین نہین سے لینے دیتی، وہ اسکے مخالفون کو نئے نئے ہتھیار دیتی جاتی ہے جس سے
انسان پر نئے نئے طرح کے حملے کیے جاتے ہین، جن بیماریون کا علاج معلوم ہو چکا تھا، انکے علاوہ
نئے امراض پیدا ہوتے ہین۔ دنیا کا جغرافیہ جس قدر معلوم ہو چکا تھا اسکے علاوہ نئی آبادیون کا
پتہ لگتا ہے اور وہان نئے ضروریات پیش آتے ہین۔ آرام و آسایش کے جو سامان مہیا
ہو چکے تھے راحت طلبی کا مادہ بڑھ کر وہ سامان بے کار ہو جاتے ہین، مجبوراً انسان ان نئے
مخالفون کے مقابلہ کے لئے نئی طیاریان کرتا ہے، اور ترقی کی جس حد تک پہنچ چکا تھا
اس سے آگے نکل جاتا ہے۔

عالم کون اور انسان کی یہ باہمی کشمکش ہی وہ چیز ہے جو انسان کی تمام ترقیون کی جڑ ہے
اور جس کی بدولت آج سیکڑون ہزارون نئے نئے ایجادات کا سلسلہ قایم ہے اور روز بروز
بڑھتا جاتا ہے، لیکن ان بیرونی دشمنون اور مخالفون سے زیادہ سخت اور زیادہ خطرناک
دشمنون کا ایک اور گروہ ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے اور جن سے

اس کو ہمیشہ سخت معرکہ آرائیاں رہتی ہین۔ طمع اس کو آمادہ کرتی ہے کہ عزیز و بیگانہ۔ دوست و دشمن دور و نزدیک کے تمام دولت و مال پر قبضہ کر لیا جائے۔ کینہ پروری کا تقاضا ہے کہ مخالفون کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ جاہ طلبی کہتی ہے کہ جب تک تمام عالم کی گردنین جھک نہ جائین، آرام نہ لے۔ خواہش نفس مجبور کرتی ہے کہ دنیا مین کسی کا پردۂ عصمت محفوظ نہ رہنے پائے، ان دشمنون سے بچانے کے لئے ایک حد تک عقل کام آتی ہے وہ بتاتی ہے کہ اگر تم کسی کی آبرو کا قصد کروگے تو وہ بھی کریگا تم کسی کو برباد کرنا چاہو گے تو وہ بھی چاہے گا۔ تم دوسرونکی عزت نہ کروگے تو وہ بھی نہ کرینگے لیکن اولاً تو اس قسم کی پیش بینی عقل خاص تعلیم یافتہ اشخاص مین ہو سکتی ہے۔ اسکے علاوہ بہت سے ایسے موقع پیش آتے ہین جہان اس قسم کے انتقام کا مطلق اندیشہ نہین ہوتا۔ حکومت کا خوف۔ جاسوس کا ڈر۔ بدنامی کا احتمال۔ انتقام کا خطرہ۔ ایک چیز بھی نہین ہوتی۔ ان موقعون پر عقل ان پر زور مخالفون کا مقابلہ نہین کر سکتی، بلکہ ایک دوسری قوت ہی، جو سینہ بسینہ چلی آتی ہے اور وہ انسان کو ان دشمنونکے حملے سے بچاتی ہے اس قوت کا نام نور ایمان، ضمیر، حاسۂ اخلاقی ہے، اور یہی چیز مذہب کی بنیاد ہے۔

یہ **قوت** انسان کی اصل فطرت مین داخل ہے۔ عالم و جاہل۔ رذیل و شریف۔ شاہ و گدا۔ افریقہ کا وحشی اور یورپ کا تعلیم یافتہ سب اس مین برابر کے حصہ دار ہین اور یہی معنی ہین قرآن کی اس آیت کے

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي	اپنا مونھ سب طرف سے موڑ کر دین کی طرف کر یہ وہ خدا کی فطرت ہے جس

فِطْرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ	خدا نے انسان کو مخلوق کیا ہے، خدا کی خلقت مین تغیر نہین
الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ	ہوتا، یہی ٹھیک دین ہے۔لیکن اکثر لوگ جانتے نہین۔

جرمن کا ایک حکیم کسلر لکھتا ہے "مذہب ابدی چیز ہے کیونکہ مذہب جس حاسہ کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانہ مین کبھی معدوم نہین ہوسکتا" فرانس کا مشہور فاضل معلم رینان جو مذہب کا پابند نہ تھا اپنی کتاب تاریخ مذہب مین لکھتا ہے "کہ یہ ممکن ہے کہ کل وہ اشیا جن کو ہم محبوب رکھتے ہین، اور کل وہ چیزین جو لذائذ زندگی مین محسوب ہین مٹ جائین لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دنیا سے معدوم ہوجائے یا اُس کی قوت مین زوال آجائے، وہ ہمیشہ اس بات کا علانیہ ثبوت دے گا کہ مادی مذہب (میٹریلیسٹ) بالکل غلط ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان کی دماغی قوت اس پست خاکی زندگی تک محدود رہ جائے"[1]

پروفیسر سبیتیہ SABATER فلسفہ دینیہ مین لکھتا ہے "مین کیون پابند مذہب ہون؟ اس لیے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہین سکتا تھا کیونکہ پابند مذہب ہونا میری ذاتیات مین سے ہے، لوگ کہین گے کہ یہ وراثت، یا تربیت، یا مزاج، کا اثر ہے مین نے خود اپنی رائے پر یہی اعتراض کیا ہے۔لیکن مین نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل نہین ہوتا مذہب کی ضرورت جس قدر مجکو اپنی ذاتی زندگی کے لئے ہے، اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے مذہب کے شاخ وبرگ ہزارون دفعہ کاٹ ڈالے گئے ہین لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے اور اُس نے سنئے برگ وبار پیدا کر لیے ہین، اس بنا پر مذہب ابدی چیز ہے جو کبھی زائل نہین ہوسکتی

[1] یہ دونون قول۔تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ صفحہ ۲۴ و ۲۵ مین مذکور ہین

مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے
اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہین انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوئی ہے اور اسی سے قوت پائیگی"[1]

دنیا کی اخلاقی نظم ونسق کو اسی حاسۂ مذہبی ہی نے تھام رکھا ہے، ورنہ اگر تعلیم وتمدن پر
مدار ہوتا تو یورپ کا اخلاقی پلہ اسیقدر تمام دنیا سے بھاری ہوگیا ہوتا جسقدر تعلیم وتمدن مین اسکا پایہ بلند ہے

مذہب کے فطری ہونیکی دلیل

دنیا مین افراد انسانی کے خاص خاص مختصات یعنی زبان۔ قوم۔ ملک۔ صورت
رنگ کو حذف کرتے جاؤ تو جو چیزین قدر مشترک رہ جائینگی، ان مین ایک مذہب ہوگا اور یہ
بہت بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب، فطری چیز ہے۔ جن چیزون کو ہم انسان کی
فطرت خیال کرتے ہین مثلاً اولاد کی محبت۔ انتقام کی خواہش۔ کمال کی قدردانی، وغیرہ وغیرہ
ان کے فطری ہونے کی یہی وجہ قرار دیتے ہین کہ تمام دنیا کے آدمیون مین مشترک پائی
جاتی ہین۔ اس بناپر جب ہم دیکھتے ہین کہ دنیا مین ہر قوم۔ ہر نسل، ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب
رکھتا ہے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب فطری چیز ہے۔ اس سے بڑھکر یہ کہ مذہب
کے جو مقدم اصول ہین وہ تمام مذاہب مین یکسان پائے جاتے ہین خدا کا وجود، اسکی
پرستش کا خیال۔ حیات بعد الموت۔ اعمال کی جزا وسزا۔ رحمدلی۔ ہمدردی۔ عفت کا اچھا
سمجھنا جھوٹ۔ دغا۔ زنا۔ چوری کو برا جاننا۔ دنیا کے تمام مذہبون کا اصل اصول ہے

فطرت نے افراد انسانی مین بے انتہا فرق مراتب رکھا ہے۔ دولت ومال۔ جاہ
وحشم۔ فضل وکمال، ذہن وذکا۔ کے عطا کرنے مین ایک طرف تو یہ فیاضی ہے کہ اُس سے

[1] الحیوۃ سال اول صفحہ ۱۵۵

زیادہ ہو نہین سکتی، سکندر و تیمور۔ ارسطو و افلاطون۔ ہومر و فردوسی، اسی فیاضی کے نمونے ہین دوسری طرف یہ بخل ہے کہ انسان اور بندر مین اتنا کم فرق رہ جاتا ہے کہ ڈاروِن کو نظر تک نہین آتا۔ بااینہمہ جو باتین شرط زندگی اور مدار حیات ہین وہ تمام افراد انسانی مین یکسان عطا کی ہین۔ افریقہ کا جاہل سے جاہل وحشی بھی اسیطرح کھاتا پیتا۔ چلتا پھرتا سوتا جاگتا۔ بولتا چالتا ہے جس طرح یونان کا بڑے سے بڑا حکیم ان ضروریات کو انجام دیتا ہے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کا اسقدر حصہ۔ جو تمام دنیا کی قومون مین مشترک ہے لازمہ انسانی تھا۔ اور اس وجہ سے قدرت نے تمام قومون کو یکسان عطا کیا، ارسطو او نہم بہت سے دلائل کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے کہ سچائی، دیانت داری، عفت، حلم اچھی چیزین ہین لیکن افریقہ کا ایک وحشی بغیر تعلیم اور بغیر کسی دلیل کے خود بخود ان چیزون کو اچھا جانتا اور اچھا سمجھتا ہے۔

مذہب اسلام

مذہب اسلام

یہ تو ثابت ہوچکا کہ مذہب نظری چیز ہے یعنی جس طرح انسان مین ہمدردی محبت جوش، انتقام، قدرتی جذبات پائے جاتے ہین اسی طرح میلان مذہب بھی قدرتی اور فطرتی ہے، اور جس طرح اور قدرتی جذبات کسی شخص مین کم کسی مین زیادہ کسی مین ضعیف کسی مین بشدت، اور شاذ ونادر افراد مین بالکل نہین پائے جاتے بعینہ مذہب کا یہی حال ہے، لیکن چونکہ (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے) حاسۂ مذہبی، اس بناپر انسان کو عطا کیا گیا ہے کہ بغیر اسکے نوع انسانی کا بقا ممکن نہ تھا، اسلیئے مذہب کا جسقدر حصہ تمام انسانون مین یکسان مشترک ہے وہ نہایت سادہ مجمل اور ناتمام ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، اسکی صاف اور صریح تمثیل یہ ہے کہ انسان کے زندہ رہنے کے لیئے کھانا پینا، گرمی سردی سے بچنا، ضروری ہے اسلیئے قدرت نے ان ضروریات کا سامان، اونی سے ادنیٰ آدمی کے لیئے بھی مہیا کیا ہے، لیکن یہ ضرور نہین کہ یہ سامان اعلیٰ درجہ کے بھی ہون کھانے کے لیئے سدرمق، رہنے کے لیئے خس کا جھونپڑا، لباس کے لیئے درختون کے پتے بھی مہیا ہوگئے تو قدرت کا فرض ادا ہوگیا، اس سے بڑھکر مختلف قسم کے الوان نعمت، عالیشان محل بیش بہا ملبوسات، سب کے لیئے ہونے ضرور نہین فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

یہی حال مذہب کا ہے۔ خدا کا اعتراف، عبادت کا میلان، معاد کا خیال، جزا و سزا کا یقین، نبوت کا اعتراف، لازمہ انسانی تھا اسلیئے سب فرقون مین مشترک رہا اور اس مین کسی قوم اور کسی فرقہ کی تخصیص نہین۔ لیکن یہ امور کہ خدا کے کیا اوصاف ہین؟ کس قسم کی

تمام مذاہب میں سے کسی ایک کی ترجیح کی وجہ

عبادت فرض ہے؟ کیون فرض ہے؟ معاد کی کیا حقیقت ہے؟ جزا و سزا سے کیا غرض ہے؟ نبوت کے کیا معنی ہین؟ ان سوالات کا جواب تمام مذاہب مین یکسان نہین مل سکتا۔ اس مین فرق مراتب ہے اور جس نسبت سے جس مذہب نے ان سوالات کا صحیح جواب دیا ہے، اسی نسبت سے وہ مذہب زیادہ صحیح اور کامل ہے

یورپ کو مذہب سے کیون مخالفت ہے

یورپ مین منکرین مذاہب کا جو گروہ پیدا ہو گیا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے انکے انکار مذہب کی وجہ یہی ہے کہ وہ مذاہب موجودہ مین سوالات مذکورہ بالا کا صحیح اور مکمل جواب نہین پاتے

پروفیسر لاروس Larousse مذہب کی مخالفت کرتے ہوے لکھتا ہے

"اگر ہم کہتے ہین کہ ان باتون کا اعتقاد کرنا چاہیے جو عقل مین نہین آتین تو ہم سے کہا جاتا ہے نہین ہرگز نہین، عقل کو جو نیک و بد کی ممیز ہے، ذلیل کیا جاتا ہے، یہانتک کہ عقل کی آنکھین اسقدر اندھی کردیجاتی ہین کہ خرق عادت ایک معمولی بات بن جاتی ہے، سفید سیاہ ہوجاتا ہی، بدنما چیز خوشنما ہوجاتی ہے تو مذہب آتا ہے اور کہتا ہے کہ گردن ڈالدو، کیسے آگے؟ عقل کے آگے؟ نہین فطری فرائض کے آگے؟ نہین، احساسات اندرونی کے آگے؟ نہین، اصول فطرت کے آگے؟ نہین"[1]

مانسیو بنجمن کانستان نے جو فرانس کا مشہور عالم ہے، مذہب کی حقیقت اور مذہب کی نشو و نما پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس مین وہ مذہب کے نقصانات کی تفصیل بیان کرکے لکھتا ہے کہ "مذہب جن بنیادون پر قائم ہوا ہے وہ علم کے مخالف ہین اور اس لئے

[1] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۲۴

یہ قطعی ہے کہ تمام مذاہب برباد ہو جائیں،،

برتلو BERTOLO لکھتا ہے "علم نے اب پوری آزادی حاصل کر لی ہے اور اسبات کا خوف نہیں رہا کہ مذہب اسکو دبا لے،،

ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان منکرین مذاہب کے نزدیک چونکہ مذہبی اصول تحقیقات علمی کے مخالف ہیں اسلئے وہ صحیح نہیں ہو سکتے، ورنہ اگر کوئی مذہب ایسا ہو جسکے تمام اصول عقل کے موافق ہوں تو منکروں کو بھی اس کی تسلیم سے انکار نہ ہوگا، اسی بنا پر یورپ کے بڑے بڑے محققین نے مذہب کا ایک خیالی خاکہ کھینچا ہے اور اس کا نام "دیانتہ طبعیتہ" رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مذاہب موجودہ غلط ہیں لیکن اگر ایک نیا مذہب ایجاد کیا جائے جسکے اصول حسب ذیل قرار دئے جائیں تو وہ نے شبہ تسلیم کے قابل ہوگا اور تحقیقات علمی کا ساتھ دے سکیگا۔

فطری مذہب

ژول سیمان نے اس عقلی مذہب کا تفصیلی خاکہ حسب ذیل کھینچا ہے۔

فطری مذہب کا خاکہ

"ثواب آخرت کے یہ معنی ہیں کہ انسان قانون کا پابند ہو لیکن یہ قانون کیا ہے؟ اپنی ذات کی حفاظت، ان خصائص کو ترقی دینا جو انسان کی فطرت میں مضمر ہیں، بنی نوع کی محبت اور خدمت، خدا کی عبادت، لیکن خدا کی عبادت کے کیا معنی ہیں؟ اپنے فرائض کا ادا کرنا۔ اچھے کام کرنا۔ وطن کی محبت، عمل اور اخلاص، یہی فطری مذہب ہے، اور یہی فطری عبادت ہے[1]"

---

[1] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۲۲

"یہ تو فطری مذہب کے اعمال ہیں، عقائد یہ ہیں۔ ایک قادر مطلق کا یقین، جو ہر چیز پر قادر ہے جس کو کوئی شے بدل نہیں سکتی اور جس کے تمام کام اصول اور ترتیب پر مبنی ہیں"[1]

لارڈوس[2] کہتا ہے، اگر مذہب کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ اُن معقول خیالات کے مجموعہ کا نام ہے جنکا مقصود یہ ہے کہ تمام افراد انسانی ایک رشتہ میں منسلک ہو جائیں اور وہ جسمانی فائدوں سے اسی طرح بہرہ یاب ہوں جس طرح قوت عقلیہ سے، تو تم یہ کہہ سکتے ہو کہ مذہب، نوع انسانی کے لیے ایک لابدی چیز ہے"

ایک اعلیٰ تر مذہب کیا اصول قرار پا سکتے ہیں

غرض خواہ ان اقوال کی بنا پر خواہ خود واقعیت کے لحاظ سے ایک صحیح۔ کامل اور ابدی مذہب کے لیے جو باتیں ضروری ہیں یہ ہیں۔

(۱) مذہب کی صحت کا مدار عقل قرار دیا جائے نہ تقلید۔

(۲) کوئی عقیدہ مذہبی عقل کے خلاف نہ ہو،

(۳) عبادات کے یہ معنی نہ قرار دیے جائیں کہ وہ مقصود بالذات ہیں اور خدا ہمارے تکلیفات شاقہ اٹھانے سے خوش ہوتا ہے، بلکہ عبادات سے خود نوع انسانی کا فائدہ مقصود ہو اور وہ اعتدال سے متجاوز نہ ہوں۔

(۴) دینی اور دنیوی، فرائض کو اس اعتدال کے ساتھ قائم کیا جائے کہ ایک سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے بلکہ ایک دوسرے کا دست و بازو بن جائے۔

(۵) مذہب، تمدن کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا ساتھ دے سکے بلکہ خود اس ترقی کا رستہ دکھائے

---

[1] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۳۰ [2] تطبیق صفحہ ۲۵ و ۲۶

ہم اس کتاب مین اہل انہی اصول کے معیار پر اسلام کو جانچنا چاہتے ہین

عقل اور مذہب

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ تمام مذاہب مین عقل کو کیا درجہ دیا گیا ہے اور اسلام نے عقل کی کیا منزلت قائم کی ہے، دنیا مین آج جس قدر مذاہب موجود ہین ان سب مین تلقین کی ابتدا اس حکم سے شروع ہوتی ہے کہ "مذہب مین عقل کو دخل نہ دو" یہی جابرانہ حکم ہے جس کی بدولت مذہب ہر قسم کی تحقیقات، اور اجتہادات سے مطمئن رہتا ہے اور ان مین سے کوئی چیز اس کی جباری کو کم نہین کرسکتی، اسی کا اثر ہے کہ ایک شخص منطق۔ فلسفہ ریاضیات مین سیکڑون عجیب و غریب ایجادات کرتا ہے۔ اور ارسطو و افلاطون کی غلطیان نکالتا ہے لیکن جب اسکے سامنے اس مسئلہ کا ذکر آتا ہے کہ "ایک تین ہین اور تین ایک"، تو اس کی نقادی؛ اور نکتہ سنجی بالکل کند اور بیکار ہو جاتی ہے، اسی کا اثر ہے کہ سقراط اتنا بڑا فلسفی ہو کر، جان دینے کے وقت وصیت کرتا جاتا ہے کہ فلان بت پر مین نے نذر چڑھانے کی جو منت مانی تھی وہ پوری کی جائے، اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام مذاہب مین سیکڑون حکما و علما پیدا ہوتے ہین لیکن مذہب کے لغو سے لغو عقیدہ کی نسبت بھی ان کو شک نہین پیدا ہوتا عقل کی اس بیکاری سے صرف یہ نقصان نہین پہونچتا کہ جو لغو عقیدہ ایک دفعہ قائم کر لیا گیا تھا وہ اپنے حال قائم رہتا ہے، بلکہ توہمات اور عجائب پرستی کا زور روز بروز بڑھتا جاتا ہے یہان تک کہ چند روز کے بعد مذہب کے عمدہ عقائد بھی ان توہمات کے ہجوم مین چھپ جاتے ہین، اور مذہب ہمہ تن عجائبات اور ناممکنات کا مجموعہ بن جاتا ہے،

یہی چیز ہے جس نے یورپ کے آزاد خیالوں کو مذہب سے متنفر بنا دیا ہے۔ پروفیسر ڈاریرس نے تمام مذاہب کے برباد ہو جانے کی جو پیشین گوئی کی ہے اسی بنا پر کی ہے کہ مذہب عقل کو برباد کرنا چاہتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ خود برباد ہو جائے، یہی پروفیسر ایک مقام پر لکھتا ہے کہ "اگر ہم بغیر خود غرضی اور وہم پرستی کے اس بات کا پتہ لگائین کہ دنیا مین آج تک جس قدر مادی، دماغی، اور اخلاقی ترقیان ہوئی ہین اُن کا اصلی سبب کیا ہے تو صرف یہ جواب ہے کہ عقل کا جبر کے شکنجہ سے نجات پانا"

اسلام کی تلقین

اب دیکھو اسلام کی کیا تلقین ہے؟

قرآن مجید مین یہودیون، عیسائیون، بت پرستون اور ملحدون کو سیکڑون جگہ مختلف طریقون سے عقائد اسلام کی دعوت دی ہے لیکن ایک جگہ بھی یہ نہین کہا کہ تقلیداً ان عقائد کو مان لو، بلکہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اجتہاد اور غور کے ذریعہ سے اُن کو منوانا چاہا ہے اور تقلید پرستی کی سخت برائی کی ہے۔ مخالفین اسلام کو سب سے بڑا الزام جو دیا وہ یہ تھا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ۔ (یوسف)	آسمان اور زمین مین کسقدر بیشمار نشانیان ہین، لیکن یہ لوگ انپر گذر جاتے ہین۔ اور اُنکی طرف رخ نہین کرتے۔
لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (سورہ اعراف قبل کوع خیر)	انکے دل تو ہین لیکن اس سے سمجھ کا کام نہین لیتے
اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (پارہ ۲۵)	ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انھی کے پیچھے پیچھے چلے جائینگے۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔	اور بعض لوگ ایسے ہین جو خدا کے باب مین بے علمی کیساتھ جھگڑتے ہین

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ۔
کیا یہ لوگ، قرآن پر غور نہین کرتے۔

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
کیا یہ لوگ اسمان اور زمین کے کارخانہ کو (غور سے) نہین دیکھتے

یہ تمام آیتین تو کلی طور پر عقل سے کام لینے کے متعلق تھین، مذہب کے تمام اصول و فروع کے متعلق اسلام نے جو تلقین کی وہ عقل کی بنا پر

نفس مذہب کی ضرورت اس طرح ظاہر کی

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ
اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر دین کی طرف کر، یہ خدا کی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے لوگونکو پیدا کیا ہے، خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین ہوتی

اسلام کی دعوت کا حکم دیا تو اُسکے یہ طریقے بتائے

ادْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
اپنے خدا کی راہ کی طرف لوگونکو بلاو حکمت سے نصیحت سے اور اُن لوگون سے بحث کرو بہ طرز پسندیدہ

خاص خاص اسلامی عقائد جہان کہین بیان کیے ہر ایک عقیدہ کے ساتھ اُس کی عقلی دلیل بیان کی۔ خدا کے ثبوت کے دلائل تو اس کثرت سے مذکور ہین کہ اس کتاب مین اسکا احاطہ نہین ہو سکتا **وحدانیت** کو اس طرح ثابت کیا

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا
اگر آسمان و زمین مین کئی خدا ہوتے تو دونون مین فساد آجاتا

خدا کے عالم ہونے کی یہ دلیل بیان کی۔

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ
کیا جسنے پیدا کیا وہ علم نہین رکھتا۔

رسول اللہ صلعم کی نبوت پر مخالفون کو جو استعجاب تھا اس کو اس طرح رفع کیا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ — کہدو کہ مین پیغمبرون مین سے کوئی انوکھا نہین

معاد کے ممکن ہونے کا اس طرح یقین دلایا

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ — کہدے کہ وہی زندہ کریگا جسنے پہلی بار پیدا کیا تھا

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ — کیا جس نے آسمان اور زمین پیدا کیا وہ اسپر قادر نہین

بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ — کہ ان جیسے، اور پیدا کر دے ۔

معاد کی ضرورت اس طرح ثابت کی

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ — کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ ہم نے تم کو یون ہی بیکار پیدا کیا

إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ — اور یہ کہ تم ہمارے ہان لوٹ کر نہ آؤ گے ۔

غرض خواہ نفس مذہب، خواہ بالخصوص مذہب اسلام، خواہ خاص خاص اسلامی عقائد جس چیز پر یقین دلانا چاہا، ساتھ ہی دلیل بھی بیان کی، اور ایک جگہ بھی یہ نہین کہا کہ اُن عقائد کو بلا دلیل تسلیم کر لو۔

اس موقع پر یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ آجکل زمانہ کے مذاق کیوجہ سے تمام اہل مذاہب اس بات کے مدعی ہین کہ ہمارا مذہب عقل سے ثابت ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ خود انکا دعوی ہے یا اُن کے مذہب نے بھی ایسا دعوی کیا ہے

اسلام کے سوا، دنیا مین اور کسی مذہب نے یہ دعوی نہین کیا کہ وہ عقل سے ثابت ہے اور مذہب کو عقل کے بنا پر ماننا چاہئے۔ اور یہ وہ بڑا فرق ہے جو علانیہ اسلام کو، تمام دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔

وجود باری

خدا کے اثبات پر قدما اس طرح استدلال کرتے تھے، کہ عالم حادث ہے اور جو چیز حادث ہے یعنی ازلی نہین ہے وہ کسی علت کی محتاج ہے اور یہی علت خدا ہے۔ اس استدلال کا دوسرا مقدمہ بدیہی ہے، پہلے مقدمہ پر یہ استدلال کیا جاتا تھا کہ عالم مین تغیر ہوتا رہتا ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہے وہ حادث ہے۔ یہ استدلال بظاہر نہایت صاف اور واضح تھا اور اسلئے اس کی زیادہ چھان بین نہین کی گئی لیکن وہ فی الواقع صحیح نہ تھا۔ تمام چیزین جو عالم مین موجود ہین، دو چیزون کا مجموعہ ہین۔ مادہ اور ایک خاص صورت، جو چیز بدلتی رہتی اور تغیر پذیر ہے، وہ صرف صورت ہے، اصل مادہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ کوئی چیز جب فنا ہوتی ہے تو صرف اس کی صورت فنا ہوتی ہے اصل مادہ کسی نہ کسی صورت مین ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ ایک کاغذ کو جلا دو کاغذ جل کر راکھ ہو جائے گا، اب کاغذ فنا ہو گیا لیکن راکھ موجود ہے جو اصل مادہ کی ایک دوسری صورت ہے، راکھ کو برباد کر دو کسی نہ کسی صورت مین وہ قائم رہیگی، غرض جو چیز حادث ہے وہ صرف صورت ہے اصل مادہ کے حادث ہونے پر نہ کوئی تجربہ پیش کیا جا سکتا ہے، نہ کوئی استدلال قائم کیا جا سکتا ہے،

اس بنا پر عالم کو حادث کہنا صورت کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن مادہ کے لحاظ سے صحیح نہین، اور جب عالم کا حدوث ثابت نہین تو استدلال بھی صحیح نہین، ارسطو نے اس اعتراض کے لحاظ سے استدلال کا دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی یہ کہ عالم کے تمام اجزا مین

کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے، کیونکہ تمام اجسام یا بڑھتے رہتے ہین یا گھٹتے ہین اور بڑھنا یا گھٹنا حرکت ہی کی ایک قسم ہے جن چیزون کو ہم بحال خود قائم دیکھتے ہین، اُن کے اجزا بھی بدلتے رہتے ہین یعنی پرانے اجزا رفنا ہوتے جاتے اور اُن کے بجاے نئے آتے جاتے ہین، اجزا کا بدلتا رہنا بھی ایک قسم کی حرکت ہے اس لئے تمام عالم متحرک ہے اور جو چیز متحرک ہے، ضرور ہے کہ اس کے لئے کوئی محرک ہو، اب دو صورت ہے، یا یہ سلسلہ کسی حد تک جا کر ٹھہر جاے گا یعنی اخیر مین ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو بالذات یا بواسطہ تمام اشیار کی محرک ہے اور خود متحرک نہین، یہی خدا ہے، یا یہ سلسلہ کہین ختم نہ ہوگا، اس صورت مین غیر متناہی کا وجود لازم آے گا اور یہ محال ہے

ارسطو کا اصل مذہب یہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور وہ بذات خود پیدا ہوا لیکن اسکی حرکت حادث ہے اور خدا اسی حرکت کا خالق ہے، اس بنا پر ارسطو نے خدا کے ثبوت مین حرکت سے استدلال کیا، حکماے اسلام مین سے ابن رشد کا بھی یہی مذہب ہے

ارسطو کا استدلال

بوعلی سینا بھی عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہے لیکن اسلام کے اثر سے اس بات کا قائل نہ ہو سکا کہ عالم خدا کا پیدا کیا ہوا نہین، اس لئے اُس نے یہ راے اختیار کی کہ عالم قدیم بھی ہے اور خدا کا مخلوق بھی ہے، اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب عالم اور خدا دونون قدیم ازلی ہین تو ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کیونکر کہا جا سکتا ہے، کیونکہ علت و معلول مین زمانہ کا تقدم و تاخر ضرور ہے۔ بوعلی سینا نے اس کا جواب دیا کہ علت کے لیے صرف تقدم بالذات کافی ہے، زمانہ کے لحاظ سے مقدم ہونا ضرور نہین، مثلاً کنجی کی حرکت، قفل کے

بوعلی سینا کا طریقہ

کھل جانے کی علت ہے لیکن کنجی کی حرکت اور قفل کے کھلنے مین ایک لحظہ اور ایک آن کا بھی آگا پیچھا نہین،

متکلمین کے نزدیک چونکہ خدا کے سوا کسی چیز کا قدیم ہونا خدا کی یکتائی مین خلل انداز تھا اس لئے انھون نے عالم کے حدوث کا دعوی کیا اور حدوث ہی سے خدا کے وجود پر دلیل قائم کی، عالم کے حادث ہونے پر متکلمین کا جو استدلال ہے اُس کے سمجھنے کے لئے۔ پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے۔

متکلمین کا استدلال

(۱) عالم مین دو قسم کی چیزین پائی جاتی ہین۔ **عرض** یعنی جو چیزین بذات خود قائم نہین بلکہ جب پائی جاتی ہین تو کسی دوسری چیز مین ہو کر پائی جاتی ہین مثلاً بو۔ رنگ۔ مزہ۔ رنج خوشی جوش **جوہر** یعنی وہ چیزین جو بذات خود قائم ہین۔ مثلاً پتھر مٹی پانی

(۲) کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا، کیونکہ جس قدر جواہر ہین کسی نہ کسی صورت اور ہیئت مین ہوتے ہین اور صورت و ہیئت عرض ہین، تمام جواہر مین کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے اور حرکت عرض ہے۔ غرض جوہر کے جسقدر افراد ہین اُن مین کسی نہ کسی عرض کا پایا جانا ضرور ہے، اور اس بنا پر کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا

(۳) عرض حادث ہے یعنی پیدا ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے

(۴) جو چیز عرض سے کبھی خالی نہ ہو سکتی ہو ضرور ہے کہ حادث ہو کیونکہ اگر وہ قدیم ہو تو لازم آئیگا کہ عرض بھی قدیم ہو کیونکہ دو چیزین جو لازم و ملزوم ہون اُن مین سے ایک چیز اگر قدیم ہوگی تو ضرور ہے کہ دوسری چیز بھی قدیم ہو، ورنہ لازم و ملزوم مین فصل زمانی لازم آئیگا اور یہ محال ہے

اب عالم کے حادث ہونے پر اس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے کہ عالم دو صورت سے خالی نہین، جوہر ہوگا یا عرض اور جوہر و عرض دونون حادث ہین۔ عرض کا حادث ہونا تو ظاہر ہے، جوہر اسلئے کہ کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو چیز عرض سے خالی نہ ہو سکتی ہو، وہ حادث ہے۔

اور جب یہ ثابت ہوا کہ عالم حادث ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے لئے کوئی علت ہو، اب اگر علت بھی حادث ہے تو اس کے لئے بھی کوئی علت درکار ہوگی۔ اس صورت مین اگر یہ سلسلہ کہین جا کر ختم ہوگا تو وہی خدا ہے، اور نہ ختم ہوگا تو دور و تسلسل لازم آئیگا اور دور و تسلسل محال ہے۔

متکلمین کا یہ استدلال فرفوریوس (پارفیریس) سے ماخوذ ہے جیسا کہ ہم نے تاریخ علم الکلام مین نقل کیا ہے لیکن یہ استدلال اُس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ غیر متناہی کا وجود نہین ہو سکتا ورنہ یہ استدلال محض مغالطہ ہے۔

یہ سچ ہے کہ جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا لیکن کسی خاص عرض کا ہونا ضروری نہین بلکہ ہر وقت کسی نہ کسی عرض کا وجود چاہیے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ عالم قدیم ہے، اور علی سبیل البدلیۃ کسی نہ کسی عرض کے ساتھ متصف رہتا ہے یہ اعراض الگ الگ تو حادث ہین لیکن انکا سلسلہ جو علی سبیل البدلیۃ ہے، غیر متناہی اور قدیم ہے عالم کے حادث ہونے پر استدلال یہ تھا کہ اگر عالم قدیم ہو تو اعراض کا بھی قدیم ہونا لازم آئے گا ہم کہتے ہین کہ اعراض کے ہر ہر فرد کا قدیم ہونا لازم نہین آتا بلکہ اعراض کے سلسلہ علی سبیل البدلیۃ کا قدیم ہونا لازم آتا ہے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو سلسلہ کا قدیم ہونا بھی ممکن ہے

متکلمین نے اور بھی بہت سی دلیلین قائم کی ہین لیکن سب کی صحت اس بات پر موقوف ہی کہ سلسلہ غیر متناہی کا محال ہونا ثابت کیا جائے غیر متناہی کے محال ہونے پر حکمار اور متکلمین نے بہت سے دلائل قائم کیے ہین لیکن وہ تمام دلائل اُس صورت مین جاری ہوتے ہین جب یہ مانا جائے کہ یہ سلسلہ مرتب موجود ہے، لیکن منکرین خدا علل کا سلسلہ اس طرح مانتے ہین کہ ہر علت فنا ہو کر اُسکے بجاے دوسری علت آجاتی ہے محقق دوانی نے زورا کی شرح مین دعوی کیا ہے کہ اس صورت مین بھی دلیل جاری ہوسکتی ہے کیونکہ گو علتین فنا ہوتی جاتی ہین لیکن انکا مجتمع و مرتب ہونا فرض کیا جاسکتا ہے۔ کیون کہ علل کا مجتمع ہونا محال عقلی نہین اور جو چیز محال نہین وہ فرض بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن محقق موصوف کا یہ قول صحیح نہین، علتون کا اجتماع گو محال بالذات نہین، لیکن محال بالغیر ہوسکتا ہے اور محال بالغیر کے فرض کر لینے سے بھی محال آتا ہے، گو یہ محال محال بالغیر ہوگا

ان دلائل مین ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اُن سے اگر خدا کا وجود ثابت بھی ہوتا ہے تو اُسکا فاعل با اختیار ہونا ثابت نہین ہوتا۔ ان دلائل سے صرف ایک علۃ العلل (کاز آف دی کازز) کا وجود ثابت ہوتا ہے لیکن علت کے لئے یہ ضرور نہین کہ اُس سے معلول، بہ ارادہ اور بہ اختیار صادر ہو، آفتاب روشنی کی علت ہے لیکن آفتاب کو نہ علم ہے نہ ارادہ، بلکہ روشنی اُس سے خودبخود بلا علم و ارادہ صادر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بہت سے حکما کا مذہب ہے کہ خدا نے عالم کو بہ اختیار نہین پیدا کیا اور تعجب ہے کہ شیخ بوعلی سینا بھی اُنھی کا ہمزبان ہے

ان تمام تقریرون سے تمکو معلوم ہوا ہوگا کہ افلاطون اور ارسطو اس مسئلہ کو حل نہ کرسکے

اور متکلمین بھی چونکہ انھی کے نقش قدم پر چلے تھے اس لیے وہ بھی ناکام رہے

اب دیکھو قرآن مجید نے اس عقیدہ کو کیونکر حل کیا۔

وجود باری

اور

قرآن مجید کا طریقۂ استدلال

خدا کا خیال انسان کی فطرت میں داخل ہے

حقیقت یہ ہے، کہ خدا کا اعتراف، انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے، علم الانسان کے ماہرون نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ انسان جب بالکل فطری حالت میں تھا یعنی علوم وفنون اور تہذیب وشائستگی کا بالکل وجود نہیں ہوا تھا اُس وقت اُس نے سب سے پہلے اصنام کی پرستش کی تھی یا خدا کی؟ مادیین (میٹریلسٹ) کے سوا اور تمام محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ انسان نے پہلے خدا کی پرستش اختیار کی تھی مشہور محقق مکس مولر اپنی کتاب مین لکھتا ہے "ہمارے اسلاف نے خدا کے آگے اُس وقت سر جھکایا تھا جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے" جسمانی خدا (بت) اس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوے کہ فطرت اصلی، مثالی صورت کے پردہ مین چھپ گئی

یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے، دنیا کے ہر حصہ مین، خدا کا اعتقاد موجود تھا، آثوری۔ مصری۔ کلدانی۔ یہود۔ اہل فنشیہ سب کے سب خدا کے قائل تھے

پلوٹارک کہتا ہے کہ "اگر تم دنیا پر نظر ڈالوگے تو بہت سے ایسے مقامات ملینگے جہان نہ قلعے ہین۔ نہ سیاست۔ نہ علم۔ نہ صناعت۔ نہ حرفہ۔ نہ دولت۔ لیکن ایسا کوئی مقام

نہین مل سکتا، جہان خدا نہو۔

فولٹیر جو فرانس کا مشہور فاضل اور وحی والہام کا منکر تھا۔ کہتا ہے کہ دوزر واستر۔ منو

سولن۔ سقراط اسرو سب کے سب ایک سردار۔ ایک منصف ایک باپ کی پرستش کرتے

تھے[1] یہی فطرت ہے جس کو قرآن مجید نے ان لفظون مین بیان کیا ہے

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ[2]	اور جب کہ خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے انکی نسل کو نکالا،
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ	اور خود ان کو انکی پر گواہ کیا کہ کیا مین تمہارا خدا نہین ہون
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا	سب بول اٹھے کہ ہان ہم گواہ ہین

لیکن چونکہ خارجی اسباب سے اکثر یہ فطری احساس دب جاتا ہے اس لئے خدا نے

جابجا اسی فطرت کو متنبہ کیا ہے،

أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ	کیا خدا کی نسبت بھی شک ہو سکتا ہو جو آسمان و زمین کا موجد ہے

اور چونکہ خارجی اسباب کیوجہ سے بعض اوقات یہ فطری احساس اس قدر دب جاتا ہے

محض اشارہ اور تنبیہ کافی نہین ہوتی اسلئے اسپر اکتفا نہین کیا بلکہ تجربی اور حسی مقدمات

کے ذریعہ سے استدلال بھی کیا،

انسان کو آغاز تمیز مین جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے ان مین ایک یہ ہی

[1] دیکھو بالسیو پو تیر کی کتاب الفلسفہ، ترجمہ عربی مطبوعہ بیروت صفحہ ۵، یہ مصنف فرانس کی یونیورسٹی کا پروفیسر تھا

[2] محققین اور ارباب نظر نے اس آیت کے یہی معنی بیان کیے ہین کہ خدا نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے

کہ خواہ مخواہ اس کو خدا کی خدائی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر۔

کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب۔ باقاعدہ اور منتظم دیکھتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانشمند نے ان چیزون کو ترتیب دیا ہے، اگر کسی جگہ ہم چند چیزین بے ترتیب رکھی دیکھین تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزین اکٹھی ہو گئی ہون گی، لیکن جب وہ اس ترتیب اور سلیقہ سے چنی گئی ہون کہ ایک ہوشیار صناع بھی بمشکل اُس طرح چن سکتا ہے تو یہ خیال کبھی نہین ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی ہوگی اسکو ایک اور واضح مثال مین سمجھو۔ خواجہ حافظ یا نظامی کا کوئی شعر لو۔ اُس کے الفاظ اُلٹ پلٹ کر کے کسی معمولی آدمی کو دو اور اس سے کہو کہ الفاظ کو آگے پیچھے رکھکر ترتیب دے دے، وہ سو طرح الٹ پلٹ کریگا لیکن اتفاقیہ طور سے بھی کبھی یہ نہ ہو گا کہ حافظ اور نظامی کا شعر نکل آئے حالانکہ وہی الفاظ ہین۔ وہی حروف ہین، وہی جملے ہین۔ صرف ذراسی ترتیب کا پھیر ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اس قدر باقاعدہ مرتب اور موزون ہے وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو۔ قرآن مجید مین خدا کے وجود پر اسی سے استدلال کیا ہے

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ۔ مَا تَرٰی	یہ خدا کی کاریگری ہے جسنے ہر شے کو خوب پختہ طور سے بنایا
فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ	خدا کی کاریگری مین تمکو کہین فرق نظر نہ آئیگا، پھر دوبارہ
الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ	دیکھو کہین کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے
خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا	خدا نے ہر شی کو پیدا کیا پھر اسکا ایک اندازہ معین کیا
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ	خدا کی بناوٹ مین ردوبدل ممکن نہین
فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا	خدا کے طریقہ مین تم ردوبدل نہین پا سکتے

ان آیتون مین عالم کی نسبت تین اوصاف بیان کیے ہین - کامل اور بے نقص ہے موزون اور مرتب ہے - ایسے اصول اور ضوابط کا پابند ہے جو کبھی ٹوٹ نہین سکتے - یہ دلیل کا صغریٰ ہے - کبریٰ خود ظاہر ہے یعنی جو چیز کامل - مرتب اور مستحکم الفطام ہوگی، وہ خود بخود پیدا نہین ہوگئی ہوگی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے اُسکو پیدا کیا ہوگا،

آج جبکہ تحقیقات و تدقیقات کی انتہا ہوگئی ہے، جبکہ کائنات کے سیکڑون اسرار فاش ہوگئے ہین، جبکہ حقائق اشیا نے اپنے چہرہ سے نقاب اُلٹ دیا ہے بڑے بڑے فلاسفر اور حکما انتہائے غور و فکر کے بعد خدا کے ثبوت مین یہی استدلال پیش کر سکے جو قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے نہایت قریب الفہم اور صاف طریقہ مین ادا کیا تھا -

آیزک نیوٹن کہتا ہے " کائنات کے اجزا مین باوجود ہزارون انقلابات، زمان و مکان کے جو ترتیب اور تناسب ہے، وہ ممکن نہین کہ بغیر کسی ایک ذات کے پایا جا سکے جو سب سے اوّل ہے اور صاحب علم اور صاحب اختیار ہے "

حکمائے یورپ کی شہادت

اس زمانہ کا سب سے بڑا حکیم ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے " ان تمام اسرار سے جن کی یہ کیفیت ہے کہ جسقدر ہم زیادہ غور کرتے ہین اُسیقدر وہ اور غامض ہوتے جاتے ہین، اسقدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت موجود ہے جس سے تمام اشیا صادر ہوتی ہین "

کمیل فلامریان[1] کہتا ہے " تمام اساتذہ اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہین کہ وجود کیونکر ہو

[1] فرانس کا ایک مشہور فاضل ہے

اور یہ کیون کر برابر چلا جاتا ہے، اسی بنا پر ان کو مجبوراً ایک ایسے خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے جس کا موثر ہونا ہمیشہ اور ہر وقت قائم ہے"

• پروفیسر لینی LINNE لکھتا ہے "وہ خدائے قادر و دانا اپنی عجیب و غریب کاریگریون سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہجاتی ہین اور مین بالکل دیوانہ بن جاتا ہون، ہر چیز مین گو وہ کتنی ہی چھوٹی ہو اسکی کس قدر عجیب قدرت، کس قدر عجیب حکمت، کس قدر عجیب ایجاد پائی جاتی ہے"

فونٹل - انسائکلوپیڈیا مین لکھتا ہے

"علوم طبیعیات کا مقصد صرف یہ نہین ہے کہ ہماری عقل کی پیاس بجھائے بلکہ اسکا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی نظر خالق کائنات کی طرف اٹھائین اور اُسکے جلال و عظمت پر فریفتہ ہو جائین"

ملاحدہ (یعنی منکرین خدا) کے اعتراضات

سب سے پہلے یہ بات بتانے کے قابل ہے کہ خدا کا انکار کوئی جدید خیال نہیں،
ہمیشہ ہر زمانہ مین ملاحدہ کا ایک گروہ موجود تھا، جو خدا کے وجود کا قطعی منکر، یا کم از کم متردد
اور مشکک تھا، سائنس اور فلسفہ حال سے اس مسئلہ پر کوئی نئی روشنی نہین پڑی ہے،
خدا کے انکار کے متعلق کوئی نئی دلیل نہین قائم ہوسکی ہے بلکہ ملاحدہ سابق وحال مین
یہ فرق ہے کہ ملاحدہ سابق کے دلایل زیادہ دقیق اور پرزور ہوتے تھے، انکے مقابلہ
مین ملاحدہ حال کے دلائل کو دلائل نہین کہہ سکتے، ان کی تمام مباحث کا حاصل یہ ہے
کہ "خدا کا کوئی ثبوت نہین ملتا"، "مادہ کے سوا عالم مین اور کوئی چیز موجود نہین"، "خدا
کے اعتراف کے بغیر نظام عالم کا سلسلہ قائم ہوسکتا ہے" یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی استدلال
نہین، بلکہ عدم علم کا اعتراف ہے

متکلمین اسلام نے ملاحدہ سابق کے دلائل نہایت تفصیل سے نقل کیے ہین علامہ
ابن حزم نے ملل ونحل مین، ملاحدہ ہی کے اعتراضات سے ابتدا کی ہے اور پھر اُن کے
جواب دیے ہین۔ یہ اعتراضات، نہایت ہی قوی اور پرزور ہین، تفنن کے لیے ہم ایک
اعتراض کی تقریر نقل کرتے ہین،

خدا کے وجود پر ملاحدہ قدیم کا اعتراض

خدا کا وجود اگر تسلیم کیا جائے تو ہم پوچھتے ہین کہ ایک واقعہ جو آج پیش آیا۔ اُسکی
علت قدیم ہوگی یا حادث، اگر قدیم ہو تو لازم آئیگا کہ یہ واقعہ بھی قدیم اور ازلی ہو، کیونکہ

حکمت کے ساتھ معلول کا وجود لازم ہے اور اگر حادث ہو تو اُس کی علت بھی حادث ہوگی اور پھر اُس کے لئے کوئی اور علت درکار ہوگی، اب اگر یہ سلسلہ کسی ایسی علت پر جاکر ختم ہو جو قدیم اور ازلی ہے تو اس تمام سلسلہ کا درجہ بدرجہ قدیم ہونا لازم آئیگا، کیونکہ علۃ العلل جب قدیم ہے تو اُس کا پہلا معلول قدیم ہوگا، اور جب پہلا معلول قدیم ہے تو اُسکا معلول بھی قدیم ہوگا۔ وھلم جرا" اور اگر یہ سلسلہ کسی قدیم اور ازلی علت پر ختم نہین ہوتا بلکہ الی غیر النہایۃ چلا جاتا ہے تو خدا کہاں باقی رہتا ہے

ملاحدہ سابق کے اور بہت سے قوی اعتراضات ہین لیکن ہم کو اُن سوئے ہوئے فتنون کے جگانے کی ضرورت نہین، یورپ کے ملاحدہ آج کل خدا کے وجود پر جو اعتراضات کر رہے ہین اور جن کی بنا پر ہمارے ملک مین، مذہب کی طرف سے بیدلی پھیلتی جاتی ہے، ہمکو صرف ان اعتراضات کا نقل کرنا اور اُنکا جواب دینا کافی ہے

مادیین

جو لوگ منکر خدا کہا جاتا ہے وہ مادیین (میٹریلسٹ) ہین لیکن درحقیقت اُن لوگون کا یہ دعویٰ نہین کہ خدا نہین ہے بلکہ یہ لوگ کہتے ہین کہ وہ ہماری تحقیقات کے دائرہ سے باہر ہے کیونکہ اُنکا دائرہ علم مادہ تک محدود ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا مادی نہین ہے، پروفیسر لیٹریہ کا قول ہم اوپر نقل کر آئے ہین کہ "مادی مذہب اپنے آپکو عقل اول کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہے کیونکہ اُس کو اُسکے متعلق کسی قسم کا علم نہین، ہم حکمت الٰہی کے نہ منکر ہین، نہ مثبت، ہمارا کام نفی و اثبات دونون سے الگ رہتا ہے

اسی گروہ مین سے بعض ترقی کر کے یہ بھی کہتے ہین کہ خدا کے اقرار و انکار کے

دونون پہلوون مین سے انکار کا پہلو زیادہ قوی ہے وہ کہتے ہین کہ سب سے پہلے ہکو یہ طے
کرنا چاہیے کہ کسی شے کے انکار یا اقرار۔ اثبات یا نفی کے اصول اولیہ کیا ہین؟ فلسفہ حال
نے تحقیقات علمیہ کا سب سے پہلا اصول جو قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ "جب تک کسی شی کے
وجود کی قطعی شہادت موجود نہ ہو، ہم کو اس کا وجود تسلیم نہین کرنا چاہیے"، کانٹ اور بیکن نے اپنے
فلسفہ کا سنگ بنیاد اسی مسئلہ کو قرار دیا اور اسی مسئلہ کی بدولت ارسطو کے منطقی فلسفہ کے
تمام ارکان متزلزل ہوکر قطعیات اور یقینیات کی بنیاد قائم ہوئی، روزمرہ کے تجربہ مین ہم
اسی اصول کے پابند ہین، فرض کرو ایک شے ہے جسکے نہ وجود کی شہادت ہے نہ عدم کی، تو
ہمارا علم اس کی نسبت کس قسم کا ہوتا ہے؟ ہم یہ نہین کہتے کہ اس شے کے متعلق ہم کچھ نہین
جانتے، بلکہ ہم یہ کہتے ہین کہ جہان تک ہم کو معلوم ہے یہ شے موجود نہین مثلاً یہ ممکن ہے کہ دنیا
کے کسی حصہ مین ایسے آدمی موجود ہون جن کے دو سر ہون، ممکن ہے کہ ایسے جانور موجود ہون
جو صورۃً آدمی ہون، ممکن ہے کہ ایسے دریا ہون جن مین مچھلیون کے بجائے آدمی رہتے ہون گے
لیکن ہم ان چیزون کی نفی کا یقین رکھتے ہین، کیون؟ اسی لیے کہ انکے وجود کی کوئی شہادت
موجود نہین، اس اصول کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کے ثبوت، و عدم ثبوت، دونون سے کسی پر اگر
کوئی دلیل قائم نہ ہو تو یقین کا رجحان اسی طرف ہوگا کہ خدا موجود نہین ہے۔

مادیین کس بنا پر خدا کے قائل نہین

اس بنا پر ہمکو خدا کی نفی پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہین بلکہ صرف
یہ دیکھنا ہے کہ ثبوت کے جو دلائل پیش کیے جاتے ہین وہ صحیح ہین یا نہین، ثبوت کے جسقدر
دلائل ہین سب مین قدر مشترک یہ ہے کہ اگر خدا کا وجود نہو تو سلسلہ غیر متناہی کا وجود لازم آئیگا لیکن

غیر متناہی کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہین، (یہ بحث بہ تفصیل اوپر گذر چکی ہے) شاید یہ کہا جائے کو غیر متناہی کا خیال انسان کی عقل سے بالاتر ہے، اور یہی اُسکے محال ہونے کی دلیل ہے، لیکن خدا کو جس طرح قدیم اور ازلی مانا جاتا ہے، وہبھی غیر متناہی کی ایک دوسری صورت ہے، ایک خدا جو ازل سے موجود ہے، اور جس کی کوئی انتہا نہین کیا ایک سلسلۂ غیر متناہی کے تسلیم کرنے سے کچھ کم عجیب ہے؟

خدا کے ثبوت مین یہ مقدمہ بڑے آب و تاب سے پیش کیا جاتا ہے کہ ہم بداہۃً دیکھتے ہین کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے اُس کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے،

لیکن یہ مسئلہ کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے، اسکی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے تشریح طلب ہے یہ بیشک صحیح ہے کہ ہم نے جن چیزون کو پیدا ہوتے دیکھا ہے بغیر علت کے نہین دیکھا لیکن سوال یہ ہے کہ ہم نے کیا چیز پیدا ہوتے دیکھی ہے؟ کیا ہمنے اصل مادّہ کو پیدا ہوتے دیکھا ہے؟ ہم نے جن چیزون کو پیدا ہوتے دیکھا ہے وہ مادہ کی صورتین ہین نہ کہ اصل مادّہ، اس لئے اس سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صورتون کے پیدا ہونے کے لئے علت درکار ہے، اس سے زیادہ جو دعویٰ کیا جائے اسکی بنیاد تجربہ، اور مشاہدہ نہین ہے بلکہ صرف تخیل ہے، اس بنا پر یہ دعویٰ کرنا کہ عالم کے لئے کوئی علت ضرور ہے صحیح نہین، کیونکہ عالم مادہ کا نام ہے اور مادہ کا حادث اور مخلوق ہونا ثابت نہین ہوا اس لئے اس کی علت بھی ثابت نہین ہوسکتی

شاید یہ کہا جائے کہ گو مادّہ قدیم اور مخلوق ہے لیکن مادہ کبھی صورت سے

خالی نہین ہوسکتا، اس لیئے ان صورتون کے لیے کوئی علت ہوگی اور وہی خدا ہی لیکن
یہ استدلال بھی صحیح نہین، اس لیئے کہ مادہ قدیم ہے اور یہ تصورتین علی سبیل البدلیہ پیدا ہوتی
اور فنا ہوتی رہتی ہین، اس بنا پر ان کے لیے ایک قدیم علت نہین بلکہ ہزارون لاکھون
حادث علتین درکار ہین

اصل یہ ہے کہ خدا کے وجود کی جو ضرورت ہے وہ صرف اس لحاظ سے ہے کہ نظام
عالم کا سلسلہ کس بنیاد پر قائم کیا جائے؟ اس لیئے ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ عالم کا وجود
اور عالم کا نظام خدا کے وجود کے بغیر فرض کیا جا سکتا ہے یا نہین؟ اگر کیا جا سکتا ہے
تو خدا کے وجود کے تسلیم کی کوئی ضرورت نہین رہتی۔"

یہ امر قطعی ہے کہ کوئی شے عدم محض سے وجود مین نہین آسکتی، اس بنا پر عالم کا
مادہ قدیم ہے، تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی ترکیبی صورت سے پہلے
فضائے غیر متناہی مین، نہایت چھوٹے چھوٹے اجزا پھیلے ہوئے تھے، ان اجزا کو علمی
اصطلاح مین دیمقراطیسی کہتے ہین، یہ اجزا آپس مین ملے اور ترکیب پا کر رفتہ رفتہ یہ عالم پیدا ہو گیا۔
اس تجویز پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اجزا خود بخود کیون کر مل گئے؟ اور یہ گوناگون
مرکبات خود بخود کیون کر پیدا ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مادہ قدیم ہے حرکت
اور قوت بھی قدیم ہے، حرکت ان اجزائے دیمقراطیسی کی فطری خاصیت ہی، جو اجسام
ہم کو ساکن نظر آتے ہین، ان کے اجزائے دیمقراطیسی بھی ہر وقت حرکت مین رہتے ہین،
اور اگر ان کو کبھی سکون ہوتا ہے تو دو متقابل جذب کے تعارض کی وجہ سے ہوتا ہے

بہرحال مادہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، اور مادہ کبھی حرکت سے خالی نہیں ہو سکتا اس بناپر اجزاے دیمقراطیسی کا باہم مل جانا کوئی استبعاد کی بات نہیں۔

اب جو کچھ شبہ باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ محض بخت و اتفاق سے ایسی ایسی عجیب و غریب مخلوقات جو سرتاپا حکمت اور صنعت سے بھری ہوئی ہیں کیون کر پیدا ہو سکتی ہیں؟ اسی سوال کو مذہب نے نہایت موثر الفاظ میں ادا کیا ہے، اور یہ سمجھایا ہے کہ خدا کا وجود اس سوال کا لازمی نتیجہ ہے۔ راسین کہتا ہے، اے آسمانو! مجھکو خبر دو، اے دریاؤ! مجھکو بتاؤ! اے زمین مجھکو جواب دے! اے شفاف اور چمکدار ستارو تم بتاؤ کون سا ہاتھ ہے جس نے تمکو افق میں تھام رکھا ہے؟ اور شب تار وہ کس نے تیری تاریکی کو خوبصورت بنادیا ہے؟ تو کسقدر پریشان ہے، کس قدر عظمت مآب ہے! تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جسنے تجکو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ ہاے نور سے مرصع کیا ہے جس طرح کہ اُسنے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے اور گرد کو ابھارا ہے، او مژدہ رسان سحر! او شگفتہ اور ہمیشہ روشن رہنے والا ستارہ! او آفتاب درخشان! سچ بتا تو کسکی اداے طاعت کے لئے محیط کے پردہ سے باہر آتا ہے، اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعیں عالم پر ڈالتا ہے!

اے پر رعب سمندر! اے وہ کہ غضبناک ہو کر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے، کس نے تجکو محبوس کر رکھا ہے جس طرح شیر کٹہرہ میں قید کر دیا جاتا ہے، تو اس قیدخانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ تیری موجون کا زور ایک حد معین سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔

تمام اشیا کا بالذات ہونا یا بواسطہ

ان سوالات کے جواب دینے کے لیے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ خود اہل مذہب نے
کائنات کی خلقت، اور اس کے بقا اور استقرار کا کیا اصول قرار دیا ہے، اس بارہ مین اہل
مذہب کے دو گروہ ہین، ایک گروہ کی یہ راے ہے کہ عالم مین جو کچھ پیدا ہوتا رہتا ہے ایک
ایک چیز کو خود خدا، بالذات اور بلا واسطہ پیدا کرتا ہے، اسباب و علل اور درمیانی وسائط
کوئی چیز نہین، پانی جو برستا ہے، تو اس وجہ سے نہین برستا کہ سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے
وہ اوپر جاکر، سردی کی وجہ سے پانی بنجاتی ہے اور بادل بنکر برستی ہے، بلکہ خدا بالذات
پانی برساتا ہے

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ خدا نے اشیا مین خواص اور تاثیر رکھی ہے، اور انھی خواص
اور تاثیر کی وجہ سے کائنات کا سلسلہ پیدا ہوتا رہتا ہے، مثلاً خدا نے پانی مین یہ خاصیت
رکھی ہے کہ حرارت پاکر وہ بھاپ کی صورت مین بدل جاتا ہے، بھاپ کا خاصہ ہے کہ خنکی
پاکر وہ پانی بنجاتی ہے، اب ان خاصیتون کے پیدا کرنے کے بعد، خدا کو بار بار ہمیشہ
دست اندازی نہین کرنی پڑتی بلکہ انھی خاصیتون کی بنا پر اوقات معینہ مین خود بخود بھاپ
پیدا ہوتی ہے، اوپر جاتی ہے، پانی بنتی ہے، اور برستی ہے۔ اسی طرح خدا نے خلقت کے
اصول اور قوانین مقرر کر دیے ہین جن کے موافق، نظام عالم قائم ہے اور [illegible]
سلسلہ جاری رہتا ہے محققین اہل مذہب کا عموماً یہی مذہب ہے، اور مسلمانون مین
اشاعرہ کے سوا، باقی تمام فرقون کی یہی راے ہے۔

جب یہ مسلم ہو گیا کہ عالم کا سلسلہ چند قوانین قدرت پر قائم ہے تو بحث صرف یہ رہجاتی ہے

کہ یہ قوانین قدرت خود بخود بنتے ہیں، یا خدا اسے بناتے ہیں، اگر پہلا احتمال فرض کیا جائے
تو خدا کی مطلق ضرورت نہیں رہتی۔

قوانین قدرت خود بنتے ہیں

مادہ کی نسبت یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ قدیم ہے، علوم جدیدہ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے
کہ مادہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، یعنی جب محض اجزائے دیمقراطیسی تھے تو یہ اجزا ہمیشہ
حرکت میں تھے، اور جب ان اجزا کی ترکیب سے مختلف اجسام بنے، تب بھی یہ اجزا ہر وقت
خود بخود حرکت میں رہتے ہیں گو ہم کو نظر نہیں آتے، ان امور کے تسلیم کے بعد اس بات کی
کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ قوانین قدرت کے لیے ایک الگ صانع یعنی (خدا) تسلیم
کیا جائے، اجزائے دیمقراطیسی جب آپس میں امتزاج پاتے ہیں، تو مختلف صورتیں پیدا
ہو جاتی ہیں، اور ہر صورت خود ایک خاصہ اور ایک اثر رکھتی ہے، یہ خاصہ اور اثر خود اس
ترکیب اور امتزاج کا نتیجہ ہے، باہر سے کوئی شخص، ان صورتوں میں وہ خواص پیدا نہیں
کرتا، اس مضمون کو یوں سمجھو کہ خود فلسفۂ قدیم میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ ذاتیات اور لوازم
مجعول نہیں، مثلاً خدا نے مختلف انواع کے درخت پیدا کیے ہیں جن میں سے ہر نوع کا پتہ، شاخیں
پھول، پھل، وغیرہ رنگ مختلف ہوتا ہے، لیکن یہ چیزیں خدا نے بالذات پیدا نہیں کیں بلکہ
صرف اس نوع کو پیدا کیا، اور یہ چیزیں اس کے لوازم ہونے کی وجہ سے آپ سے آپ
پیدا ہو گئیں۔[1]

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں

[1] مقصد صفحہ ۲۰۔

فانه جعل لكل نوع اوراقا بشكل خاص وازهارا بلون خاص وثمارا مختصة بطعوم وتلك الامور يعرف ان هذا الفرد من نوع كذا او كذا وهذه كلها تابعة للصورة النوعية ملتوية

خدا نے ہر قسم کے درخت کے لیے جداگانہ شکل کے پتے، جداگانہ رنگ کے پھول، جداگانہ مزے کے پھل بنائے جنکے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص درخت فلان درخت کے افراد میں داخل ہے اور یہ سب خاصیتیں صورت نوعیہ کی تابع ہین اور اسی مین لپٹی ہوئی ہین

پھر آگے چلکر لکھتے ہین

ولیس لك ان تقول لم كانت ثمرة النخل على هذه الصفة فانه سؤال باطل لان وجوده لوازم المهيات معها لا يطالب بلم

اور تم یہ پوچھ نہین سکتے کہ خرما کا پھل اس صفت کا کیون ہوتا ہے کیونکہ ایسا سوال کرنا لغو ہے اسوجہ سے کہ ماہیت کے جو لوازم ہین ساتھ ہی پیدا ہوتے ہین اور انکی نسبت یہ سوال نہین ہوسکتا کہ کیون ہوئے

اس امر کے تسلیم کرنے کے بعد کہ مظاہر قدرت کا بڑا حصہ خود اشیا کی صورت نوعیہ کا نتیجہ ہے یعنی ان کو بالذات خدا نے پیدا نہین کیا بلکہ وہ صور نوعیہ کا لازمی نتیجہ تھین جو خود بخود ان کے ساتھ پیدا ہو گئین، یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ صور نوعیہ کا خالق کون ہے؟ اس قدر حکماے قدیم کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ صور نوعیہ، قدیم اور ازلی ہین، نشر الطوالع مین ہے۔

صور نوعیہ قدیم ہین یا حادث

وزعم ارسطاطاليس وابو نصر الفارابي وابو علي بن سينا ان الافلاك قديمة بموادها ومقاديرها واشكالها سوى حركاتها والعناصر موادها وصورها الجسمية بنوعها وصورها النوعية بجنسها

ارسطو، ابو نصر فارابی اور بو علی سینا کا خیال ہے کہ افلاک کا مادہ، مقدار اور اشکال، قدیم ہین، صرف انکی حرکت قدیم نہین ہے اور عناصر کا مادہ اور انکی صور جسمیہ کی نوع اور صور نوعیہ کی جنس، قدیم ہے

صور نوعیہ کا قدیم ہونا جب خود اہل مذہب تک تسلیم کرتے ہین تو اب صرف یہ بحث رہجاتی ہے
کہ صور نوعیہ خود بخود پیدا ہو گئین، یا خدا نے پیدا کین، اہل مذہب اس بات پر کوئی دلیل نہین
قایم کر سکتے کہ صور نوعیہ خدا نے پیدا کین، بلکہ یہ احتمال زیادہ قرین قیاس ہو کہ وہ خود بخود پیدا
ہو گئین کیونکہ جب وہ قدیم اور ازلی ہین تو اُن کو بغیر کسی قوی دلیل کے معلول کہنا بالکل
خلاف عقل ہے۔ حاصل یہ کہ اجزاے دیمقراطیسی قدیم ہین، ان کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے
حرکت سے امتزاج پیدا ہوا، امتزاج نے مختلف صور نوعیہ پیدا کین، باقی تمام مظاہر
کائنات ان صور نوعیہ کے نتائج لازمی ہین جیسا کہ خود اہل مذہب کا تسلیم ہے
رابرٹ انگرسال جو امریکا کا مشہور ملحد ہے اپنی کتاب "واکنار تخوا" مین لکھتا ہے،
"فرض کرو کہ نیچر سے برتر کوئی قوت نہین اور مادہ اور قوت، ازل سے موجود ہین، اخیال
کرو کہ دو ذرہ باہم ملین تو کیا کوئی نتیجہ پیدا ہوگا، ہان! فرض کرو اگر وہ مخالف جہتون سے برابر
قوت کے ساتھ آئین تو دونون رک جائین گے اور یہی نتیجہ ہوگا۔ اگر ایسا ہی ہو تو مادہ۔ قوت
اور نتیجہ بلا کسی ایسی قوت کے ہین جو نیچر سے برتر ہو۔ اگر فرض کرو کہ دو ذرے اسطرح ملین
تو کیا نتیجہ بعینہ وہی نہ ہوگا؟ ہان ایک ہی قسم کی حالت سے ایک ہی قسم کا نتیجہ ہوگا۔ اور اسی
کے معنی قانون اور ترتب کے ہین۔ تو اب مادہ۔ قوت۔ قانون۔ ترتیب بلا ایسی قوت
کے ہین جو نیچر سے بالاتر ہو"
شاید کہا جائے کہ جس طرح یہ سلسلہ فرض کیا جاتا ہے، یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے
کہ مادہ اور اجزاے دیمقراطیسی قدیم ہین لیکن خدا کے پیدا کیے ہوئے ہین اور پھر ان کے

امتزاج اور اختلاط سے عالم پیدا ہوا، اور جب اس سلسلہ کے فرض کرنے مین کوئی استحالہ نہین تو اسی کو ترجیح کا حق ہے کیونکہ جواز مین دونون احتمال برابر ہین اور دوسرے احتمال کو ترجیح زائد یہ ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ اسی احتمال کو آج تک مانتا آتا ہے

لیکن یہ خیال بھی صحیح نہین کیونکہ واقفیت کے لحاظ سے دونون احتمال یکسان نہین ہین

تمام مدرکات اور معلومات کی واقفیت کا اصلی معیار یہ ہے کہ جو علم جس قدر زیادہ، محسوسات پر مبنی اور محسوسات سے زیادہ قریب ہے اُسی قدر یقینی اور زیادہ قابل اعتماد ہے جس قدر محسوسات سے بعد ہوتا جاتا ہے اُسی قدر یقینی ہونے کا درجہ گھٹتا جاتا ہے اور اگر تحلیل کرنیکے بعد، اس کی انتہا محسوسات تک نہین پہنچتی، تو وہ محض وہمی علم ہے کیونکہ یہ امر محقق ہوچکا ہے کہ انسان اُن اشیار کو جان سکتا ہے جو یا محسوس ہین، یا محسوسات سے ماخوذ ہین،

اس بنا پر پہلا احتمال یعنی محض مادہ اور حرکت کا مبدا کائنات ہونا زیادہ تر قریب یقین ہے عالم مین جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ مادہ ہے، حرکت ہے، قوت ہے، یہ مسئلہ بھی محسوسات مین داخل ہے کہ تمام دنیا ملکر کسی چیز کو نہ مطلق فنا کرسکتی، نہ عدم محض سے پیدا کرسکتی، اس سے خود بخود ثابت ہوتا ہے کہ مادہ قدیم ہے اسلئے مادہ کا قدیم ہونا بھی گویا محسوسات مین داخل ہے یہ بھی محسوسات مین داخل ہے کہ چند قوانین قدرت ہین جن کے مطابق کائنات کا سلسلہ قائم ہے۔ مثلاً کشش اجسام، مسئلہ ارتقا، انتخاب طبعی وغیرہ وغیرہ

خدا کا وجود محسوسات سے ماخوذ نہین

لیکن دوسرا احتمال یعنی خدا کا وجود نہ خود محسوسات مین ہے نہ محسوسات سے ماخوذ ہے اس قدر بے شبہ محسوس ہے کہ ہر حادث، علت کا محتاج ہے، لیکن مادہ، حادث نہین،

اور چونکہ حرکت اور قوت، خود مادہ کے لوازم طبعی ہین اس لئے وہ بھی حادث نہین، اور
جب مادّہ. قوت. حرکت قدیم ہین، اور کائنات کے تمام انواع، انھی چیزون کا نتیجہ ہین،
تو خدا کا وجود کن محسوسات سے ماخوذ کہا جاسکتا ہے؟ پروفیسر لیتیرہ کہتا ہے کہ جن اسباب نے
کائنات کو پیدا کیا ہے، بظاہر وہ خود کائنات مین موجود ہین، اور اُن سے الگ نہین اور
انھی اسباب کو ہم قوانین فطرت سے تعبیر کرتے ہین" ایک اور مشہور پروفیسر کہتا ہے کہ قوانین
فطرت اور خدا، ان دونون مین سے ہم کو صرف ایک کی ضرورت ہے"

یہ ان ملاحدہ کے خیالات ہین جنکا یہ بیان ہے کہ ہم کو خدا کے وجود پر کوئی دلیل نہین
ملتی، اور اگر صرف احتمال سے کام کیا جائے تو خدا کے عدم کا احتمال، وجود سے زیادہ قوی
ہے، لیکن ملاحدہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو علانیہ اس بات کا مدعی ہے کہ خدا کا وجود جسطرح
بیان کیا جاتا ہے، ہو ہی نہین سکتا؛

یہ لوگ کہتے ہین کہ خدا کے معنی اگر صرف علۃ العلل کے ہین تو ہم کو کچھ بحث نہین
لیکن اگر یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ وہ قادر مطلق حکیم. صاحب ارادہ. عادل، اور رحیم بھی ہے
تو اسکا ثبوت نہین ہوتا، بلکہ اس کے خلاف بہت سے دلائل موجود ہین جن کی تفصیل
ذیل مین ہے۔

منکرین خدا کے دلائل

(۱) ڈارون کے مسئلہ ارتقا نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام مخلوقات نہایت ادنی درجہ
سے ترقی کرتے کرتے موجودہ حالت پر پہنچی ہے، خود انسان جو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے
نہایت ادنی درجہ کا جانور تھا ترقی کرتے کرتے بندر کی حد تک پہنچا اور پھر ایک دوزینہ کے بعد

آدمی بنگیا، اس بناپر کیون کر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کا پیدا کرنے والا، قادر مطلق اور حکیم ہے

رابرٹ انگرسال اپنی کتاب مین جو خدا کے انکار پر ہے لکھتا ہے

"فرض کرو ایک جزیرہ پر ایک آدمی دس لاکھ برس کی عمر کا ملے جس کے پاس ایک نہایت عمدہ خوبصورت گاڑی موجود ہو، اور اُس کا یہ دعوی ہو کہ یہ گاڑی اس کی لاکھون برس کی محنت کا نتیجہ ہے جس کے ایک ایک پرزہ کے ایجاد کرنے مین پچاس پچاس ہزار برس صرف ہوئے" تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکالین گے کہ وہ شخص ابتدا ہی سے فن جرثقیل مین ماہر تہا

"مخلوق کی ترقی سے کیا یہ بات ظاہر نہین ہوتی کہ خالق مین بہی ترقی ہوئی ہے، کیا ایک نیک عاقل اور قادر مطلق خدا انسان کو پیدا کرنا چاہتا تو اسطرح پیدا کرتا کہ پہلے نہایت ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کی سادہ حالت مین پیدا کرتا۔ پہر ایک غیر محدود زمانہ کے بعد آہستہ آہستہ ترقی دیکر انسان بناتا اس طرح سالہاے بیشمار، ان شکلون اور ہیئتون کے بنانے مین صرف ہوئے جن کو آخر کار خارج کرنا پڑا"

(۲) دنیا مین نہایت کثرت سے جور و ظلم، خونریزی او قتل، مصیبت اور رنج پایا جاتا ہے، اس لئے کیون کر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کا خالق، رحیم اور عادل ہے انگرسال لکہتا ہے کہ "دنیا کی سطح کو ایسی خوفناک اور نفرت انگیز جانورون سے بہر تا جو ایک دوسرے کی تکلیف اور ایذا پر اپنی زندگی بسر کرتے ہین، کیا اس مین بصیرت اور عقلمندی کی علامت پائی جاتی ہے؟ اس دنیا کے پیدا کرنے والے کے رحم کی کون قدر کرسکتا ہے جب کہ ہر جانور دوسرے جانور کو کھاتا ہے، یہان تک کہ ہر موتھ ایک مذبح اور ہر پیٹ ایک قبرستان ہے

اس عام اور دائمی خونریزی مین غیر محدود بصیرت اور محبت کا وجود غیر ممکن ہے"

دو سالہا سال کی تاریکی مین جو تکلیفین بنی نوع انسان کو پہنچین وہ قیاس نہین کی جا سکتین، زیادہ تر حصہ اس تکلیف کا کمزور نیک اور معصوم لوگون نے برداشت کیا عورتون نے زہریلے درندون کی طرح سلوک کیا گیا معصوم بچے حشرات الارض کی طرح پاؤن سے کچلے گئے" قوم کی قوم پر صدیون غلامی کا فتوی رہا اور تمام عالم مین وہ ستم برپا رہا جسکو زبان قلم ادا نہین کر سکتی"

اگر کوئی کہے کہ آیندہ دنیا مین ان مصیبت زدون کو تکلیف کا بدلہ مل جائیگا تب بھی اس اعتراض کا جواب نہین ملتا، اس بات کی امید کرنے کا ہم کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک کامل۔ عاقل، نیک اور با اقتدار حکیم ہمارے ساتھ بمقابلہ حال کے آیندہ بہتر سلوک کریگا، کیا خدا مین زیادہ قوت آجائیگی؟ کیا وہ زیادہ رحیم ہو جائیگا؟ کیا اسکی مہربانی اپنی عاجز مخلوق کے ساتھ زیادہ ترقی کر جائیگی"

(۳۲) یہ امر ظاہر ہے کہ سیکڑون آدمی خلقۃً نہایت بیرحم سخت دل، بدکار اور مائل بہ شہوات ہوتے ہین، بلکہ خلقت کا زیادہ حصہ برے ہی آدمیون کا ہے، اس صورت مین کیون کر قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک حکیم اس قسم کے اشخاص کا پیدا کرنا جائز رکھتا، قیامت کی جزا و سزا۔ اس عقدہ کو حل نہین کر سکتی، کیونکہ اصل سوال یہ ہے کہ ان اشخاص کے پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ پیدا کرنا اور پھر اُنکو قیامت مین سزا دینا اس سے کیا فائدہ؟ اگر خدا قادر مطلق ہے تو اُسکو دنیا مین صرف نیکی، راست بازی، نکوکاری

پیدا کرلی جاتی تھی - فریب - جھوٹ - فسق - فجور - حسد - بغض - دشمنی - انتقام - بے رحمی کے وجود کی کیا ضرورت تھی؟ ان تمام باتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ارادہ اور مختار خدا نہین ہے، بلکہ صرف لا آف نیچر ہے، جس کے موافق کائنات کا ایک سلسلہ ہے اور بغیر کسی غرض اور مقصد کے جو کچھ ہوتا ہے ہوا جاتا ہے

ایک مشہور ملحد کہتا ہے کہ جہان تک ہم تمیز کر سکتے ہین ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ نیچر بلا محبت اور بلا ارادہ ہمیشہ مختلف اشکال بناتا اور بدلتا رہتا ہے، نہ اس کو غم ہے نہ خوشی، زہر و غذا، رنج و طرب، زندگی و موت، ہنسی اور آنسو، سب اسکے نزدیک یکسان ہین، نہ وہ رحیم ہے، نہ وہ خوشامد سے خوش ہوتا ہے، نہ آنسو گرانے سے متاثر۔

ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب

ملاحدہ کے اعتراض کا رد

ہم کو اس سے انکار نہین کہ عالم، اجزاے دیمقراطیسی سے بنا ہے. ہمکو یہ بھی تسلیم ہے کہ عالم، قدیم ہے جیسا کہ خود مسلمانون کے ایک بڑے فرقہ معتزلہ اور حکماے اسلام یعنی فارابی - ابن سینا اور ابن رشد کی راے ہے. بلکہ جیسا کہ ابن رشد نے تلخیص المقال مین لکھا ہے خود قرآن مجید کی ان آیتون سے اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ یہی متبادر ہوتا ہے، ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہین کہ مادہ کے اجزا متحرک ہین، حرکت - مادہ کی ذاتیات مین سے ہے مختلف قوانین قدرت ہین جن کے موافق، اجزا باہم ملتے ہین، ترکیب پاتی ہین اور پھر انمین خاص خاص قوی اور خواص پیدا ہو جاتے ہین، لیکن کائنات کا عقدہ ان باتون سے

بھی حل نہین ہوتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے

اس مین شبہ نہین کہ عالم کا تمام نظام قوانین قدرت، یا لاآف نیچر پر قائم ہے لیکن یہ قوانین، الگ الگ مستقل بالذات، اور ایک دوسرے سے بے تعلق نہین ہین بلکہ سب ایک دوسرے کے موافق، متناسب اور معین ہین ان مین باہم اسقدر تناسب اور ربط ہے کہ ایک چھوٹی سی چیز کے پیدا کرنے مین کل قوانین قدرت باہم ملکر کام کرتے ہین۔ ایک کمزور سے کمزور گھانس اُس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب خاک۔ ہوا۔ پانی وغیرہ سے لیکر بڑے بڑے اجرام فلکی مثلاً آفتاب، ماہتاب، وغیرہ کے افعال، اور خواص، اُسکے پیدا کرنے مین، مشارکت اور توافق کو عمل مین لائین، اسکی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح انسان کے جسم مین سیکڑون اعضا، جوارح، اور اعصاب ہین، یہ اعضا اور جوارح الگ الگ ہین اور ہر ایک کا کام جدا ہے، لیکن کوئی عضو اس وقت تک کام نہین دے سکتا جب تک اور تمام اعضا بالذات یا بواسطہ اُسکے عمل مین شریک نہون، یا کم سے کم یہ کہ اُس کے کام مین خلل انداز نہ ہون، اسی سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ان اعضا کے قُوی مستقل حیثیت نہین رکھتے بلکہ انسان مین کوئی اور عام قوت ہے جو ان تمام اعضا کی جداگانہ قوتون کے بالاتر ہے، اور جس کی ماتحتی مین یہ سب باتفاق کام کرتے ہین، اس عام قوت کو نفس۔ روح۔ یا مزاج سے تعبیر کیا ہے۔

قوانین قدرت کا بھی یہی حال ہے، عالم مین سیکڑون ہزارون قوانین قدرت ہین، لیکن اگر ان مین سے ایک بھی باہمی توافق کے مرکز سے ذرا ہٹ جائے تو تمام نظام عالم

تمام قوا سے قدرت باہم موافق اور معاون ہین

برہم ہو جائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت ہے جو ان تمام قوانین قدرت
کو محکوم رکھتی ہے اور جس نے ان تمام قوانین ہین، باہم توافق۔ تناسب، ربط، اور اتحاد پیدا
کیا ہے میٹریسیٹ یہ کہتا ہے کہ مادہ خود بخود پیدا ہوا، مادہ کے ساتھ حرکت پیدا ہوئی
حرکت نے امتزاج پیدا کیا، اور پھر رفتہ رفتہ بہت سے قوانین قدرت پیدا ہو گئے لیکن
وہ اس بات کی وجہ نہین بتا سکتا کہ ان سیکڑون ہزارون بلکہ لاکھون قوانین قدرت مین
یہ توافق۔ تناسب، اور اتحاد کہان سے آیا؟ توافق اور اتحاد پیدا ہونا۔ خود ان قوانین کی
ذاتی خاصیت نہین ہے اور اگر کوئی ایسا دعوی کرے تو محض ایک فرضی احتمال ہوگا جسکی
کوئی نظیر پیش نہین کیجا سکتی، یہی بالاتر قوت جو تمام قوانین قدرت پر حاکم ہے اور جس نے
ان تمام قوانین مین ربط اور اتحاد قائم کیا ہے خدا ہے یہی معنی ہین قرآن مجید کی اس آیت کے
وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْھًا زمین اور آسمان مین جو کچھ ہے سب اوسکا کہنا مانتے ہین بجبر یا بخوشی
یورپ کے بڑے بڑے حکما اور فلاسفرز کو اسی بنا پر خدا کا اقرار کرنا پڑا ہے

ملین اڈورڈ MILNE EDWARD کہتا ہے "انسان اسوقت سخت حیرت
زدہ ہو جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوے ایسی لوگ بھی
موجود ہین جو یہ کہتے ہین کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت و اتفاق کے نتائج ہین، یا دوسری عبارت
مین یون کہنا چاہیے کہ مادہ کی عام خاصیت کے نتائج ہین، یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیان
جنکو لوگون نے علم المحسوسات کا لقب دیا ہے علم حقیقی نے اُن کو بالکل باطل کر دیا ہے
فزیکل سائنس جاننے والا کبھی اسپر اعتقاد نہین لا سکتا"

ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے "وہ یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہین جب ہم ان پر زیادہ بحث کرتے ہین تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت ہے جس سے تمام اشیا وجود مین آئی ہین"

پروفیسر لینہ کہتا ہے "وہ خداے اکبر جو ازلی ہے، جو تمام چیزون کا جاننے والا ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے، اپنی عجیب وغریب کاریگریون سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ مین مبہوت اور مدہوش ہوجاتا ہون[1]"

اب ہم اُن اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو خدا کے قادر مطلق، رحیم اور عادل ہونے کی نسبت کیے جاتے ہین، یہ اعتراض کہ اگر خدا قادر مطلق ہوتا تو دنیا کو بتدریج کیون پیدا کرتا، اسقدر لغو ہے کہ توجہ کے بھی قابل نہین۔

ایک قطرہ کا رحم مین پڑنا، پرورش پانا، گوشت پوست چڑھنا، مختلف اعضا کا پیدا ہونا، جان کا پڑنا، خون سے غذا پانا اور پھر نور کا پتلا بنکر ہستی کے منظر پر آنا، زیادہ اعجوبہ نما اور کمال قدرت کی دلیل ہے؟ یا دفعةً بنا بنایا ایک انسان جسم کا پیدا ہوجانا؟

البتہ یہ اعتراض توجہ کے قابل ہے کہ دنیا مین نیکی کے ساتھ برائی کیون ہے؟

بوعلی سینا نے شفا مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دنیا کی تین حالتین فرض کی جاسکتی ہین۔

(۱) محض بھلائی ہی بھلائی ہوتی (۲) محض برائی ہوتی۔ (۳) زیادہ بھلائی ہوتی اور کسیقدر برائی

[1] ہربرٹ اسپنسر اور پروفیسر لینہ کے یہ اقوال پہلے ہی ہم نقل کرچکے ہین

اب فرض کرو کہ قدرت کے سامنے یہ تینون پیش ہین تو کیا کرنا چاہیے،
پہلی صورت کی نسبت کسی کو اختلاف نہین ہوسکتا کہ وہ اختیار کرنے کے قابل ہے
دوسری صورت بھی قابل بحث نہین کیونکہ ہر شخص کے نزدیک وہ قابل اختیار ہے۔ اور
قدرت نے بھی ایسا ہی کیا، یعنی ایسی دنیا پیدا نہین کی جس مین برائیان ہی برائیان ہون
صرف تیسری صورت بحث کے قابل ہے یعنی قدرت کو ایسا عالم پیدا کرنا چاہیے
یا نہین جسمین بھلائیان زیادہ اور برائیان کم ہون، اگر ایسا پیدا نہ کیا جاتا تو بے شبہ یہ فائدہ
ہوتا کہ چند برائیان عالم وجود مین نہ آتین لیکن اسکے ساتھ بہت سے بھلائیون کا بھی وجود
نہ ہوتا۔ اسکا یہ نتیجہ ہوتا کہ چند برائیون کے لئے دنیا ہزارون بھلائیونسے محروم رہجاتی۔
ابن رشد نے اس اعتراض کا اور جواب دیا ہے، وہ کہتا ہے کہ دنیا مین جو برائی
پائی جاتی ہے وہ بالذات نہین بلکہ کسی بھلائی کی تابع اور لازم ہے، غصّہ بری چیز ہے
لیکن اُس حاسّہ کا نتیجہ ہے جس کی بدولت انسان حفاظت خود اختیاری کرتا ہے
یہ حاسّہ نہ ہو تو انسان ایک قاتل کے مقابلہ مین اپنی جان بچانے کی بھی کوشش نہ کرے،
فسق و فجور بری چیزین ہین لیکن یہ اُسی قوت سے متعلق ہین جس پر نسل انسانی کا بقا منحصر ہے
آگ گھرون کو جلا دیتی ہے شہر کے شہر اس سے تباہ ہوجاتے ہین لیکن اگر آگ نہ ہو تو
انسان کا زندگی بسر کرنا محال ہوجائے،
اب صرف یہ شبہ رہتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو چیز پیدا کیجاتی اسمین اچھائی ہی
اچھائی ہوتی۔ برائی مطلق نہ ہوتی، ابن رشد کہتا ہے کہ ہان یہ ممکن ہی نہ تھا۔ کوئی ایسی آگ

امام رازی نے مطالب عالیہ مین جہان اس اعتراض کی تقریر کی ہے لکھتے ہین[1] کہ

"کہ علم کی دو قسمین ہین بدیہی و نظری - نظری، بدیہی پر متفرع ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی نظری ایسا ہو جو بدیہی کو باطل کرتا ہو تو اُسکے یہ معنی ہونگے کہ فرع اصل کے خلاف ہے اور یہ محال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علوم نظری بدیہیات مین خلل انداز نہین ہو سکتے"

"اب ہم جب غور کرتے ہین کہ بدیہی کیا چیز ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ جو علم انسان کو خود بخود یقینی طور پر حاصل ہوتا ہے جس مین وہ کسی طرح شک نہین کر سکتا وہی بدیہی ہے"

"جب یہ مقدمہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہین کہ جب ہم کسی انسان کو دیکھتے ہین تو ہمکو قطعی یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص پہلے رحم مین تھا پھر رحم سے بچہ ہو کر نکلا، بچہ سے جوان ہوا، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہین بلکہ وہ دفعۃً پیدا ہو کر جوان ہو گیا تو ہم قطعاً یقین کر لین گے کہ یہ شخص غلط کہہ رہا ہے اور اُس کا قول باطل و افترا ہے"

"اِس سے ثابت ہوا کہ خرق عادات کا دعویٰ ایک لغو بات ہے، اور جب یہ کلیہ ثابت ہو چکا تو ہم چند مثالون کے ذریعہ سے اُسکو سمجھاتے ہین کہ

(۱) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ یہ ممکن ہے کہ دریا اور چشمون کا پانی، آب زر بنجائے یا پہاڑ زر خالص ہو جائے تو ہر شخص اُسکو مجنون کہے گا۔

(۲) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ ممکن ہے کہ میرے گھر مین جو پتھر پڑا ہے وہ حکیم بنجائے اور منطق و فلسفہ کے دقائق کا ماہر ہو جائے، ممکن ہے کہ گھر مین جتنے کیڑے ہین عالم و فاضل

---

[1] یہ امام صاحب کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے

انسان بن جائین ممکن ہے کہ جب مین گھر کو واپس جاؤن تو میر الڑکا بطلیموس ہو چکا ہو اور مجسطی پڑھا رہا ہو۔ اور گھر مین جو کیڑے مکوڑے تھے وہ آدمی بن کر ہندسہ و منطق و الٰہیات مین مباحثہ کر رہے ہون، تو ہر شخص ایسے آدمی کو انتہا درجہ کا مجنون کہے گا

(۳) اگر کوئی شخص کفدست میدان کو دیکھکر کہے کہ ممکن ہے کہ بغیر کسی معمار اور سامان تعمیر کے یہان عالیشان ایوان اور محل بن جائین، اور نہرین جاری ہو جائین تو ہر شخص ایسے آدمی کو مجنون کہے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ عقل بالبداہتہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جس قدر حوادث ہین وہ نظام مقررہ اور عادت مستمرہ کے موافق وقوع مین آتے ہین اور یہ احتمال پیدا کرنا کہ ممکن ہے کہ اسکے خلاف ہو، بدیہیات مین قدح کرنا ہے[1]،

بہرحال خرق عادت کو معجزہ کہنا خود معجزہ کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ اسی بناپر بعض اکابر اشاعرہ نے خرق عادت کی قید معجزہ کی تعریف سے خارج کر دی شرح مواقف مین ہے۔

وَالْمُعْجِزَۃُ عِنْدَنَا مَا یُقْصَدُ بِہٖ تَصْدِیْقُ مُدَّعِی الرِّسَالَۃِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ خَارِقًا لِّلْعَادَۃِ اور معجزہ کی تعریف ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس سے مدعی نبوت کی تصدیق مقصود ہو، گو وہ خرق عادت نہ ہو۔

اب فرض کرو کہ خرق عادت ممکن ہے اور معجزہ خرق عادت کا نام ہے یعنی یہ کہ ایک چیز بغیر اسباب و علت کے وجود مین آئے، یا یہ کہ باوجود علت کے وجود کے معلول نہ پایا جائے مثلاً کسی پیغمبر کو آگ نے نہین جلایا تو اُسکے یہ معنی ہین کہ جلانے کی علت، یعنی آگ موجود تھی

[1] یہان تک امام رازی کی اصلی عبارت کا لفظی ترجمہ تھا۔

اور وہ جلا نہ سکی۔ یا مثلاً کسی پیغمبر نے پتھر پر عصا مارا اور چشمہ جاری ہوگیا، تو اُس کے یہ معنی کہ چشمہ کے جاری ہونے کی کوئی علت نہ تھی باوجود اس کے چشمہ جاری ہوگیا،

اس صورت مین یہ بحث پیدا ہوگی کہ اس بات کا کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ واقع مین اس واقعہ کا کوئی سبب موجود نہ تھا، اور خصوصاً اشاعرہ کے موافق تو یہ احتمال نہایت قوی ہو جاتا ہے۔ اشاعرہ اس بات کے قائل ہین کہ جن اور شیاطین ہر قسم کی خرق عادات پر قادر ہین، اس کے ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل ہین کہ جن اور شیاطین، انسان کے بدن مین حلول کر سکتے ہین، اور اُس وقت اس آدمی سے وہ تمام عجیب و غریب افعال صادر ہو سکتے ہین جو خود اجنّہ اور شیاطین سے صادر ہو سکتے ہین، اب فرض کرو کہ ایک مدّعی نبوت، کسی خرق عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ در پردہ کسی جن کا فعل نہین ہے۔

اشاعرہ اس بات کے بھی قائل ہین کہ جادو سے ہر قسم کے خرق عادات سرزد ہو سکتے ہین یہان تک کہ آدمی گدھا، اور گدھا آدمی بن سکتا ہے اس صورت مین کیون کر اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ خرق عادت معجزہ ہے سحر نہین، شرح مواقف مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ سحر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد نہین ہوتے۔ جادوگر جب عظیم الشان خرق عادات دکھاتا ہے تو نبوت کا دعوی نہین کر سکتا اور اگر وہ ایسا دعوی کرے تو خدا اُس کے خرق عادات کو روک دیگا"

لیکن یہ جواب بالکل ناکافی ہے، اشاعرہ اس بات کے قائل ہین کہ سحر سے

آدمی ہوا پر اُڑ سکتا ہے، آدمی گدھا اور گدھا آدمی بن جاتا ہے، زمین سے چشمے اُبل سکتے ہیں، جمادات میں حرکت پیدا ہو سکتی ہے، کیا یہ عظیم الشان خرق عادات نہیں ہیں، اُسکے علاوہ انبیا کے بھی تمام معجزے عظیم الشان نہیں ہوتے، باقی یہ امر کہ جادوگر خرق عادات کے ساتھ نبوت کا دعوی نہیں کر سکتا محض دعوی ہی دعوی ہے جسکی کوئی دلیل نہیں بیان کیجا سکتی اگر مان لیا جائے کہ فی نفسہ جادوگر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد ہو سکتے ہیں، تو کون تسلیم کریگا کہ دعوے نبوت کی حالت میں، اُسکی یہ قدرت جاتی رہیگی، عبد اللہ بن المقنع اور زردشت نے بڑے بڑے خرق عادات دکھائے، اور نبوت کا دعوی بھی کیا

ان امور کے علاوہ، شعبدہ جات - نیرنگجات - اور مسمریزم وغیرہ سے نہایت عجیب وغریب امور سرزد ہوتے ہیں، اس لئے یہ کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو معجزہ کہا جاتا ہے اس میں، ان چیزوں کا شائبہ نہ تھا -

غرض معجزہ کے متعلق یہ احتمال ہر وقت موجود ہے کہ مخفی اسباب کی وجہ سے اسکا ظہور ہوا ہو، اس لئے معجزہ کا معجزہ ہونا نہایت مشکل ہے

ان اعتراضات سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو عدم معارضہ کی شرط کیونکر ثابت ہو سکتی ہے یعنی یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس معجزہ کا جواب نہیں ہو سکتا - جواب نہ ہو سکنے سے اگر یہ مراد ہے کہ معجزہ کے اظہار کے وقت سے اسکا جواب کسی سے نہ ہو سکا تو عبد اللہ بن المقنع اور زردشت وغیرہ کو بھی پیغمبر ماننا پڑے گا کیونکہ جو خارق عادت باتیں اُنسے ظہور میں آئیں اُس زمانہ میں کوئی شخص اُنکا

---

[1] امام رازی تفسیر کبیر ہاروت و ماروت کے قصہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں - اما السحر المنتقد فقد ... فانه لا یبعد ان یقدر الساحر على ان یقلب الانسان حمارا والحمار انسانا -

جواب نہ لا سکا، اور اگر یہ مراد ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اسکا معارضہ نہ کر سکیگا تو یہ پیشین گوئی
کیونکر کیجا سکتی ہی کہ قیامت تک اسکا جواب نہ ہو سکیگا حضرت موسیٰ کے زمانہ مین اُنکے معجزہ کا
جواب نہ ہو سکا لیکن یہ کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہی کہ قیامت تک اُسکا جواب نہ ہو سکیگا۔

ان سب امور کو مان بھی لیا جاوے تو یہ بحث باقی رہیگی کہ معجزہ صرف ان لوگوں پر
حجت ہو سکتا ہے جو اُس وقت موجود تھے، آیندہ نسلوں کو اُسکا علم صرف روایت
کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے لیکن اس قسم کی روایتوں کو قطعی اور یقینی کیونکر ثابت کیا
جا سکتا ہی، روایت مین سب سے بڑا درجہ تواتر کا ہے یعنی جو خبر متواتر ہو تی ہی اُس کو
یقینی کہا جاتا ہی، لیکن کیا تمام متواترات یقینی ہین؟ یہود بہ تواتر بیان کرتے ہین کہ توراۃ
مین کسی قسم کی تحریف نہین ہوئی، یہود اور نصاریٰ دونوں متفق اللفظ ہین اور بہ تواتر
بیان کرتے ہین کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے۔ پارسی زردشت کے معجزات کو بہ تواتر بیان
کرتے ہین، غرض ہر فرقہ اپنے مذہب کے متعلق بہت سے واقعات کو بہ تواتر بیان
کرتا ہے لیکن کیا ان واقعات کو ہم یقینی سمجھتے ہین، شاید یہ کہا جاوے کہ روایت
کی صحت کیلئے اسلام شرط ہے جسکے یہ معنی ہوئے کہ صرف مسلمانونکا تواتر مفید یقین ہی،
لیکن اس یک طرفہ فیصلہ کو، مخالف کیونکر تسلیم کر سکتا ہے

یہ تمام بحثین تو معجزہ کے امکان اور وقوع سے متعلق تھین، اب فرض کرو کہ معجزہ
ممکن بھی ہے۔ واقع بھی ہوتا ہے۔ تواتر سے اُسکا ثبوت بھی ہو سکتا ہی لیکن یہ مرحلہ
اب بھی باقی ہی کہ اس سے نبوت پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہی۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہی کہ مین

ھندسہ دان ہون، اور اسکی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ مین بیس دن تک متصل بھوکا رہ سکتا ہون، تو گو وہ بیس دن تک بھوکا رہے، اور گو یہ کتنا ہی خرق عادت واقعہ ہو لیکن اُس سے اس کا ھندسہ دان ہونا کیونکر ثابت ہوگا، اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ مین پیغمبر ہون جسکے یہ معنی ہین کہ وہ سعادت دارین کا رہنما ہے، اس کی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ وہ لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے تو گو وہ ایسا کرتا ہو، اور گو یہ کتنا ہی عجیب امر ہو لیکن اس سے اسکی پیغمبری کیونکر ثابت ہوگی؟ دلیل کو دعوی کے ساتھ کیا ربط ہے؟

اعتراض کی یہ تقریر، امام رازی کی تقریر کے مطابق تھی لیکن ابن رشد نے اس اعتراض کو زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اسکی تقریر کا خلاصہ یہ ہے

"معجزہ سے جب نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے تو مقدمات دلیل یہ ہوتے ہین"

"نبی سے معجزہ صادر ہوتا ہے جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے"

"ان مقدمات کا ثابت ہونا امور ذیل کے ثابت ہونے پر موقوف ہے"

(۱) معجزہ ممکن الوقوع ہے اور واقع ہوتا ہے۔

(۲) مدعی نبوت سے معجزہ صادر ہوا۔

(۳) نبوت اور پیغمبری کا وجود ہے۔

(۴) جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے۔

سب سے پہلے متعین کرنا چاہئے کہ پیغمبری کی حقیقت اور جنس وفصل کیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ پیغمبری کی ماہیت مین معجزہ داخل نہین ہے، بلکہ جو لوگ معجزہ کے قائل ہین وہ بھی معجزہ کو

پیغمبری کی علامت قرار دیتے ہین اور ظاہر ہے کہ علامت، عین حقیقت نہین ہوتی۔ پیغمبری کی حقیقت اشاعرہ وغیرہ نے یہ بیان کی ہے کہ جو شخص خدا کا بھیجا ہوا ہو وہ پیغمبر ہے۔

اب یہ ثابت کرنا چاہیے کہ رسالت کا وجود ہے یعنی خدا اپنے احکام کے پہنچانے کے لیے لوگون کو بھیجا بھی کرتا ہے، کیونکہ ایک گروہ کثیر سرے سے رسالت ہی کا منکر ہے

اس بات کے ثابت کرنے کے بعد ثابت کرنا چاہیے کہ جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ پیغمبر ہوتا ہے اشاعرہ نے اسپر اس طرح استدلال کیا ہے کہ مثلاً اگر کوئی بادشاہ اپنا قاصد کسی شخص کے پاس بھیجے اور اُس کے پاس، بادشاہ کی کچھ نشانیان ہون تو قطعاً یقین ہو جائیگا کہ وہ بادشاہ کا قاصد ہے اسیطرح معجزہ خدا کی نشانی ہے اسلیے جسکے پاس یہ نشانی ہوگی وہ خدا کا قاصد اور پیغمبر ہوگا۔

لیکن پہلے یہ غور کرنا چاہیے کہ ہم کو اس بات کا علم کیونکر ہوتا ہے کہ فلان چیز فلان شخص کی نشانی ہے، اسکا یا یہ طریقہ ہے کہ خود اُس شخص نے کسی موقع پر ظاہر کیا ہو کہ جب مین کسی قاصد کو بھیجون گا تو اُسکے پاس یہ نشانی ہوگی، یا خود قاصد کے بیان پر اعتماد کیا جائے، یا یہ کہ بار بار کے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو کہ اس شخص کے پاس سے جب جب قاصد آیا ہے تو اُسکے پاس اس قسم کی کوئی نشانی ضرور تھی، پہلا احتمال تو صریح البطلان ہے۔ کیونکہ خود خدا نے کسی موقع پر تمام لوگون سے یہ نہین کہا کہ فلان شخص میرا رسول ہے۔ دوسری صورت اس لئے ممکن نہین کہ پیغمبری خود مبحوث فیہ ہے، اب صرف تیسرا احتمال رہ گیا، وہ اگر مفید بھی ہو تو صرف انبیائے متاخرین کیلئے ہوگا سب سے پہلے جو پیغمبر آیا ہوگا، اُسکا معجزہ لوگون کیونکر حجت ہوگا،

یہ تمام اعتراضات، اس بنا پر تھے کہ پیغمبری کی شناخت کا ذریعہ معجزہ کو قرار دیا گیا تھا۔
اس پہلو سے قطع نظر کرکے نبوت پر جو عام اعتراضات کئے گئے ہین وہ آگے آتے ہین

عام اعتراضات

(۱) نبوت کا مقصد، اعتقادات، اور اصلاح معاش و معاد کی تعلیم ہی لیکن ان امور کے لیے خود عقل کی رہنمائی کافی ہے، خدا کے ہان سے کسی شخص کے آنیکی کوئی ضرورت نہین، بہت سے حکماے جن پر نہ وحی آتی تھی، نہ انکو الہام ہوتا تھا ان مسائل کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ انبیا اُس سے زیادہ نہ کر سکے، اسلیئے رسول و پیغمبر کی کیا ضرورت ہی۔

(۲) انبیاء کی شریعتین منسوخ ہوا کرتی ہین یعنی ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت کو منسوخ کر دیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ جو احکام منسوخ ہوئے وہ مہمات امور اور مقاصد اصلیہ تھے۔ یا فرعی اور زائد باتین تھین۔ پہلا احتمال تو ممکن نہین، کیونکہ مہمات امور تمام مذاہب مین مشترک ہین اور اُن کو منسوخ کرنا خود مذہب کو باطل کرنا ہی، اسلیئے صرف دوسرا احتمال رہ گیا لیکن جب کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو وہ اپنی شریعت کے قبول کروانے پر اس قدر اہتمام اور اصرار کرتا ہے کہ جو لوگ، اسکو تسلیم نہین کرتے انکو گمراہ، مرتد اور قابل جہنم ٹھیراتا ہے، یہان تک کہ لڑائیان برپا ہوتی ہین اور نہایت سخت خونریزیون تک نوبت پہونچتی ہے اس بنا پر کیونکر قیاس کیا جا سکتا ہی کہ جو شخص مبعوث من اللہ ہوگا، وہ فرعی باتونکے لئے اس قسم کے شقاق اور بیرحمیون کو جائز رکھے گا؟

مثلاً نماز کا اصلی مقصد، صرف تضرع اور خشوع الی اللہ ہے، یہ مقصد عیسائیون،

امام رازی نے مطالب عالیہ مین جہان اس اعتراض کی تقریر کی ہے لکھتے ہین[1] کہ

''کہ علم کی دو قسمین ہین بدیہی و نظری۔ نظری، بدیہی پر متفرع ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی نظری ایسا ہو جو بدیہی کو باطل کرتا ہو تو اُسکے یہ معنی ہونگے کہ فرع اصل کے خلاف ہے اور یہ محال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علوم نظری بدیہیات مین خلل انداز نہین ہو سکتے''

''اب ہم جب غور کرتے ہین کہ بدیہی کیا چیز ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ جو علم انسان کو خود بخود و یقینی طور پر حاصل ہوتا ہے جس مین وہ کسی طرح شک نہین کر سکتا وہی بدیہی ہے''

''جب یہ مقدمہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہین کہ جب ہم کسی انسان کو دیکھتے ہین تو ہمکو قطعی یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص پہلے رحم مین تھا۔ پھر رحم سے بچہ ہو کر نکلا، بچہ سے جوان ہوا، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہین بلکہ وہ دفعۃً پیدا ہو کر جوان ہو گیا تو ہم قطعاً یقین کر لین گے کہ یہ شخص غلط کہہ رہا ہے اور اُس کا قول باطل و افترا ہے

''اِس سے ثابت ہوا کہ خرق عادات کا دعوی ایک لغویات ہے، اور جب یہ کلیہ ثابت ہو چکا تو ہم چند مثالون کے ذریعہ سے اُسکو سمجھاتے ہین''

(۱) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ یہ ممکن ہے کہ دریا اور چشمون کا پانی، آب زر بنجائے یا پہاڑ زر خالص ہو جائے تو ہر شخص اُسکو مجنون کہے گا۔

(۲) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ ممکن ہے کہ میرے گھر مین جو پتھر پڑا ہے وہ حکیم بنجائے اور منطق و فلسفہ کے دقائق کا ماہر ہو جائے، ممکن ہے کہ گھر مین جتنے کیڑے ہین عالم و فاضل

[1] یہ امام صاحب کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے

انسان بن جائین۔ ممکن ہے کہ جب مین گھر کو واپس جاؤن تو میر اگدہا بطلیموس ہو چکا ہو اور مجسطی پڑھا رہا ہو۔ اور گھر مین جو کپڑے مکوڑے تھے وہ آدمی بن کر ہندسہ و منطق و الٰہیات مین مباحثہ کر رہے ہون، تو ہر شخص ایسے آدمی کو انتہا درجہ کا مجنون کہے گا

(۳) اگر کوئی شخص کف دست میدان کو دیکھکر کہے کہ ممکن ہے کہ بغیر کسی معمار اور سامان تعمیر کے یہان عالیشان ایوان اور محل بن جائین، اور نہرین جاری ہو جائین تو ہر شخص ایسے آدمی کو مجنون کہے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ عقل بالبداہتہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جس قدر حوادث ہین وہ نظام مقررہ اور عادت مستمرہ کے موافق وقوع مین آتے ہین اور یہ احتمال پیدا کرنا کہ ممکن ہے کہ اسکے خلاف ہو، بدیہیات مین قدح کرنا ہے[1]،

بہرحال خرق عادت کو معجزہ کہنا، خود معجزہ کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ اسی بناپر بعض اکابر اشاعرہ نے خرق عادت کی قید معجزہ کی تعریف سے خارج کردی شرح مواقف مین ہے۔

وَالْمُعْجِزَۃُ عِنْدَنَا مَا یُقْصَدُ بِہٖ تَصْدِیْقُ مُدَّعِیِ الرِّسَالَۃِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ خَارِقًا لِّلْعَادَۃِ اور معجزہ کی تعریف ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس سے مدعی نبوت کی تصدیق مقصود ہو، گو وہ خرق عادت نہ ہو۔

اب فرض کرو کہ خرق عادت ممکن ہے اور معجزہ خرق عادت کا نام ہے یعنی یہ کہ ایک چیز بغیر اسباب وعلت کے وجود مین آئے، یا یہ کہ باوجود علت کے وجود کے معلول نہ پایا جائے مثلاً کسی پیغمبر کو آگ نے نہین جلایا تو اُسکے یہ معنی ہین کہ جلانے کی علت، یعنی آگ موجود تھی

[1] یہان تک امام رازی کی اصلی عبارت کا لفظی ترجمہ تھا۔

اور وہ جلا نہ سکی۔ یا مثلاً کسی پیغمبر نے پتھر پر عصا مارا اور چشمہ جاری ہوگیا، تو اس کے یہ معنی کہ چشمہ کے جاری ہونے کی کوئی علت نہ تھی باوجود اس کے چشمہ جاری ہوگیا،

اس صورت میں یہ بحث پیدا ہوگی کہ اس بات کا کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ واقع میں اس واقعہ کا کوئی سبب موجود نہ تھا، اور خصوصاً اشاعرہ کے موافق تو یہ احتمال نہایت قوی ہوجاتا ہے۔ اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ جن اور شیاطین ہر قسم کی خرق عادات پر قادر ہیں، اس کے ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جن اور شیاطین، انسان کے بدن میں حلول کرسکتے ہیں، اور اس وقت اس آدمی سے وہ تمام عجیب و غریب افعال صادر ہوسکتے ہیں جو خود اجنّہ اور شیاطین سے صادر ہوسکتے ہیں، اب فرض کرو کہ ایک مدّعی نبوت، کسی خرق عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ یہ در پردہ کسی جن کا فعل نہیں ہے۔

اشاعرہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جادو سے ہر قسم کے خرق عادات سرزد ہوسکتے ہیں یہاں تک کہ آدمی گدھا، اور گدھا آدمی بن سکتا ہے اس صورت میں کیون کر اطمینان ہوسکتا ہے کہ یہ خرق عادت معجزہ ہے سحر نہیں، شرح مواقف میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ سحر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد نہیں ہوتے۔ جادوگر جب عظیم الشان خرق عادات دکھاتا ہے تو نبوت کا دعوی نہیں کرسکتا اور اگر وہ ایسا دعوی کرے تو خدا اس کے خرق عادات کو روک دیگا"

لیکن یہ جواب بالکل ناکافی ہے، اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ سحر سے

آدمی ہوا پر اُڑ سکتا ہے، آدمی گدھا اور گدھا آدمی بن جاتا ہے، زمین سے چشمے اُبل سکتے ہین، جمادات مین حرکت پیدا ہوسکتی ہے، کیا یہ عظیم الشان خرق عادات نہین ہین، اُسکے علاوہ انبیا کے بھی تمام معجزے عظیم الشان نہین ہوتے، باقی یہ امر کہ جادوگر خرق عادات کے ساتھ نبوت کا دعوی نہین کرسکتا محض دعوی ہی دعوی ہے جسکی کوئی دلیل نہین بیان کیجا سکتی اگر مان لیا جائے کہ فی نفسہ جادوگر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد ہوسکتے ہین، تو کون تسلیم کریگا کہ دعوے نبوت کی حالت مین اُسکی یہ قدرت جاتی رہیگی، عبداللہ بن المقنع اور زردشت نے بڑے بڑے خرق عادات دکھائے، اور نبوت کا دعوی بھی کیا

ان امور کے علاوہ، شعبدہ جات، نیرنگجات، اور مسمریزم وغیرہ سے نہایت عجیب وغریب امور سرزد ہوتے ہین، اس لئے یہ کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ جس چیز کو معجزہ کہا جاتا ہے اس مین، ان چیزون کا شائبہ نہ تھا۔

غرض معجزہ کے متعلق یہ احتمال ہر وقت موجود ہے کہ مخفی اسباب کی وجہ سے اسکا ظہور ہوا ہو، اس لئے معجزہ کا معجزہ ہونا نہایت مشکل ہے

ان اعتراضات سے بھی قطع نظر کرلی جائے تو عدم معارضہ کی شرط کیونکر ثابت ہوسکتی ہے یعنی یہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ اس معجزہ کا جواب نہین ہوسکتا۔ جواب نہ ہوسکنے سے اگر یہ مراد ہے کہ معجزہ کے اظہار کے وقت سے اسکا جواب کسی سے نہ ہوسکا تو عبداللہ بن المقنع اور زردشت وغیرہ کو بھی پیغمبر ماننا پڑے گا کیونکہ جو خارق عادت باتین انسے ظہور مین آئین اُس زمانہ مین کوئی شخص اُنکا

---

[1] امام رازی تفسیر کبیر ہاروت و ماروت کے قصہ کی تفسیر مین لکھتے ہین۔ اما اہل السنۃ فقد جوزوا ان یقدر (الساحر) ان یطیر فی الہواء و یقلب الانسان حمارا والحمار انسانا۔

جواب نہ لاسکا، اور اگر یہ مراد ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اسکا معارضہ نہ کرسکے تو یہ پیشین گوئی کیونکر کیجاسکتی ہی کہ قیامت تک اسکا جواب نہ ہوسکیگا حضرت موسیٰ کے زمانہ مین انکے معجزہ کا جواب نہ ہوسکا لیکن یہ کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہی کہ قیامت تک اُسکا جواب نہوسکیگا۔

ان سب امور کو مان بھی لیا جائے تو یہ بحث باقی رہیگی، کہ معجزہ صرف ان لوگونپر حجت ہوسکتا ہے جو اُس وقت موجود تھے۔ آیندہ نسلون کو اُسکا علم صرف روایت کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے لیکن اس قسم کی روایتون کو قطعی اور یقینی کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہی، روایت مین سب سے بڑا درجہ تواتر کا ہے یعنی جو خبر متواتر ہوتی ہی اُس کو یقینی کہا جاتا ہی، لیکن کیا تمام متواترات یقینی ہین؟ یہود، یہ تواتر بیان کرتے ہین کہ توراۃ مین کسی قسم کی تحریف نہین ہوئی، یہود اور نصاریٰ دونون متفق اللفظ ہین اور یہ تواتر بیان کرتے ہین کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے، پارسی زردشت کے معجزات کو بہ تواتر بیان کرتے ہین، غرض ہر فرقہ، اپنے مذہب کے متعلق بہت سے واقعات کو بہ تواتر بیان کرتا ہے، لیکن کیا ان واقعات کو ہم یقینی سمجھتے ہین، شاید یہ کہا جائے کہ روایت کی صحت کیلئے اسلام شرط ہے، جسکے یہ معنی ہوئے کہ صرف مسلمانونکا تواتر مفید یقین ہی، لیکن اس یک طرفہ فیصلہ کو، مخالف کیونکر تسلیم کرسکتا ہے

یہ تمام بحثین تو معجزہ کے امکان اور وقوع سے متعلق تھین، اب فرض کرو کہ معجزہ ممکن بھی ہے۔ واقع بھی ہوتا ہے۔ تواتر سے اُسکا ثبوت بھی ہوسکتا ہی، لیکن یہ مرحلہ اب بھی باقی ہی کہ اس سے نبوت پر کیونکر استدلال ہوسکتا ہی۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہی کہ مین

ہندسہ دان ہوں، اور اسکی دلیل پیش کرتا ہے کہ میں بیس دن تک متصل بھوکا رہ سکتا ہوں، تو گو وہ بیس دن تک بھوکا رہے، اور گو یہ کتنا ہی خرق عادت واقعہ ہو لیکن اُس سے اس کا ہندسہ دان ہونا کیونکر ثابت ہوگا، اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں جسکے یہ معنی ہیں کہ وہ سعادت دارین کا رہنما ہے، اس کی دلیل پیش کرتا ہے کہ وہ لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے تو گو وہ ایسا کرتا ہو، اور گو یہ کتنا ہی عجیب امر ہو لیکن اس سے اسکی پیغمبری کیونکر ثابت ہوگی؟ دلیل کو دعوی کے ساتھ کیا ربط ہے؟

اعتراض کی یہ تقریر، امام رازی کی تقریر کے مطابق تھی، لیکن ابن رشد نے اس اعتراض کو زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اسکی تقریر کا خلاصہ یہ ہے

"معجزہ سے جب نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے تو مقدمات دلیل یہ ہوتے ہیں"

"نبی سے معجزہ صادر ہوتا ہے جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے"

"ان مقدمات کا ثابت ہونا امور ذیل کے ثابت ہونے پر موقوف ہے"

(۱) معجزہ ممکن الوقوع ہے اور واقع ہوتا ہے۔

(۲) مدعی نبوت سے معجزہ صادر ہوا۔

(۳) نبوت اور پیغمبری کا وجود ہے۔

(۴) جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے۔

سب سے پہلے متعین کرنا چاہئے کہ پیغمبری کی حقیقت اور جنس وفصل کیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ پیغمبری کی ماہیت میں معجزہ داخل نہیں ہے، بلکہ جو لوگ معجزہ کے قائل ہیں وہ بھی معجزہ کو

پیغمبری کی علامت قرار دیتے ہین اور ظاہر ہے کہ علامت عین حقیقت نہین ہوتی پیغمبری کی حقیقت اشاعرہ وغیرہ نے یہ بیان کی ہے کہ جو شخص خدا کا بھیجا ہوا ہو وہ پیغمبر ہے۔

اب یہ ثابت کرنا چاہیے کہ رسالت کا وجود ہے یعنی خدا اپنے احکام پہنچانے کے لئے لوگون کو بھیجا بھی کرتا ہے، کیونکہ ایک گروہ کثیر سرے سے رسالت ہی کا منکر ہے

اس بات کے ثابت کرنے کے بعد ثابت کرنا چاہیے کہ جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ پیغمبر ہوتا ہے اشاعرہ نے اسپر اس طرح استدلال کیا ہے کہ مثلاً اگر کوئی بادشاہ اپنا قاصد کسی شخص کے پاس بھیجے اور اُس کے پاس، بادشاہ کی کچھ نشانیان ہون تو قطعاً یقین ہو جائیگا کہ وہ بادشاہ کا قاصد ہے اسیطرح معجزہ خدا کی نشانی ہے، اسلیے جسکے پاس یہ نشانی ہوگی وہ خدا کا قاصد اور پیغمبر ہوگا۔

لیکن پہلے یہ غور کرنا چاہیے کہ ہم کو اس بات کا علم کیونکر ہوتا ہے کہ فلان چیز فلان شخص کی نشانی ہے، اسکا یا یہ طریقہ ہے کہ خود اُس شخص نے کسی موقع پر ظاہر کیا ہو کہ جب مین کسی قاصد کو بھیجون گا تو اُسکے پاس یہ نشانی ہوگی، یا خود قاصد کے بیان پر اعتماد کیا جائے، یا یہ کہ بار بار کے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو کہ اس شخص کے پاس سے جب جب قاصد آیا ہے تو اُسکے پاس اس قسم کی کوئی نشانی ضرور تھی، پہلا احتمال تو صریح البطلان ہے۔ کیونکہ خود خدا نے کسی موقع پر تمام لوگون سے یہ نہین کہا کہ فلان شخص میرا رسول ہے۔ دوسری صورت اس لئے ممکن نہین کہ پیغمبری خود مبحوث فیہ ہے، اب صرف تیسرا احتمال رہ گیا، وہ اگر مفید بھی ہو تو صرف انبیائے متاخرین کیلئے ہوگا سب سے پہلے جو پیغمبر آیا ہوگا، اُسکا معجزہ لوگون پر کیونکر حجت ہوگا،

یہ تمام اعتراضات، اس بنا پر تھے کہ پیغمبری کی شناخت کا ذریعہ معجزہ کو قرار دیا گیا تھا۔

اس پہلو سے قطع نظر کرکے نبوت پر جو عام اعتراضات کیے گیے ہین وہ آگے آتے ہین

عام اعتراضات

(۱) نبوت کا مقصد، اعتقادات، اور اصلاح معاش و معاد کی تعلیم ہی لیکن اُن امور کے لیے خود عقل کی رہنمائی کافی ہے، خدا کے ہان سے کسی شخص کے آنے کی کوئی ضرورت نہین، بہت سے حکما نے جن پر نہ وحی آتی تھی، نہ انکو الہام ہوتا تھا ان مسائل کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ انبیا اُس سے زیادہ نہ کرسکے، اسلیے رسول و پیغمبر کی کیا ضرورت ہی۔

(۲) انبیاء کی شریعتین منسوخ ہوا کرتی ہین یعنی ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت کو منسوخ کردیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ جو احکام منسوخ ہوئے وہ مہمات امور اور مقاصد اصلیہ تھے۔ یا فرعی اور زائد باتین تھین۔ پہلا احتمال تو ممکن نہین، کیونکہ مہمات امور تمام مذاہب مین مشترک ہین اور اُن کو منسوخ کرنا خود مذہب کو باطل کرنا ہی، اسلیئے صرف دوسرا احتمال رہ گیا لیکن جب کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو وہ اپنی شریعت کے قبول کروانے پر اس قدر اہتمام اور اصرار کرتا ہے کہ جو لوگ، اسکو تسلیم نہین کرتے انکو گمراہ، مرتد اور قابل جہنم ٹھیراتا ہے، یہان تک کہ لڑائیان برپا ہوتی ہین اور نہایت سخت خونریزیون تک نوبت پہونچتی ہے اس بنا پر کیونکر قیاس کیا جاسکتا ہی کہ جو شخص مبعوث من اللہ ہوگا، وہ فرعی باتون کے لیے اس قسم کے تشدد اور بیرحمیون کو جائز رکھے گا۔

مثلاً نماز کا اصلی مقصد، صرف تضرع اور خشوع الی اللہ ہے، یہ مقصد عیسائیون،

یہودیون، پارسیون، غرض تمام مذاہب کے طریقہ نماز سے حاصل ہو سکتا ہی، کسی ایک طریقہ کی تخصیص کرلی، اور باقی تمام طریقون کو غلط قرار دینا اوراس کی بنا پر قتل مخون کو جائز رکھنا کیونکر جائز ہوسکتا ہی؛ تمام اور مذہبی اعمال کا بھی یہی حال ہے کہ جو مقصد اصلی ہے وہ سب مین مشترک ہے، اور جو غیر مشترک ہے وہ مقصد اصلی نہین۔

(۳) مذہب کا اصلی مقصد، خدا کا اعتقاد، اعمال حسنہ کی پابندی اور اعمال قبیحہ سے احتراز ہی جس شخص مین یہ باتین پائی جائین ضرور ہی کہ وہ نجات کا مستحق ہو، لیکن انبیا ان باتون کو ساتھا اپنی نبوت کے اقرار کو بھی جزو ایمان قرار دیتے ہین اور کہتے ہین کہ جو شخص انکو پیغمبر تسلیم نہ کرے وہ باوجود توحید اور اعمال حسنہ کے ناجی نہوگا، یہ امر صریح خلاف عقل ہی۔

(۴) دنیا مین جسقدر مذاہب موجود ہین سب مین قابل اعتراض باتین پائی جاتی ہین، یہود خدا کو مجسم مانتے ہین اور تمام وہ اوصاف ثابت کرتے ہین جو معمولی آدمیون مین پائے جاتے ہین، عیسائی خدا کی ابوّت، اور حلول و اتحاد کے قائل ہین، پارسیون کے ہان دو خدا ہین، قرآن مجید مین جبر و قدر کے متعلق نہایت کثرت سے متناقض اور متعارض آیتین ہین۔

تنبیہ امام رازی نے اس اعتراض کو مطالب عالیہ مین ان الفاظ سے ادا کیا ہے،

اِنَّ الْقُرْاٰنَ مَمْلُوٌّ مِنَ الْجَبْرِ وَالْقَدَرِ وَالْاٰیَاتُ الْوَارِدَۃُ فِیْھِمَا اَکْثَرُ مِنْ عَدَدِ الرِّمَالِ وَالْحَصٰی وَلَاشَكَّ اَنَّھُمَا مُتَنَاقِضَۃٌ وَاَنَّ التَّوْفِیْقَ بَیْنَھُمَا لَا یَحْصُلُ اِلَّا بِتَعَسُّفٍ شَدِیْدٍ وَھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ صَاحِبَ ھٰذَا الْکِتَابِ کَانَ مُضْطَرِبَ الرَّاْیِ فِی الْجَبْرِ وَالْقَدَرِ غَیْرَ جَازِمٍ بِاَحَدِ الطَّرَفَیْنِ

اخیر کا فقرہ نہایت سخت ہے اور اسی وجہ سے ہم اس عبارت کے ترجمہ کی جرأت
نہ کر سکے، اسکے نقل کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہی کہ بزرگان سلف نے نہایت بے تعصبی
کے ساتھ معترضون کے ہر قسم کے اعتراض کو سُنا اور اُن کو اپنی تصنیفات مین
درج کر کے اُن کے جواب دیے بخلاف اسکے آج ہمارے علما یہ تلقین کرتے ہین کہ
دشمن کو آتا دیکھکر اپنی آنکھین بند کر لینی چاہیین۔

نبوت اور خرق عادت

کی

اصلی حقیقت

جو اعتراضات اوپر مذکور ہوے اُن کا اجمالی جواب، امام رازی نے مطالب عالیہ مین اور
تفصیلی، قاضی عضد نے مواقف مین دیا ہی، لیکن جواب ایسے ہین جو اعتراضات کو
اور زیادہ قوی کر دیتے ہین اور چونکہ علم کلام کی تاریخ مین ہم نے انکا ذکر بھی کیا ہے
اسلیے یہان اُن کے اعادہ کی کچھ ضرورت نہین۔

اب ہم ان مباحث کو اس فن کی رائے کے موافق لکھتے ہین جس سے یہ تمام
اعتراضات خود بخود رفع ہو جائینگے اور ان مسائل کی اصلی حقیقت ظاہر ہو جائیگی

یہ بحث درحقیقت مسائل ذیل پر مبنی ہے۔

(۱) کیا خرق عادت ممکن اور ممکن الوقوع ہے۔

(۲) کیا وہ نبوت کی حقیقت مین داخل ہے۔

(۳) کیا اس سے نبوت پر استدلال ہو سکتا ہے؟

(۴) نبوت کی اصلی حقیقت کیا ہے؟

کیا خرق عادت ممکن ہے

پہلا مسئلہ حقیقت یہ ہے کہ انسان جسقدر حقائق اشیا سے آشنا ہوتا ہے اُسی نسبت سے علل و اسباب کے سلسلہ پر اسکی نظر کم پڑتی ہے اور وہ ہر چیز کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ایک دہقان کا بچہ برسات کے زمانہ میں جب بادلوں کو آتا دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ "اللہ میاں آئے"، یعنی بادلوں کا آنا خود خدا کا آنا ہے۔ اس حالت سے جب ترقی کرتا ہے تو کہتا ہے کہ خدا [illegible] سے پانی برساتا ہے [illegible] اور پانی برسانے میں بادل کو واسطہ قرار دیا۔ اس درجہ کے بعد یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ بادل کیا ہے؟ [illegible] خدا کے حکم سے پیدا ہو گئے یا خدا نے اُن کو بھی کسی اور شے کے ذریعہ سے پیدا کیا ہے؟ مذہبی آدمی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ بادل اور خدا میں کوئی درمیانی علت نہیں ہے، خدا کے حکم سے بادل آپ سے آپ پیدا ہو جاتے ہیں اور برستے ہیں۔ یا یہ کہ آسمان پر بہت سا [illegible] وہاں سے پانی گرتا ہے اور بادل کی شکل بنجاتا ہے چنانچہ قدماے مفسرین اسی بات کے قائل تھے امام رازی نے اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کی تفسیر میں انکے اقوال نقل کئے ہیں لیکن صاحب نظر اور آگے قدم بڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ زمین یا سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں وہ اوپر جاکر سردی کی وجہ سے پانی کے قطرے بنجاتے ہیں۔ غرض جسقدر حقیقت طلبی اور غور رسی بڑھتی جاتی ہے علل و اسباب کا سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے یہانتک کہ بالآخر اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ علت و معلول، سبب و مسبب، شرط و مشروط، موثر اور موثر کے

خرق عادت کا یہاں انکار کیونکر پیدا ہوتا ہے

سلسلہ کے بغیر نہین ہوتا اسی سلسلہ اور نظام کا نام فطرت سنۃ اللہ اور خلق اللہ ہی اور قرآن مجید کی ان آیتوں مین اسی کیطرف اشارہ ہی۔

لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ — خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین

لَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَحْوِیْلًا۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا۔ — خدا کی عادت مین تغیر نہین۔ اور تم خدا کی عادت مین تبدیلی نہ پاؤ گے

صرف اشاعرہ سلسلہ اسباب کے منکر ہین

اسلامی فرقون مین سے صرف اشاعرہ، اس سلسلہ کے منکر ہین، اُن کے نزدیک کوئی شئی کسی کی علت نہین نہ اشیا مین خواص و تاثیر ہے چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الرد علی المنطق مین جہان اشاعرہ کے وہ مسائل گنائے ہین جنمین وہ متفرد ہین اُن مین اس مسئلہ کو بھی شمار کیا ہے۔

اشاعرہ کے سوا، باقی تمام فرقے بلکہ تمام دنیا، اس سلسلہ کی معترف ہی اس کا یہ نتیجہ ہونا چاہیئے تھا کہ خرق عادت کے غیر ممکن ہونے پر بجز اشاعرہ کے اور سب کا اتفاق ہوتا لیکن باانیہمہ بظاہر اختلاف ہے، امام رازی تفسیر کبیر، سورہ اعراف، حضرت موسیٰ کے عصا کے معجزہ کے ذکر مین لکھتے ہین،

اِعْلَمْ اَنَّ الْقَوْلَ بِتَجْوِیْزِ اِنْقِلَابِ الْعَادَاتِ عَنْ مَجَارِیْہَا صَعْبٌ مُشْکِلٌ وَالْعُقَلَاءُ اِضْطَرَبُوْا فِیْہِ — جاننا چاہیئے کہ انقلاب عادت کا قائل ہونا صعب اور مشکل ہے اور ارباب عقل، اس مین مضطرب ہین

اس کے بعد امام صاحب نے اس مسئلہ کے متعلق تین قول نقل کیے ہین۔

اشاعرہ کے نزدیک ہر قسم کے خرق عادت عموماً ممکن ہے یہانتک کہ یہ بھی ممکن ہی

کہ ایک جزو لایتجزی دفعتہً عالم اور عاقل بن جائے یا یہ کہ ایک اندھا جو اندلس مین بیٹھا ہوا ہی
چین کے کسی گانون کو دیکھے

۲۔ حکمائے طبیعین کے نزدیک بالکل ناممکن ہے

۳۔ معتزلہ کے نزدیک بعض مخصوص صورتون کے سوا ناممکن ہی

حقیقت یہ ہی کہ اس مسئلہ کے متعلق جو اختلافات ہین وہ در اصل نزاع لفظی ہی
اشاعرہ کے سوا کوئی اس بات کا قائل نہین کہ معلول کا وجود بغیر علت کے ہوسکتا ہی۔
اور جو شخص اس کا قائل نہین وہ خرق عادت کا بھی قائل نہین ہوسکتا۔ اختلاف اسطرح
پیدا ہوتا ہی کہ جب کوئی واقعہ عادت جاریہ کے خلاف وقوع مین آتا ہے، تو عام لوگ
اس کو خرق عادت سے تعبیر کرتے ہین اور کہتے ہین کہ خرق عادت ممکن ہی ورنہ اُس کا
وقوع کیونکر ہوتا۔ حالانکہ وہ واقعہ اسباب ہی کیوجہ سے وقوع مین آتا ہی گو وہ اسباب غیر
معمولی ہوتے ہین، امام صاحب نے مطالب عالیہ مین خرق عادت کے امکان کو اسطرح
ثابت کیا ہی، کہ ممکن ہی کہ کوئی غیر معمولی حرکت فلکی پیدا ہو اور اُس سے کوئی غیر معمولی امر
وقوع مین آئے لیکن امام صاحب نے یہ خیال نہین کیا کہ اس حالت مین وہ امر خرق عادت
نہین ہی کیونکہ اُسکی علت حرکت فلکی موجود ہی امام صاحب کے اس استدلال سے ثابت
ہوتا ہی کہ وہ اس شئی کو جو خلاف عادت وقوع مین آئے، خرق عادت کہتے ہین گو اسکے
لئے کوئی غیر معمولی علت موجود ہو،

خرق عادت کے متعلق لوگون مین جو اختلاف لفظی ہی

اشاعرہ مین بھی اس مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے ہے عام اشاعرہ ہر قسم کے

خرق عادت کے قائل تھے اور ہر شخص سے اس کا صادر ہونا تسلیم کرتے تھے، اُن کے نزدیک جس قسم کے خرق عادات پیغمبر سے صادر ہوتے ہیں، اسی قسم کے اولیا بلکہ کافر زندیق جادوگر وغیرہ سب سے صادر ہو سکتے ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ ان کا نام بدل جاتا ہے یعنی کافر وغیرہ سے جو سرزد ہو اس کو سحر اور استدراج کہتے ہیں، اور انبیا سے جو سرزد ہو اس کا نام اعجاز ہے لیکن جس قدر غور و فکر سے زیادہ کام کیا گیا یہ وسعت گھٹتی گئی،

خرق عادات کے متعلق اشاعرہ میں اختلاف رائے

علامہ ابو اسحاق اسفرائنی جو بہت بڑے پایہ کے شخص تھے اور اشعری طریقہ رکھتے تھے، ان کا قول ہے کہ

إِنَّ الْكَرَامَةَ لَا تَبْلُغُ مَبْلَغَ خَرْقِ الْعَادَةِ کرامت خرق عادت کی حد تک نہیں پہنچتی

ابو القاسم قشیری جو اشاعرہ میں بہت بڑے صوفی گذرے ہیں، ان کا قول ہے کہ بہت سی چیزیں گو مقدورات الٰہی کے لحاظ سے ممکن ہیں لیکن قطعاً معلوم ہے کہ وہ کسی ولی کی سرزد نہیں ہو سکتیں۔[1]

بو علی سینا کی رائے

بو علی سینا نے اشارات کے اخیر میں ایک باب باندھا ہے جس میں خرق عادات پر بحث کی ہے، اس میں لکھا ہے کہ "اگر تم سے کوئی شخص کہے کہ کسی درویش نے مدت تک کھانا نہیں کھایا، یا کوئی ایسا کام کیا جو اوروں کی قوت سے زیادہ تھا، یا کوئی پیشین گوئی کی، یا اس کی بددعا کی وجہ سے کوئی شخص زمین میں دھنس گیا، یا زلزلہ آگیا، یا درندہ مسخر ہو گیا وغیرہ وغیرہ تو تم اس سے انکار نہ کرو، کیونکہ ان سب کے اسباب طبعی ہو سکتے ہیں" چنانچہ

[1] یہ دونوں قول ابن السبکی نے طبقات جلد اول میں نقل کیے ہیں، علامہ موصوف نے ایک نہایت مفصل مضمون خرق عادت کے جواز پر لکھا ہے۔

انکا ظہور ہوتا ہے۔ بوعلی سینا نے ان اسباب طبعی کو تفصیل سے بیان بھی کیا ہے۔ مثلاً
امساک طعام کی نسبت لکھا ہے کہ معدہ جب مواد ردیہ کے ہضم کرنے مین مصروف
ہوتا ہے تو صحیح غذا پر کم عمل کرتا ہے اسکا نتیجہ ہوتا ہے کہ کئی کئی دن تک انسان کو
بھوک نہین لگتی، کیونکہ بدل ما یتحلل کی ضرورت نہین پڑتی۔ اسی بنا پر ممکن ہے کہ کسی
صاحب حال کو خدا کے تصور مین اسقدر استغراق اور محویت ہو کہ طبیعت، غذا کے ہضم
کیطرف نہ مائل ہو، اس حالت مین مدت تک وہی غذا قائم رہیگی اور بدل ما یتحلل کی ضرورت
نہ پڑیگی یہی وجہ ہوتی ہے کہ خوف کیحالت مین بھوک بالکل جاتی رہتی ہے

بوعلی سینا نے گو ان تمام خرق عادات کے وجوہ اور اسباب بیان کئے تاہم
انکا نام خرق عادت ہی رکھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیز عام عادت کے خلاف ہوتی
ہے وہ خرق عادت سے تعبیر کیجاتی ہے، گو واقع مین وہ اصول قدرت کے خلاف نہ
نہین ہوتی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے صاف صاف اسکو تسلیم کیا ہے چنانچہ
تفہیمات الٰہیہ مین لکھتے ہین

اِنَّمَا الْمُعْجِزَاتُ وَالْکَرَامَاتُ اُمُوْرٌ اَسْبَابِیَّۃٌ تَغْلِبُ یعنی معجزات اور کرامات امور اسبابی ہین لیکن ان پر حالت
عَلَیْہِ السُّبُوْحُ فَبَایَنَتْ سَائِرَ الْاَسْبَابِیَّاتِ غالب ہوگیا ہے اور اس وجہ سے اور اسبابی امور سے متباین
غرض کلی طور پر اس مسئلہ مین اشاعرہ کے سوا باقی تمام اسلامی فرقے متفق ہین کہ
کوئی چیز اصول قدرت کے خلاف وجود مین نہین آسکتی، اسلئے جب کوئی فرقہ یا کوئی
شخص (اشاعرہ کے سوا) کسی خرق عادت کا قائل ہو تو اسکی مراد صرف یہ ہوگی کہ وہ تمام

عام عادت جاریہ کے خلاف وقوع مین آیا ہی، نہ یہ کہ درحقیقت خلاف اصول قدرت ہی
اختلاف جوکچھ پیدا ہوتا ہی وہ خرق عادات کے ثبوت کے متعلق پیدا ہوتا ہی،
واقعات کے یقین کرنے کے اصول کے متعلق، لوگون مین نہایت اختلاف ہی محققین کے
نزدیک واقعات پر یقین کرنیکے متعلق یہ اصول ہین۔

واقعات پر یقین کرنیکے کیا اصول ہین

(۱) جو واقعہ جسقدر زیادہ معمول عام کے موافق ہوگا، اسی قدر اُس کے وقوع کا یقین زیادہ ہوگا اور جو واقعہ جسقدر خلاف عادت اور خلاف معمول ہوگا اسی قدر اسپر یقین کرنے کیلئے زیادہ کدوکاوش کی ضرورت ہوگی۔ فرض کرو کہ ایک شخص نہایت سچا ہی اور اُسنے یہ روایت کی کہ فلان شہر مین پانی برسا تو فوراً یقین آجائیگا، لیکن وہی شخص اگر پانی کے بجائے خون کا برسنا بیان کرے تو یقین کی حالت بدل جائیگی اور واقعہ کے ثبوت کے لئے زیادہ قوی شہادت درکار ہوگی، غرض واقعہ کی شہادت کی حیثیت بدلتی جاتی ہے۔

(۲) کسی واقعہ کا صرف ممکن ہونا واقعہ پر یقین کرنیکے لئے کافی نہین۔

(۳) جو واقعات پیش آتے رہتے ہین، اُسکے خلاف کا ممکن ہونا، اس بات کی وجہ نہین ہوتا کہ ہم کو اُن واقعات کے یقین مین شبہہ پیدا ہوجائے۔

(۴) جس واقعہ کی نسبت اثبات ونفی کا کوئی پہلو یقینی نہین ہوتا اُسکی نسبت بھی ہم خالی الذہن نہین رہتے بلکہ دونون پہلوؤن مین سے جو زیادہ قریب الیقین ہوتا ہی ہم اُسپر اعتبار کرتے ہین۔

عام لوگ، ان اصول کو ملحوظ نہین رکھتے، اور یہی اختلاف کا سبب ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نے بیان کیا کہ **ابن خلکان** نے لکھا ہے کہ فلان صوفی آگ مین گھس گئے اور آگ نے اُنپر کچھ اثر نہین کیا۔ اس واقعہ پر عام لوگ فوراً اعتبار کرلین گے کیونکہ اُن کے نزدیک یہ واقعہ ممکن ہے، اور ابن خلکان مین مذکور ہے لیکن ایک محقق شخص اس بات پر غور کریگا کہ یہ واقعہ جسقدر ممکن ہے اُس سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ ابن خلکان نے غلطی کی ہو یا راوی اوّل نے دھوکا کھایا ہو، یا بیچ کی رُوات سے غلطی ہوئی ہو، یا قصداً ان مین سے کسی نے جھوٹ کہا ہو، البتہ جس درجہ کا یہ واقعہ مستبعد اور نادر الوقوع ہے، اُسی نسبت سے اگر اُسکے ثبوت کی شہادت قوی اور مضبوط ہوگی تو واقعہ کا یقین ہوسکیگا۔ اور یہ قرار دیا جائےگا کہ کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہونگے جنکی وجہ سے اُنکے بدن پر آگ کا اثر نہ ہوا ہوگا۔

اشاعرہ کی یہ شتر گربگی حقیقت مین نہایت تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ وہ جب کسی **خرق عادت** کے ثبوت کا دعوی کرتے ہین تو صرف یہ ثابت کرتے ہین کہ وہ [illegible] ممکن ہے اور امکان کو اسقدر وسعت دیتے ہین کہ ہر قسم کے مستبعدات گو وہ ازل سے آجتک کبھی وقوع مین نہ آئے ہون، اُس مین شامل ہوجاتے ہین، لیکن دوسری طرف یہ خیال نہین کرتے کہ واقعہ کے لئے جس قسم کا امکان وہ ثابت کرتے ہین اس سے کہین زیادہ راویون کا غلطی کرنا ممکن ہے، اس لئے صرف امکان پر مدار ہوگا تو ایک شخص وہ پہلو کیون نہ اختیار کریگا جو زیادہ ممکن بلکہ قریب الوقوع ہے

بہرحال خرق عادت (بمعنی عام) سے کسی کو انکار نہین، جو کچھ بحث ہے وہ

واقعات مین ہے، جو خرق عادت جس درجہ مستبعد ہو، اُسی نسبت سے اگر اُسکے ثبوت کی شہادت قوی ہوگی تو اُس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہین۔

خرق عادت ثبوت کا لازمہ ہے یا نہین

دوسری بحث - دنیا مین ہمیشہ یہ خیال رہا ہے اور آج بھی من حیث الاغلب تمام آدمیون مین پایا جاتا ہے کہ انبیاء اور اولیا مین ضرور کوئی امر مافوق العادت ہوتا ہے اس بنا پر خیال کا زور یہان تک پہنچا کہ انبیا مین شان ایزدی تسلیم کی گئی، ہندؤن نے رام اور کرشن اور عیسائیون نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا پیکر جسمانی مانا۔ زمانہ کی امتداد اور عقل کی ترقی نے اس رتبہ کو گھٹا کر کم کیا تو خرق عادت کے درجہ پر آکر ٹھہرا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوے اور اپنی نبوت کا اظہار کیا تو جو لوگ، خرق عادت کو لازمہ نبوت سمجھتے تھے اُنھون نے نہایت تعجب سے کہا۔

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ (یونس)	اُسپر خدا کے ہان سے کوئی معجزہ کیون نہین اترا؟
وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ (رعد)	کافر کہتے ہین کہ خدا کے ہان سے اُنپر کوئی معجزہ کیون نہین اُترا۔
وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ (الانبیاء)	اور کہتے ہین کہ ہمارے پاس کوئی معجزہ اپنے خدا کے ہان سے کیون نہین لاتے

بعضون نے کہا معجزہ نہ سہی لیکن کچھ نہ کچھ امتیاز تو ضرور ہے

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا (بنی اسرائیل)	اور کہتے ہین کہ ہم تجھپر ایمان نہین لائین گے جبتک تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ نکال دے یا خود تیرے پاس کھجورون اور انگورون کا باغ نہ ہو جسکے درمیان تو نہر نہ چلائے

اسلام جو اس لئے آیا تھا کہ مذہبی اصول۔ کے متعلق آج تک جو غلط خوش اعتقادیان
چلی آتی تھین اور جو مسامحۃً اپنے حال پر رہنے دی گئی تھین اُن کو قطعاً رفع کر دیا جائے جو
اس لئے آیا تھا کہ قیامت تک ہر قسم کی ترقی اور اصلاح سے مذہب کو مستغنی کر دے، اسکا
یہ کام تھا کہ جس طرح اُسنے توحید کو مکمل کیا تھا، **نبوت** کی اصلی حقیقت بھی کھول کر دکھادے
اسلئے سب سے پہلے اُسنے نہایت صفائی۔ نہایت آزادی۔ نہایت وضاحت سے
اس بات کو ظاہر کیا کہ جو چیزین بشریت سے بالاتر ہین وہ پیغمبر مین نہین ہوتین۔

قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا
أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ
إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ (انعام)

اے پیغمبر! ان لوگون سے کہدو کہ مین یہ نہین کہتا کہ میرے پاس
خدا کے خزانے ہین، اور نہ مین غیب جانتا ہون اور نہ مین یہ
کہتا کہ مین فرشتہ ہون مین تو اس حکم پر چلتا ہون جو میری طرف وحی
کیا جاتا ہے۔

قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا
مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ
مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا
نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (اعراف)

اے پیغمبر ان لوگون سے کہدو کہ میرا ذاتی نفع و نقصان بھی میرے
اختیار مین نہین ہان جو کچھ خدا چاہتا ہے ہوتا ہے۔ اور اگر مین غیب کی
بات جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجکو گزند نہ پہونچتا مین تو خوشخبری
دینے والا اور خوف دلانے والا ہون انلوگون کیلئے جو ایمان لاتے ہین

یہ مسئلہ اگرچہ نہایت دقیق نازک اور معتقدات عوام کے بالکل خلاف تھا لیکن شارع نے
اس اہتمام سے اس کی تلقین کی کہ قرون اولیٰ تک اُسکے متعلق کسی شخص کو غلط فہمی نہین ہوئی
اسکے بعد اُس عالمگیر اور ازلی غلطی کو رفع کیا کہ **نبوت** اور **معجزہ** مین تلازم ہے،
منکرین جو معجزات طلب کرتے تھے، اور نبوت کو معجزہ پر موقوف سمجھتے تھے اُنکے

جواب مختلف طریقے سے دیئے لیکن ہر جگہ اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ نبوت معجزہ پر موقوف نہین

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ (رعد)

اور کفار کہتے ہین کہ اپر کوئی نشانی (معجزہ) خدا کے ہان سے کیون نہین اتری، اے محمد! تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کیلیے ایک ڈرانے والا ہوتا ہے۔

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ قُلْ اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (رعد)

اور کافر کہتے ہین کہ اپر کوئی نشانی خدا کے ہان سے کیون نہین اتری اے محمد! کہدو کہ خدا جسکو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّہٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (عنکبوت)

اور کافر کہتے ہین کہ اپر خدا کے ہان سے معجزے کیون نہین آئے۔ کہدو معجزے تو خدا کے پاس ہوتے ہین اور مین تو صرف صاف ڈرانے والا ہون

سورۂ **بنی اسرائیل** مین بیان کیا کہ منکرین کہتے ہین کہ ہم تو تم پر جب ایمان لائین جب تم زمین سے کوئی چشمہ نکال دو۔ یا کھجور یا انگور کا باغ تیار کر دو۔ یا آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ یا خدا اور فرشتون کو سامنے لاکر کھڑا کر دو۔ یا سونے کا مکان طیار کر دو۔ یا آسمان پر چڑھ جاؤ۔ پھر ان سب کے جواب مین خدا نے کہا

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا

کہدو کہ سبحان اللہ مین تو صرف آدمی ہون۔ اور پیغمبر ہون۔

اصل نکتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ کفار جن باتون کو طلب کرتے تھے وہ ناممکن اور محال نہ تھین تاہم خدا نے اُن کے اظہار سے اعراض کیا جس سے صرف یہ ظاہر

کرنا مقصود تھا کہ گویہ باتین خدا کے اختیار مین ہین لیکن نبوت کے ثبوت مین اُن کو پیش کرنا، اسی قدیم غلطی مین لوگون کو مبتلا رکھنا ہے۔ ورنہ خرق عادات کے پیش کرنے سے انکار اس بنا پر نہ تھا کہ خدا ان پر قادر نہین، ایک آیت مین خدا خود فرماتا ہے

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (انعام)	اور کفار کہتے ہین کہ محمد پر خدا کے ہان سے کوئی معجزہ کیون نہ اُترا۔ کہدے کہ خدا اس پر قادر ہے کہ معجزہ نازل کرے لیکن یہ لوگ جاہل ہین

امام رازی سورۂ عنکبوت آیت وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ کی تفسیر مین لکھتے ہین۔

وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِ الرِّسَالَةِ الْاٰيَةُ الْمُعْجِزَةُ	پیغمبر کے لئے معجزہ شرط نہین ہے۔

پھر تھوڑی دور کے بعد لکھتے ہین۔

وَلِهٰذَا عُلِمَ وُجُوْدُ رُسُلٍ كَشِيْثَ وَاِدْرِيْسَ وَشُعَيْبَ وَلَمْ تُعْلَمْ لَهُمْ مُعْجِزَةٌ	اسیوجہ سے ایسے انبیا بھی گذرے ہین مثلاً حضرت شیث وادریس وشعیب جنکے پاس کسی معجزہ کا ہونا معلوم نہین

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین

فَلَيْسَتِ الْمُعْجِزَاتُ وَلَا اِسْتِجَابَةُ الدَّعَوَاتِ وَنَحْوُ ذٰلِكَ اِلَّا اُمُوْرًا خَارِجَةً عَنْ اَصْلِ النُّبُوَّةِ لَازِمَةً لَهَا فِي الْاَكْثَرِ	معجزات اور اجابت دعا اور اس قسم کی اور باتین، اصل نبوت سے خارج ہین لیکن اکثر حالات مین نبوت کے ساتھ لازم ہین۔

امام غزالی نے منقذ من الضلال مین نبوت کا ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے، اس مین

نبوت کی حقیقت لکھکر لکھتے ہین کہ نبوت کا یقین آنحضرت کی ہدایات اور ارشادات سے ہوتا ہے، اُسکے بعد لکھتے ہین۔

فَمِنْ ذٰلِكَ الطَّرِيقِ فَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ	تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ، نہ اس سے کہ لاٹھی
بِالنُّبُوَّةِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ	سانپ بن گئی اور چاند پھٹ گیا۔

تیسری بحث معجزہ کا دلیل نبوت ہونا صرف، اشاعرہ ظاہرین کا مذہب ہے اور وہ بھی یہ دعوی نہین کرتے کہ معجزہ، نبوت کی عقلی دلیل ہے بلکہ ان کا یہ مذہب ہے کہ معجزہ کے صادر ہونے کے وقت لوگون کو عادۃً یقین ہو جاتا ہے، نہ عقلاً

شرح مواقف مین ہے۔

وَهٰذِهِ الدَّلَالَةُ لَيْسَتْ دَلَالَةً عَقْلِيَّةً مَحْضَةً	اور یہ دلالت محض عقلی نہین ہے بلکہ وہ دلالت عادیہ ہے
بَلْ وَهِيَ دَلَالَةٌ عَادِيَّةٌ كَمَا أَشَارَ بِقَوْلِهِ وَهِيَ	جیسا کہ صاحب مواقف نے اپنے ان لفظون مین اشارہ کیا ہے کہ
عِنْدَنَا أَيِ الْأَشَاعِرَةِ لِإِجْرَاءِ اللهِ	یہ دلالت ہمارے نزدیک (اشاعرہ) اس بنا پر ہے کہ خدا کی عادت یہ ہے کہ
عَادَتَهُ بِخَلْقِ الْعِلْمِ بِالصِّدْقِ عَقِيْبَهُ	جب معجزہ صادر ہوتا ہے تو معجزہ کی سچائی کا علم خدا لوگون کے دلون مین پیدا کر دیتا ہے

یہ دعوی بھی کلی طور پر نہین کیا جا سکتا، ورنہ بداہت کی تکذیب لازم آئیگی علانیہ ثابت ہے کہ انبیا کے معجزات کے ظہور کے وقت ہزارون آدمی ایمان نہین لاتے تھے، بلکہ نہ ایمان لانے والون کی تعداد ہمیشہ ایمان لانے والون سے زیادہ ہوتی تھی۔ اسی بنا پر ائمہ فن اور محققین نے تصریح کی ہے کہ معجزہ نبوت کے یقین کے لئے کافی نہین۔

امام غزالی منقذ من الضلال بحث نبوت مین لکھتے ہین

فمن ذلک الطریق فاطلب الیقین بالنبوۃ	تو اس طریقہ سے نبوت کا یقین طلب کرو نہ اس بات
لا من قلب العصا ثعبانا وشق القمر	سے کہ لاٹھی اژدہا بن گئی یا چاند پھٹ گیا

راغب اصفہانی[1] لکھتے ہین

وذلک یطلبہ احد رجلین اما ناقص	اور معجزہ دو قسم کے آدمی طلب کرتے ہین۔ یا وہ جو کلام
عن الفرق بین الکلام الالٰہی وبین البشری	الٰہی اور کلام انسانی مین تمیز نہین کرسکتا، یا وہ جو ایسے
واما ناقص وھو مع نقصہ معاند	ساتھ ہٹ دھرم بھی ہے۔

نبوت کی حقیقت

(مسئلہ چہارم)

نبوت کی حقیقت اور اسکے حصول اور شرائط، اشاعرہ نے جو کچھ بیان کئے وہ اوپر گذر چکے، امام غزالی اور رازی وغیرہ نے ان مسائل کی تشریح عام تصنیفات مین اشاعرہ ہی کے مذاق کے موافق کی لیکن مخصوص تصنیفات مین اپنی خاص تحقیقات بیان کین، اور یہی تصریح کردی کہ اشاعرہ کا طریقہ ناکافی اور پر از مشکلات ہے۔ امام رازی مطالب عالیہ مین لکھتے ہین

اعلموا ان القائلین بالنبوۃ فریقان	نبوت کے قائل دو فریق ہین
احدھما الذین یقولون ان ظھور المعجزات علی	ایک فریق کہتا ہے کہ معجزات کا ظاہر ہونا نبی کے سچے ہونے
یدہ یدل علی صدقہ وھذا القول ھو الطریق الذی علیہ	کی دلیل ہے، اور یہ مذہب قدیم طریقہ ہے، اور دنیا کے

[1] کتاب الذریعہ صفحہ ۷۰

عامّة ارباب الملل والنحل۔

عام اہل مذاہب اسکے قائل ہین

والقول الثانی ان نقول انا نعرف اولاً ان الحق والصدق فی الاعتقادات ما هو وان الصواب فی الاعمال ما هو فاذا عرفنا ذالک ثم رأينا انساناً يدعو الخلق الی الدين الحق ورأينا ان لقوله اثراً قوياً فی صرف الخلق من الباطل الی الحق عرفنا انه نبی صادق واجب الاتباع وهذا الطريق اقرب الی العقل والشبهات فيه اقل

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ طے کیا جائے کہ صحیح عقائد اور اعمال خیر کیا ہین، اس امر کے محقق ہوجانے کے بعد جب یہ دیکھا جائے کہ ایک شخص لوگون کو دین حق کی دعوت دیتا ہے، اور یہ بھی نظر آئے کہ اسکی بات لوگونکو باطل سے حق کیطرف لانے مین نہایت قوی اثر رکھتی ہے تو ہم کو یقین ہوجائیگا کہ وہ سچا پیغمبر ہے اور واجب الاتباع ہے۔ اور یہ طریقہ عقل سے زیادہ قریب ہے اور اسپر بہت کم شبہے وارد ہوتے ہین۔

اسکے بعد امام صاحب نے اس دوسرے طریقہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے پھر ایک عنوان باندھا ہے جسمین یہ ثابت کیا ہے کہ قران مجید سے بھی یہی طریقہ افضل ثابت ہوتا ہے چنانچہ لکھتے ہین

الفصل الثانی فی بيان ان القرآن العظيم يدل علی ان هذا الطريق هو الطريق الاکمل الافضل فی اثبات النبوة

دوسری فصل اس بات کے ثابت کرنے مین کہ قران مجید سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنے مین یہی طریقہ زیادہ کامل اور افضل ہے

پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہین

الفصل الخامس فی بيان ان

پانچوین فصل اس بات کے بیان مین کہ ثبوت کا اس طریقہ

...ت کی ایک
...سری تشریح

...انی اس
...طریقہ کو
...ہ پسند کرتے
ہین

...ریقہ کا
...قران مجید
سے

اِثْبَاتُ النُّبُوَّةِ بِهٰذَا الطَّرِيْقِ اَقْوٰى وَ	ثابت کرنا زیادہ قوی اور کامل ہے بہ نسبت اسکے کہ
اَكْمَلُ مِنْ اِثْبَاتِهَا بِالْمُعْجِزَاتِ۔	وہ معجزہ سے ثابت کی جائے۔

تفسیر کبیر مین اس آیت کی تفسیر مین یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (سورہ یونس) نہایت اختصار کے ساتھ اس دوسرے طریقہ کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ **نبوت** کے ثابت کرنے کا یہ طریقہ اشرف و اعلیٰ و اکمل و افضل ہے

امام رازی کے سوا، امام غزالی، ابن حزم، ابن رشد، شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی نبوت کی حقیقت و ماہیت کی توضیح و تشریح نہایت خوبی سے کی ہے، ہم ان سب کی تقریروں کو نقل کرتے ہین جس سے نبوت کی پوری تصویر ذہن مین آجائے گی اور یہ ظاہر ہوگا کہ متداول کتب کلامیہ مین جو لکھا ہے صرف اشاعرہ ظاہرین کا قول ہے، امام رازی نے مطالب عالیہ مین نبوت کی حقیقت، نہایت تفصیل سے بیان کی ہے۔ ہم نے مطالب عالیہ کا یہ حصہ بعینہ کتاب کے ضمیمہ مین شامل کر دیا ہے اس موقع پر ہم صرف خلاصہ لکھتے ہین۔

امام صاحب نے نبوت کی حقیقت بتانے سے پہلے چند مقدمات قائم کیے ہین۔ وہ یہ ہین

امام رازی کے نزدیک نبوت کی حقیقت

(۱) انسان کا اصلی کمال حقائق اشیا اور خیر و شر کا ادراک ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کو دو قسم کی قوتین دی گئی ہین **نظری** **عملی**۔ نظری کا یہ کام ہے کہ اشیا کے حقائق پر غور کرے، اور اس بات کا فیصلہ کرے، اس قوت کا کمال یہ ہے، کہ حقائق اشیا کا صحیح علم ہو یعنی جو شے ذہن مین آئے ٹھیک اُس صورت مین آئے جو اُسکی اصلی اور حقیقی صورت ہے، **عملی** کے یہ معنی کہ کون سے افعال عمل کرنے کے قابل ہین؟ اور کون سے نہین اس کا

کمال یہ ہے کہ انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو جس سے خود بخود اچھے افعال سرزد ہوں۔

(۲) ان دونوں قوتوں کے لحاظ سے افراد انسانی کی تین قسمیں ہیں

(۱) وہ لوگ جو ان اوصاف میں ناقص ہیں

(۲) خود کامل ہیں لیکن ناقصوں کی تکمیل نہیں کر سکتے

(۳) خود کامل ہیں اور ناقصوں کو کامل بنا سکتے ہیں

(۳) نقصان و کمال کے درجے نہایت متفاوت ہیں، نقصان کا درجہ اس حد تک پہنچتا ہے کہ انسان اور جانور میں صرف صورت کا فرق رہ جاتا ہے، اسی طرح کمال کا درجہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہونچتا ہے کہ انسان فرشتہ بن جاتا ہے۔ ان دونوں درجوں کے بیچ میں ہزاروں درجے ہیں یہاں تک کہ اگر ہزاروں لاکھوں افراد انسانی کے حالات کا موازنہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ ہر شخص، دوسرے شخص سے کچھ نہ کچھ ان اوصاف میں متفاوت ہے۔

چونکہ نقصان و کمال دونوں کی انتہائی حدیں ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا پایا جائے جو انتہائے کمال کے درجہ تک پہونچا ہو، اب جس شخص میں یہ دونوں قوتیں کامل درجہ پر پائی جائیں، اور دوسروں کو بھی کمال کے درجہ تک پہونچا سکتا ہو وہی نبی اور پیغمبر ہے[۱]

[۱] یہ مطالب عالیہ کی تقریر کا خلاصہ ہے امام صاحب نے تفسیر کبیر آیت قالت لھم رسلھم ان نحن الخ (ابراہیم) کی تفسیر میں اسی تقریر کو زیادہ اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ وہ امام غزالی سے ماخوذ ہے۔ اس تقریر کی امام صاحب نے نہایت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ فھذہ اسرار عالیۃ ممتزۃ فی الفاظ القرآن ۱۲

امام صاحب یہ ثابت کر کے کہ نبوت صرف قوت نظری و عملی کے کمال کا نام ہے اور معجزہ وغیرہ کو اس مین کچھ دخل نہین، لکھتے ہین۔

وَمِنْ جُمْلَةِ الْاٰيَاتِ الَّتِي تَدُلُّ عَلٰى صِحَّةِ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنَّهُ تَعَالٰى لَمَّا حَكٰى عَنِ الْكُفَّارِ أَنَّهُمْ طَلَبُوْا مِنْهُ الْمُعْجِزَاتِ الْقَاهِرَةَ فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ثُمَّ أَنَّهُ تَعَالٰى قَالَ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا يَعْنِي كَوْنَ الشَّخْصِ إِنْسَانًا مَوْصُوْفًا بِالرِّسَالَةِ مَعْنَاهُ كَوْنُهُ كَامِلًا فِي قُوَّتِهِ النَّظَرِيَّةِ وَالْعَمَلِيَّةِ وَقَادِرًا عَلٰى مُعَالَجَةِ النَّاقِصِيْنَ فِي هَاتَيْنِ الْقُوَّتَيْنِ وَلَيْسَ يَلْزَمُ مِنْ حُصُوْلِ هٰذِهِ الصِّفَةِ كَوْنُهُ قَادِرًا عَلَى الْاَحْوَالِ الَّتِي طَلَبْتُمُوْهَا مِنْهُ.

اور منجملہ ان باتون کے جن سے ہمارے دعوے مذکور کی صحت ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ خدا نے کافرون کا یہ قول نقل کیا کہ وہ اے محمد ہم تم پر ایمان نہ لائین گے جب تک کہ تم زمین مین سے ہمارے لیے چشمہ نہ نکال دو وغیرہ وغیرہ، تو اسکے جواب مین خدا نے کہا کہ ای محمد کہہ دو کہ سبحان اللہ مین تو صرف آدمی اور پیغمبر ہون، یعنی کسی آدمی کا پیغمبر ہونا صرف اسپر موقوف ہے کہ وہ قوت نظری و عملی مین کامل ہو، اور ناقصون کو کامل کر سکتا ہو۔ اس سے یہ نہین لازم آتا کہ وہ ان باتون پر بھی قادر ہو جو تم طلب کرتے ہو (یعنی معجزات)

شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک نبوت کی حقیقت

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین **نبوت** کی حقیقت زیادہ نکتہ سنجی و حقیقت شناسی کیساتھ لکھی ہے چنانچہ ہم انکے مضمون کو اپنے الفاظ اور اپنے پیرایہ مین ادا کرتے ہین لیکن ہم نے اپنی طرف سے کوئی بات اضافہ نہین کی ہے وہ اس امر کے سمجھنے کے لیے کہ انسان کا مکلف ہونا، اور شرائع و ادیان کا قائم ہونا سب فطری امور ہین، سلسلۂ کائنات پر غور کرنا چاہتے ہین ''

سب سے پہلے نباتات پر غور کرو، درختون کو دیکھو، اُن کے ہزارون لاکھون اقسام ہین

لیکن ہر ایک کی شاخین پتے پھول پھل، پھلون کی بو باس، رنگ ذایقہ سب مختلف ہے، یہ اختلافات، ان کی صورت نوعیہ کے نتائج ہین یعنی ہر درخت کے جتنے خصوصیات ہین خود اس کی صورت نوعیہ نے پیدا کی ہین۔ اس بنا پر مثلاً یہ سوال کرنا کہ انگور، شیرین، لطیف، باریک پوست، کیون پیدا کیا گیا ایک لغو سوال ہے کیون کہ یہ سوال کرنا گویا یہ کہنا ہو کہ انگور انگور کیون ہوا، انگور کی فطرت خود اسکی مقتضی ہو کہ وہ شیرین ہو، لطیف ہو، باریک پوست ہو،

اب حیوانات کو لو، نباتات کی طرح ان مین سے ہر ایک کی شکل۔ صورت۔ رنگ، جدا ہے لیکن ان مین نباتات سے بڑھکر کچھ اور چیزین بھی ہین یعنی اختیاری حرکات اور فطری الہامات ہر جانور کو خاص خاص الہامی علوم عنایت ہوئے ہین جن کی وجہ سے وہ اپنے بنی نوع سے ممتاز ہے اور جو اُسکے تمام ضروریات وخصوصیات زندگی کے کفیل ہین۔ اُن کی تربیت و پرورش کے لئے اُن کی فطرت کے لحاظ سے الگ الگ سامان مہیا ہین، نباتات چونکہ حساس اور متحرک بالارادہ نہین ہین اس لئے ان مین رگ و ریشے پیدا کئے گئے ہین جو پانی، ہوا، اور مٹی، کے لطیف اجزا کو چوستے ہین اور تمام شاخ و برگ مین تقسیم کرتے ہین حیوان چونکہ حساس اور متحرک بالارادہ پیدا کیا گیا تھا اس لئے اُس کو اس قسم کا فطری ادراک دیا گیا جس سے وہ خود چل پھر کر اپنی تمام ضروریات زندگی مہیا کر سکتا ہے، پھر ہر ایک کے کھانے پینے، رہنے سہنے کے طریقے مختلف ہین، چارپائے گھانس چرتے ہین، درندہ گوشت کھاتا ہے۔ پرند اُڑتے ہین مچھلی تیرتی ہے، یہ تمام اختلافات بھی اُن کے مختلف **صور نوعیہ** کے نتائج ہین، اور یہی صورت نوعیہ ہر ایک کو اُس قسم کے خاص ادراکات۔ خاص علوم، خاص الہامات،

عطا کرتی ہے۔ جو اُس کی ضروریات کے مناسب ہیں، لیکن حیوانات کے جس قدر علوم اور
ادراکات ہیں سب فطری اور الہامی ہیں یعنی ان کو کسب اور اکتساب سے واسطہ نہیں بلکہ وہ
علوم اور ادراکات اُن کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہیں، اور یہ سب بڑی خصوصیت ہے
جو حیوان کو انسان سے جدا کرتی ہے، انسان کو طبعی اور فطری ادراکات اور علوم کے علاوہ
(جنمیں وہ اور دیگر تمام حیوانات برابر کے شریک ہیں) ایک دوسری قسم کا ادراک بھی دیا
گیا ہے جس کو اکتسابی اور نظری کہتے ہیں اور جو تجربہ۔ غور و فکر اور ترتیب مقدمات سے حاصل
ہوتا ہے، یہی اکتسابی ادراک یا الہام ہے جس کے ذریعہ سے انسان تجارت، صنعت، حرفت
اور ہر قسم کے علوم و فنون حاصل کرتا ہے، یہی قوت ہے جو مختلف پیرایوں میں ظاہر ہو کر کسی کو
بادشاہ کسی کو سپہ سالار کسی کو حکیم کسی کو صنعت گر بناتی ہے۔

لیکن یہ تمام علوم و ادراکات وہ ہیں جو انسان کے جسمانی حالات سے تعلق رکھتے
ہیں۔ ان کے سوا انسان کو ایک اور قسم کا ادراک دیا گیا ہے جو اسکی روحانیت کا خاصہ ہے،
اور جس کو **قوت ملکیہ** سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی قوت کا اثر ہے کہ انسان اپنے گردوپیش
کی مخلوقات کو دیکھکر یہ غور کرتا ہے کہ یہ تمام کارخانہ کیوں کر قائم ہو گیا؟ خود مجھکو کسنے پیدا کیا؟ کون
مجھکو روزی دیتا ہے؟ ان سوالات کے جواب وہ ایک قوت اعظم کا قائل ہوتا ہے، اور پھر اسکے سامنے
سر عجز خم کرتا ہے اور خضوع و خشوع کے تمام آداب بجالاتا ہے، اگرچہ تمام مخلوقات شجر و حجر،
چاند سورج ستارے۔ زمین۔ آسمان، سب اُس مدبر اعظم کے معترف ہیں اور اسکے آگے
سر بہ نیاز ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	کیا تم یہ نہین دیکھتے کہ آسمان اور زمین مین جو چیزین ہین اور
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ	آفتاب و ماہتاب درخت چارپائے سب خدا کے آگے سجدہ کرتی ہیں

لیکن فرق یہ ہے کہ اور مخلوقات کا اعتراف اور خضوع زبان حال سے ہے اور انسان کو حال کے ساتھ زبان قال بھی عطا کی گئی ہے۔ حاسۂ انفعال بھی اسی روحانی قوت کا اثر ہے یعنی جب انسان کوئی اچھا یا برا کام کرتا ہے تو اس کا اثر اُس کے دل پر قائم رہ جاتا ہے، اگر وہ اچھا کام تھا تو اُس کے دل مین انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اگر برا تھا تو انقباض ہوتا ہے (جانورون مین یہ حاسہ بالکل نہین ہے)

غرض اس روحانی ادراک کے اقتضا سے سلسلہ بہ سلسلہ بہت سے اصول، قواعد، عقائد، اعمال، قائم ہو جاتے ہین لیکن چونکہ یہ قوت تمام افراد مین یکسان نہین ہوتی، اور چونکہ انسان کا کمال روحانی اسپر موقوف ہے کہ روحانی حیثیت سے نیکی بدی، اور برائی بھلائی کا ایک مکمل قانون طیار ہو جائے، اس لئے مدتون مین ایک شخص پیدا ہوتا ہے جو وحی الٰہی کے القا کے قابل ہوتا ہے۔ یہ شخص خدا کا خاص منظور نظر ہوتا ہے، اسی سے تعلیم پاتا ہے، اسی کے دامن تربیت مین پلتا ہے، اُس کو شریعت عطا ہوتی ہے اور تمام لوگون کو حکم ہوتا ہے کہ اُسکے امر و نہی کو بجا لائین لیکن یہ جو کچھ ہوتا ہے سب انسان کی فطرت اور صورت نوعیہ کا اقتضا ہے

فَاِنْ قِیْلَ مِنْ اَیْنَ وَجَبَ عَلَی الْاِنْسَانِ اَنْ یُّصَلِّیَ وَمِنْ	اگر کوئی کہے کہ انسان پہ نماز پڑھنا، اور پیغبر کی اطاعت کرنا
اَیْنَ وَجَبَ عَلَیْہِ اَنْ یَّنْقَادَ لِلرَّسُوْلِ وَمِنْ اَیْنَ حَرُمَ	اور زنا و سرقہ سے بچنا کیون واجب ہوا، تو جواب یہ ہے
عَلَیْہِ الزِّنَاءُ وَالسَّرِقَۃُ فَالْجَوَابُ وَجَبَ عَلَیْہِ	کہ اسی طرح جس طرح چرندون پر یہ واجب ہے

هذا وحرم عليه ذالك من حيث وجب على البهائم ان ترعى الحشيش وحرم عليها اكل اللحم + ومن حيث وجب على النحل ان تتبع اليعسوب الا ان الحيوان استوجب تلقي علومها الهاما جبليا واستوجب الانسان تلقي علومه كسبا ونظرا ووحيا وتقليدا (حجة الله البالغة صفحہ ۲۶)

کہ گھانس چرین اور گوشت نہ کھائین، اور جس طرح شہد کی مکھیون پر واجب ہی کہ مکھیون کا جو سردار ہی اُسکی اطاعت کرین، فرق یہ ہے کہ حیوانات کو یہ علوم محض الہام سے حاصل ہوتے ہین، اور انسان کو کسب و نظر اور وحی و تقلید سے، لیکن دونون کو ان علوم کا حاصل ہونا ضروری اور جبلی ہے۔

نبوت کے متعلق امام غزالی کی راے

امام غزالی نے نبوت کی حقیقت، سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ معارج القدس مین بیان کی ہے، چونکہ اس کا بعینہ یہان نقل کرنا موقع اور مقام کے لحاظ سے موزون نہ تھا، ہم نے اس کو کتاب کے ضمیمہ مین شامل کر دیا ہے، اس موقع پر جو کچھ امام صاحب نے کتاب المنقذ اور احیاء العلوم مین لکھا ہے اس کا خلاصہ لکھتے ہین۔ وہ فرماتے ہین کہ

انسان اصل خلقت کے لحاظ سے، جاہل پیدا کیا گیا ہے، پیدا ہونے کے وقت وہ اقسام موجودات مین سے کسی چیز سے واقف نہین ہوتا ہے پہلے اُس مین لمس کا احساس پیدا ہوتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ ان چیزون کو محسوس کرتا ہے جو چھونے سے تعلق رکھتی ہین، مثلاً حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست۔ نرمی۔ سختی، اس حاسہ کو مرئیات۔ اور مسموعات سے تعلق نہین، جو شے محض سننے سے معلوم ہو سکتی ہے اس کے حق مین یہ حاسہ بالکل معدوم ہی، لمس کے بعد پھر انسان مین دیکھنے کا حاسہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ رنگ اور مقدار کا ادراک کر سکتا ہے، پھر سننے کی قوت پیدا ہوتی ہے پھر چکھنے کی، یہانتک کہ محسوسات کی

حد ختم ہوجاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، اب اُسکو تمیز دی جاتی ہے اور ان چیزونکا
ادراک کر سکتا ہے جو حواس کے دسترس سے باہر ہین یہ دور ساتوین برس سے شروع ہوتا ہے
اُس سے آگے بڑھکر **عقل** کا زمانہ آتا ہے جس سے انسان کو ممکن، محال، جائز، ناجائز، کا
ادراک ہوتا ہے اس سے بڑھکر ایک اور درجہ ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہے اور
جس طرح تمیز و عقل کی مدرکات کے لیے حواس بالکل بیکار ہین، اسی طرح اس درجہ کے
مدرکات کے لیے عقل بیکار ہے اور اسی درجہ کا نام **نبوت** ہے۔

بعض عقلا اس درجہ کے منکر ہین، لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہے جس طرح وہ شخص عقلی
چیزون کا انکار کرتا ہے جسکو ہنوز عقل کی قوت عطا نہین کی گئی ہے۔

منقذ من الضلال مین لکھتے ہین۔

بَلِ الْاِیْمَانُ بِالنُّبُوَّةِ اَنْ یُّقِرَّ بِاِثْبَاتِ طَوْرٍ وَرَاءَ الْعَقْلِ تَنْفَتِحُ فِیْهِ عَیْنٌ یُّدْرِکُ بِهَا مُدْرَکَاتٌ خَاصَّةٌ وَالْعَقْلُ مَعْزُوْلٌ عَنْهَا کَعَزْلِ السَّمْعِ عَنْ اِدْرَاکِ الْاَلْوَانِ الخ[1]	نبوت کے تسلیم کرنے کے یہ معنی ہین کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جس مین وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے وہ چیزین معلوم ہوتی ہین جنسے عقل بالکل محروم ہے جسطرح سامعہ، رنگ کے ادراک سے بالکل معذور ہے۔

اس بنا پر نبوت کا اصلی اذعان صرف اس شخص کو ہوسکتا ہے جسکو خود نبوت کا رتبہ
حاصل ہے، یا ان لوگون کو جو نفوس قدسیہ رکھتے ہین یا جنھون نے ریاضات اور مجاہدات سے

[1] منقذ من الضلال صفحہ ۳۱

مکاشفات اور مشاہدات کا درجہ حاصل کیا ہے۔ امام غزالی منقذ من الضلال مین اپنی حالت کا ذکر کر کے لکھتے ہین۔

وبالجملۃ من لم یرزق منہ شیئا بالذوق فلیس یدرک من حقیقۃ النبوۃ الا الاسم۔	مختصر یہ کہ جس نے تصوف کا کچھ مزا نہین چکھا ہو وہ نبوت کی حقیقت نہین جان سکتا بجز اسکے کہ نبوت کا نام جان لے

اسکے بعد لکھتے ہین

ومما بان لی بالضرورۃ من ممارسۃ طریقتھم حقیقۃ النبوۃ وخاصیتھا۔	صوفیون کے طریقہ کی مشق سے مجکو نبوت کی حقیقت اور اسکی خاصیت بدیہی طور پر معلوم ہو گئی

نبوت کے ثبوت کا ایک اور طریقہ

امام صاحب نے ایک اور طریقہ سے **نبوت** کی حقیقت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہین کہ یہ عموماً مسلم ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیون مین یکسان نہین پیدا کی گئین۔ ذہن وذکاوت فہم وفراست عقل وذہانت مختلف افراد انسانی مین کسقدر مختلف المراتب ہین۔ ایک شخص ذہین ہے دوسرا اس سے ذہین تیسرا اُس سے بھی زیادہ ذہین۔ بڑھتے بڑھتے یہان تک نوبت پہونچتی ہے کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہین جو بظاہر قدرت انسانی کے حد سے باہر نظر آتے ہین۔ جو لوگ شاعری مین۔ قوت تقریر مین۔ صناعی مین۔ ایجاد مین تمام زمانہ سے ممتاز گذرے وہ اسی درجہ کی مثالین ہین۔ یہ درجہ فطری ہوتا ہے یعنی پڑھنے اور سیکھنے سے نہین حاصل ہوتا بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگون مین یہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور اسیوجہ سے دوسرے اشخاص گو کتنی ہی کوشش کرین اُنکے ہم پلہ نہین ہو سکتے انھین قوے مین حقائق اشیا کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی مین کم ہے اور کسی مین زیادہ۔ کسی مین

زیادہ تر ہوتی ہے، اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانون مین اس حد تک پہونچتی ہے کہ کسب
و تعلم کے بغیر ان کو حقائق اشیا کا ادراک ہوتا ہے، ان کو کسی چیز کا بیرونی علم نہین ہوتا لیکن
اس قوت کی وجہ سے خود بخود ان کو اشیار کا علم ہوتا جاتا ہے اسی قوت کا نام ملکۂ نبوت ہے
اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہین۔

امام صاحب نے یہ مضمون[1] احیاء العلوم کے شروع مین ایک ضمنی بحث مین
لکھا ہے جسکا عنوان یہ ہے۔ بیان تفاوت النّاس فی العقل چنانچہ اسکے بعض فقرے یہ ہین۔

وَكَيْفَ يُنْكَرُ تَفَاوُتُ الْغَرِيْزَةِ وَلَوْلَاهُ لَمَا اخْتَلَفَتِ
النَّاسُ فِيْ فَهْمِ الْعُلُوْمِ وَلَمَا انْقَسَمُوْا اِلٰى
بَلِيْدٍ لَا يَفْهَمُ بِالتَّفْهِيْمِ اِلَّا بَعْدَ تَعَبٍ طَوِيْلٍ مِنَ
الْمُعَلِّمِ وَاِلٰى ذَكِيٍّ يَفْهَمُ بِاَدْنٰى رَمْزٍ وَاِشَارَةٍ
وَاِلٰى كَامِلٍ يَنْبَعِثُ مِنْ نَفْسِهٖ حَقَائِقُ الْاُمُوْرِ
دُوْنَ التَّعَلُّمِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْءُ
وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ وَذٰلِكَ مِثْلُ
الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اِذْ يَتَّضِحُ لَهُمْ فِيْ بَاطِنِهِمْ
اُمُوْرٌ غَامِضَةٌ مِنْ غَيْرِ تَعَلُّمٍ وَسَمَاعٍ وَيُعَبَّرُ عَنْ
ذٰلِكَ بِالْاِلْهَامِ وَعَنْ مِثْلِهٖ عَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

فطرت کے تفاوت کا کیون کر انکار ہو سکتا ہے، یہ تفاوت نہ ہوتا
تو علوم کے سمجھنے مین اختلاف مراتب کیون ہوتا، اور یہ بات کیون
ہوتی کہ بعض آدمی ایسے کودن ہوتے ہین جو استاد کے سمجھانے
پر بھی مشکل سے سمجھتے ہین۔ اور بعض ایسے ذہین ہوتے ہین کہ ذرا سے
اشارے مین سمجھ جاتے ہین۔ اور بعض ایسے کامل ہوتے ہین
کہ خود انکی طبیعت سے حقائق امور پیدا ہوتے ہین جیسا کہ
خدا نے کہا ہے یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ اور
انبیا علیہم السلام کا یہی حال ہے اُن کے دل مین دقیق
باتین خود بخود بغیر سکھانے اور سننے کے روشن اور ظاہر
ہو جاتی ہین اور اسی کو الہام کہتے ہین اور اسی کو آنحضرت صلی اللہ

[1] ہم نے اس مضمون کو اپنے طرز بیان مین ادا کیا ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمْ حَيْثُ قَالَ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ علیہ وسلم نے اسطرح تعبیر کیا ہے کہ روح القدس نے میری روح مین پھونکا

امام صاحب اس تقریر سے نبوت کا امکان ثابت کر کے لکھتے ہین کہ اب اگر کسی خاص شخص کی نسبت بحث ہو کہ وہ نبی ہے یا نہین تو اوسکے حالات خود اوسکی شہادت دے سکتے ہین۔ امام شافعی کے فقیہ ہونے کا ہم کو کیون یقین ہے؟ اس لئے کہ فقہ مین انکی نہایت عمدہ تصنیفات موجود ہین۔ اسی طرح جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہین اور یہ دیکھتے ہین کہ نبوت کے جو آثار ہین اس کے ہر ہر لفظ سے نمایان ہین تو صاف یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا حامل بجز پیغمبر کے اور کوئی شخص نہین ہو سکتا تھا[1]

نبوت کے متعلق محدث ابن حزم کی رائے

محدث ابن حزم نے نبوت کی حقیقت بیان کی ہے کہ بغیر تعلم و تعلیم کے علم حاصل ہو جانا چنانچہ لکھتے ہین[2]

فَصَحَّ اَنَّ النُّبُوَّةَ فِي الْاِمْكَانِ وَهِيَ بِعْثَةُ قَوْمٍ قَدْ خَصَّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْفَضِيْلَةِ لَا لِعِلَّةٍ اِلَّا اَنَّهُ شَاءَ ذٰلِكَ فَعَلَّمَهُمُ اللّٰهُ الْعِلْمَ بِدُوْنِ تَعَلُّمٍ وَلَا تَنَقُّلٍ فِيْ مَرَاتِبِهِ وَلَا طَلَبٍ لَهُ وَمِنْ هٰذَا الْبَابِ مَا يَرَاهُ اَحَدُنَا فِي الرُّؤْيَا فَيَخْرُجُ صَحِيْحًا

تو یہ بات ثابت ہوئی کہ نبوت ممکن ہے، اور نبوت کے معنی یہ ہین کہ خدا ایک گروہ کو مبعوث کرتا ہے اور ان کو فضیلت کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے نہ کسی علت کیوجہ سے بلکہ صرف اپنی مرضی کیوجہ سے خدا ان کو علم سکھاتا ہے بغیر سیکھنے کے اور بغیر درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور بغیر طلب کے اور یہ اسی طرح کی بات ہے جسطرح ہم لوگ خواب مین کچھ دیکھتے ہین اور وہ صحیح نکل آتے

محدث موصوف نے اس کا امکان اسطرح ثابت کیا ہے کہ دنیا مین جسقدر علم و فن،

[1] منقذ من الضلال صفحہ ۴۴ تا ۴۶ [2] ملل و نحل ابن حزم ۱۷

صنعت و حرفت وغیرہ ایجاد ہوئے موجد اول کو اُن کا علم آپ سے آپ بغیر تعلیم و تعلم کے ہوا ہوگا ورنہ تسلسل لازم آئے گا اسلئے انبیاء کو بھی ایسا علم ہونا ممکن ہے اور اسی کا نام وحی ہے چنانچہ محدث موصوف بہت سے صنائع و فنون کے نام لکھکر لکھتے ہین

فَوَجَبَ بِالضَّرُوْرَةِ اَنَّهٗ لَا بُدَّ مِنْ اِنْسَانٍ وَاحِدٍ فَاَكْثَرَ عَلَّمَهُمُ اللّٰهُ اِبْتِدَاءً كُلَّ هٰذَا دُوْنَ مُعَلِّمٍ لٰكِنْ بِوَحْيٍ حَقَّقَهٗ عِنْدَهٗ وَهٰذِهٖ صِفَةُ النُّبُوَّةِ[1]	تو یہ بات ضروری ٹھہری کہ ایک یا ایک سے زیادہ اس قسم کے انسان پائے جائین جن کو خدا نے یہ علوم و صنائع ابتداءً بغیر کسی معلم کے خود اپنی وحی سے سکھلائے اور یہی نبوت کی صفت ہے۔

ان تمام تقریرون کا ماحصل اور قدر مشترک یہ ہے کہ خدا نے انسان کو جس طرح اور مختلف قوتین عطا کی ہین جو بعض افراد مین بالکل نہین پائی جاتین، اور بعض مین بتفاوت درجات پائی جاتی ہین۔ اسی طرح ایک روحانی قوت عطا کی ہے جس کا نام قوت قدسیہ یا ملکۂ نبوت ہے یہ قوت تزکیۂ نفس اور پاکیزگی اخلاق سے تعلق رکھتی ہے، جس شخص مین یہ قوت موجود ہوتی ہے وہ اخلاق مین کامل ہوتا ہے اور اپنے اثر سے اور انسانون کو کامل بنا سکتا ہے یہ شخص کسی سے تعلیم و تربیت نہین پاتا بلکہ بغیر تعلّم و تعلیم کے اسپر حقائق اشیاء منکشف ہو جاتے ہین۔

نبوت کی اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا جب یہ بات بداہتہً نظر آتی ہے کہ ایک شخص کچھ پڑھا لکھا نہین ہوتا (مثلاً ہومر اور امرء القیس) اور باوجود اس کے اس درجہ کا فصیح و بلیغ شاعر۔ یا خطیب۔ یا صنّاع۔ یا موجد ہوتا ہے کہ تمام زمانہ مین اُس کا جواب نہین ہوتا

[1] ملل و نحل صفحہ ۷۱ مطبوعہ مصر۔

تو یہ کیا بعید ہے کہ منجملہ بعض افراد کو اس قسم کی قوت عطا کرے کہ انپر بغیر تعلیم و تعلم کے اعلاق کے حقائق و اسرار منکشف ہوجائیں،

کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ اکثر انبیا مثلاً حضرت ابراہیم حضرت عیسی، اور جناب رسالت پناہ نے علوم و فنون کی مطلق تعلیم نہیں پائی تھی اور باوجود اسکے صرف ہدایت و تلقین کی تاثیر سے دنیا کی حالت بدل دی، اور فلسفہ اخلاق کے وہ اصول اور مسائل تعلیم کئے کہ افلاطون اور ارسطو کا خیال بھی وہان تک نہ پہنچ سکا تھا،

نبوت کی تصدیق اور نبی کی باتون کو سچ سمجھنا خود انسان کی فطرت صحیح کا اقتضا ہی ایک شخص جو حق کا تشنہ ہے جسکا وجدان صحیح ہے، جو سچ اور جھوٹ مین تمیز کرسکتا ہی، جسکے دل مین سچی بات آپ سے آپ اُترجاتی ہے، وہ جب کسی نبی سے تلقین وہدایت سنتا ہی تو بیہودہ کج بحثیون مین نہین پڑتا بلکہ آپ سے آپ اُس کا دل مان لیتا ہی کہ یہ سچ ہے اور سچائی کے مرکز سے نکلا ہے۔ مولانا روم نے اسکی یہ تشبیہ دی ہے کہ اگر کسی پیاسے کو پانی دیا جائے تو کیا وہ یہ بحث پیش کریگا کہ پہلے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ یہ پانی ہے، یا اگر ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پینے کے لئے بلائے تو کیا اس کو شک ہوگا کہ یہ میری مان ہے اور واقعی دودھ پلانے کے لئے بلارہی ہے، چنانچہ فرماتے ہین۔

نبوت کی تصدیق کیونکر ہوتی ہے

تشنہ را چون بگوئی تو شتاب | در قدح آب است بستان زود آب

ہیچ گوید تشنہ کاین دعوی است رو | از برم اے مدعی مہجور شو

یا گواہ و حجتے بنما کہ این | جنس آب است و ازان ماء معین

یا بہ طفل شیر مادر بانگ زد | کہ بیا من مادرم ہان اے ولد
طفل گوید مادرا حجت بیار | تا کہ با شیرت بگیرم من قرار
در دل ہر امتی کز حق مزہ است | روی و آواز پیمبر معجزہ است
چون پیمبر از برون بانگے زند | جان امت در درون سجدہ کند
زانکہ جنس بانگ او اندر جہان | از کسی نشنیدہ باشد گوش جان

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں[1] کہ انبیا کو دو قسم کے معجزے دیے جاتے ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ وہ پاک نسب ہوتے ہیں، اُن کے چہروں پر وہ نور ہوتا ہے جو دلوں کو فریفتہ کر لیتا ہے اُن کے اخلاق ایسے ہوتے ہیں جو قلوب کو مسخر کر لیتے ہیں، اُن کی تقریر ایسی ہوتی ہے جس سے سامع کو تشفی ہو جاتی ہے، پھر لکھتے ہیں۔

وَهٰذِهِ الْاَحْوَالُ اِذَا حَصَلَتْ لَا يَحْتَاجُ ذُو الْبَصِيْرَةِ مَعَهَا اِلَى مُعْجِزَةٍ وَلَا يَطْلُبُهَا	اور یہ حالات جب پائے جاتے ہیں تو سمجھ دار آدمی کو اور کسی معجزہ کی ضرورت نہیں رہتی اور وہ کسی معجزہ کا طالب نہیں ہوتا

امام غزالی نے منقذ من الضلال میں جہاں نبوت پر بحث کی ہے لکھتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت کے ہدایات اور ارشادات پر بار بار غور کرے گا اُس کو خود آنحضرت کی نبوت پر یقین ہو جائے گا۔ پھر لکھتے ہیں،

فَمِنْ ذَالِكَ الطَّرِيْقِ فَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ بِالنُّبُوَّةِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا اَوْ شَقِّ الْقَمَرِ الخ	تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ نہ اس سے کہ عصا سانپ ہو گیا یا چاند شق ہو گیا،

[1] الذریعہ مطبوعہ مصر صفحہ ۶۵

معارف فی شرح الصحائف مین جو علم کلام کی مستند کتاب ہے آنحضرت کی نبوت پر دو طریقہ سے استدلال کیا ہے پہلا وہی قدیم طریقہ یعنی معجزات ہے۔ دوسرا طریقہ یہ لکھا ہے

اَلْوَجْہُ الثَّانِیْ فِیْ اِثْبَاتِ نُبُوَّۃِ مُحَمَّدٍ صلعم اَلْاِسْتِدْلَالُ بِاَخْلَاقِہٖ وَاَفْعَالِہٖ وَاَحْکَامِہٖ

دوسرا طریقہ آنحضرت کی نبوت ثابت کرنے کا آنحضرت کے افعال۔ اقوال، اور احکام سے استدلال کرنا ہے

پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہین

وَھٰذَا الْوَجْہُ بِالْحَقِیْقَۃِ یُعَیِّنُ حَقِیْقَۃَ النُّبُوَّۃِ

اور یہ طریقہ درحقیقت نبوت کی حقیقت بتا دیتا ہے۔

انبیا کی تعلیم وہدایت کا طریقہ

مذہب کے متعلق بہت بڑی غلطی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ انبیا کے اصول طریقہ تعلیم کو ملحوظ نہین رکھتے، علم کلام کی متداول کتابون مین اس ضروری نکتہ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے لیکن امام رازی نے مطالب عالیہ مین۔ ابن رشد نے کشف الادلہ مین اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین تفصیل کے ساتھ یہ اصول بیان کیے ہین ان مین سے ضروری الذکر یہ ہین

انبیا کی تعلیم کے اصول

پہلا اصول

(۱) انبیا کو اگرچہ عوام وخواص دونون کی ہدایت مقصود ہوتی ہے لیکن چونکہ عوام کے مقابلہ مین خواص کی تعداد اقل قلیل ہوتی ہے اس لئے ان کی طرز تعلیم اور طریقہ ہدایت مین عوام کا پہلو زیادہ ملحوظ ہوتا ہے۔ البتہ ہر جگہ ضمن مین ایسے الفاظ موجود ہوتے ہین جن سے اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جس کے مخاطب خواص ہوتے ہین

امام رازی نے آیات متشابہات کے ورود کے متعلق سب سے قوی وجہ یہ بیان کی ہے کہ۔

اِنَّ الْقُرْاٰنَ کِتَابٌ مُشْتَمِلٌ عَلٰی دَعْوَۃِ الْخَوَاصِّ وَالْعَوَامِ بِالْکُلِّیَّۃِ وَطَبَائِعُ الْعَوَامِ تَنْبُوْ فِیْ اَکْثَرِ الْاَمْرِ عَنْ اِدْرَاکِ الْحَقَائِقِ۔	قرآن ایسی کتاب ہے جس سے خاص وعام سب کو حق کیطرف دعوت دی گئی ہے اور عوام کا یہ حال ہے کہ انکی طبیعت اکثر امور مین حقائق کے ادراک سے انکار کرتی ہے
فَکَانَ الْاَصْلَحُ اَنْ یُّخَاطَبُوْا بِاَلْفَاظٍ دَالَّۃٍ عَلٰی بَعْضِ مَا یُنَاسِبُ مَا یَتَوَھَّمُوْنَہٗ وَیَتَخَیَّلُوْنَہٗ وَیَکُوْنُ ذٰلِکَ مَخْلُوْطًا بِمَا یَدُلُّ عَلَی الْحَقِّ الصَّرِیْحِ	اس لئے مصلحت یہ تھی کہ ایسے الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جائے جو عوام کے خیالات اور تصورات کے ساتھ کچھ مناسبت رکھتے ہوں اور اسکے ساتھ حقیقت واقعی بھی مخلوط ہو

(تفسیر کبیر آل عمران آیت ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ)

ابن رشد فصل المقال مین لکھتے ہین

وَکَانَ الشَّرْعُ مَقْصُوْدُہُ الْاَوَّلُ الْعِنَایَۃُ بِالْاَکْثَرِ مِنْ غَیْرِ اِغْفَالٍ لِتَنْبِیْہِ الْخَوَاصِّ	شریعت کا مقصود اولی جمہور عوام کے ساتھ اعتنا کرنا تاہم خواص کی تنبیہ سے بھی چشم پوشی نہین کی جاتی۔

دوسرا اصول

(۲) انبیا۔ لوگون کی عقل وعلم کے لحاظ سے اُن سے خطاب کرتے ہین لیکن اس علم وعقل کے لحاظ سے جو اکثر افراد انسانی مین پائی جاتی ہے۔ اکتساب مجاہدہ مراقبہ ممارست کیوجہ سے جو علم وعقل پیدا ہوتی ہے وہ انبیا کے خطاب کا موضوع نہین

وَمِنْ سِیَرِھِمْ اَنْ لَّا یُکَلِّمُوا النَّاسَ اِلَّا عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمُ الَّتِیْ خُلِقُوْا عَلَیْھَا	اور انبیا کے اصول مین سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگون سے انکی خلقی عقل کے موافق خطاب کرتے ہین

فالانبیاء لم یخاطبوا الناس الا علی منهاج ادراکهم الساذج المودع فیهم باصل الخلقة فلذلک لم یکلفوا الناس ان یعرفوا ربهم بالتجلیات والمشاهدات ولا بالبراهین والقیاسات ولا ان یعرفوه منزهاً من جمیع الجهات (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۸۸)

اس لئے انبیا نے محض اُس فہم اور ادراک کے لحاظ سے خطاب کیا، جو ان لوگون کی خلقت مین ودیعت ہے چنانچہ انبیا نے لوگون کو یہ تکلیف نہین دی کہ وہ خدا کو تجلیات مشاہدات۔ براہین۔ اور قیاسات کے ذریعہ سے پہچانین نہ انکو اس بات پر مکلف کیا کہ وہ خدا کو ہر جہت اور ہر حیثیت سے منزہ خیال کرین،

تیسرا اصول

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ **انبیا** تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کے سوا اور قسم کے مسائل اور مباحث اور حقائق سے متعرض نہین ہوتے، اور اس قسم کے امور کے متعلق کچھ بیان کرتے ہین تو انھی کی روایات اور خیالات کے مطابق، اور اسمین بھی استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہین۔

ومن سیرتهم ان لا یشتغلوا بما لا یتعلق بتهذیب النفس وسیاسة الامة کبیان اسباب حوادث الجو من المطر والکسوف والهالة وعجائب النبات والحیوان ومقادیر سیر الشمس والقمر واسباب الحوادث الیومیة وقصص الانبیاء والملوک والبلدان ونحوها الا کلمات یسیرة الفها اسماعهم وقبلها

اور انبیا کے اصول مین سے ایک یہ بات ہے کہ جو امور تہذیب نفس، اور سیاست قومی سے تعلق نہین رکھتے انمین وہ دخل نہین دیتے مثلاً کائنات الجو یعنی بارش۔ گرہن۔ ہالہ کے پیدا ہونے کے اسباب۔ نباتات اور حیوانات کے عجائبات چاند سورج کی رفتار کی مقدار حوادث یومیہ کے اسباب۔ انبیا سلاطین اور ممالک کے قصص وغیرہ وغیرہ ان چیزون سے وہ بحث نہین کرتے ہان کچھ چند معمولی

فَفَوْ لِهِمْ يُوْتیٰ بِهَا فِی التَّذْکِیْرِ بِاٰلَاءِ اللّٰهِ وَالتَّذْکِیْرِ بِاَیَّامِ اللّٰهِ عَلیٰ سَبِیْلِ الْاِسْتِطْرَادِ بِکَلَامٍ اِجْمَالِیٍّ یُسَامَحُ فِیْ مِثْلِهٖ بِاِیْرَادِ الْاِسْتِعَارَاتِ وَالْمَجَازَاتِ وَلِهٰذَا الْاَصْلِ لَمَّا سَئَلُوْا النَّبِیَّ ﷺ عَنْ لِمِّیَّةِ نُقْصَانِ الْقَمَرِ وَزِیَادَتِهٖ اَعْرَضَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْ ذٰلِکَ اِلیٰ بَیَانِ فَوَائِدِ الشُّهُوْرِ فَقَالَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَتَرٰی کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَسَدَ ذَوْقُهُمْ بِسَبَبِ الْاُنْسِ بِهٰذِهِ الْفُنُوْنِ اَوْ غَیْرِهَا مِنَ الْاَسْبَابِ فَحَمَلُوْا کَلَامَ الرُّسُلِ عَلیٰ غَیْرِ مَحْمَلِهٖ (حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۸۸)

باتین جن سے لوگون کے کان مانوس ہو چکے ہین اور اُنکی عقلون نے ان باتون کو قبول کر لیا ہی، اور ان باتونکو بھی وہ لوگ خدا کی شان اور قدرت کے ذکر مین ضمنی طور پر اجمالا بیان کرتے ہین اور اسمین مجاز اور استعارہ سے کام لیتے ہین، اور اسی اصول کی بنا پر جب لوگون نے آنحضرت سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب پوچھا تو خدا نے اُسکے جواب سے اعراض کیا اور اُسکے بجاے مہینونکا فائدہ بیان کر دیا چنانچہ فرمایا ویسئلونک الخ۔ اور اکثر لوگون کا مذاق، ان فنون (یعنی ریاضیات وغیرہ) کے اشتغال کی وجہ سے خراب ہو گیا ہی تو یہ لوگ انبیا کے کلام کو خلاف حقیقت محل پر محمول کرتے ہین۔

چوتھا اصول

(۴) ایک عام اصول جس پر تمام انبیا کا عمل رہا یہ ہے کہ وہ جس قوم مین مبعوث ہوتے ہین اسکے اکل وشرب، لباس، مکان، سامان آرایش۔ طریقہ نکاح زوجین کے عادات بیع وشرا، معاصی پر دار وگیر، فصل قضایا، غرض اس قسم کے تمام امور پر نظر ڈالتے ہین اگرچہ یہ چیزین ویسی ہی ہین جیسا انکو ہونا چاہیے تو پھر کسی قسم کا تبدل وتغیر نہین کرتے بلکہ ترغیب دلاتے ہین کہ یہ رسوم وآئین صحیح اور واجب العمل اور مبنی علی المصالح ہین، البتہ اگر ان مین کچھ نقص ہوتا ہے مثلاً وہ آزار رسانی کا ذریعہ ہون۔ یا لذات دنیوی مین انہماک کا باعث ہون

یا اصول جہان کے مخالف ہون۔ یا انسان کو دنیاوی اور دینی مصالح سے بے پروا کر دینے والی ہون تو انکو بدل دیتے ہین وہ بھی اس طرح نہین کہ سرے سے انقلاب کر دین، بلکہ اس قسم کی تبدیلی کرتے ہین جس کے مشابہ کوئی چیز قوم مین پہلے سے موجود ہوتی ہے یا ان لوگوں کے حالات مین اُسکی مثالین پائی جاتی ہین۔ جنکو قوم، اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کرتی آتی ہے"

شاہ ولی اللہ صاحب یہ اصول نہایت تفصیل سے بیان کر کے لکھتے ہین،[1]

وَلِهٰذَا الْمَعْنیٰ اِخْتَلَفَ شَرَائِعُ الْاَنْبِیَاءِ وَالرَّاسِخُ فِی الْعِلْمِ یَعْلَمُ اَنَّ الشَّرْعَ لَمْ یَجِیْٔ فِی النِّکَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْمُعَامَلَاتِ وَالزِّیْنَةِ وَاللِّبَاسِ وَالْقَضَاءِ وَالْحُدُوْدِ وَالْغَنِیْمَةِ بِمَا لَمْ یَکُنْ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ اَوْ یَتَرَدَّدُوْنَ فِیْهِ اِذَا کُلِّفُوْا نَعَمْ اِنَّمَا وَقَعَ اِقَامَةُ الْمُعْوَجِّ وَتَصْحِیْحُ السَّقِیْمِ

اور اسی وجہ سے انبیا کی شریعتین مختلف ہین۔ اور جو لوگ علم مین پختہ کار ہین وہ جانتے ہین کہ شریعت نے نکاح۔ طلاق۔ معاملات۔ آرائش۔ لباس۔ قضا۔ تعزیرات۔ غنیمت۔ مین کوئی ایسی بات نہین پیش کی جسکو وہ لوگ سرے سے نہ جانتے ہون یا ایسی جسکے قبول کرنے مین انکو پس و پیش ہو، ہان یہ ضرور ہوا کہ جو کجی تھی، سیدھی کر دی گئی اور جو خرابی تھی رفع کر دی گئی

پانچوان اصول

(۵) **انبیا پر جو شریعت نازل ہوتی ہے** اُسکے دو حصے ہوتے ہین ایک وہ عقائد و مسائل جو مذہب کے اصول کلیہ ہوتے ہین، اس حصہ مین تمام شریعتین متحد ہوتی ہین۔ مثلاً خدا کا وجود۔ توحید۔ ثواب۔ عقاب۔ عبادت۔ شعائر اللہ کی تعظیم۔ نکاح۔ وراثت وغیرہ وغیرہ دوسرے وہ احکام اور سنن، جو خاص خاص انبیا کے ساتھ مخصوص ہوتے ہین اور جنکی بنا پر

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰

کہا جاتا ہے کہ شریعت موسوی مثلاً شریعت عیسوی سے مختلف ہے، شریعت کا یہ حصہ خاص خاص قوموں یا ملکوں کے مصالح اور فوائد پر مبنی ہوتا ہے اور اُسکی بنیاد زیادہ تر ان خیالات، عقائد، عادات، معاملات، رسوم، طریق معاشرت، اور اصول تمدن پر ہوتی ہے جو پہلے سے اُس قوم مین موجود تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین

فَلِذَالِکَ یُعْتَبَرُ فِی الشَّرَائِعِ عُلُوْمٌ مَخْزُوْنَةٌ فِی الْقَوْمِ وَاعْتِقَادَاتٌ کَامِنَةٌ فِیْهِمْ وَعَادَاتٌ تَجَارِیْ فِیْهِمْ وَلِذَالِکَ نَزَلَ تَحْرِیْمُ لُحُوْمِ الْاِبِلِ وَاَلْبَانِهَا عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ دُوْنَ بَنِیْ اِسْمٰعِیْلَ وَلِذَالِکَ کَانَ الطَّیِّبُ وَالْخَبِیْثُ فِی الْمَطَاعِمِ مُفَوَّضًا اِلٰی عَادَاتِ الْعَرَبِ وَلِذَالِکَ حُرِّمَتْ بَنَاتُ الْاُخْتِ عَلَیْنَا دُوْنَ الْیَهُوْدِ۔	اسی طرح شریعت مین اُن علوم اور اعتقادات وعادات کا لحاظ کیا جاتا ہے جو قوم مین مخزون اور جاری وساری ہوتے ہین یہی وجہ تھی کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل پر حرام ہوا اور بنی اسمعیل پر حرام نہ ہوا، اور یہی وجہ ہے کہ کھانے مین پاک اور نجس کی تفریق، عرب کے مذاق پر محول کی گئی، اور یہی وجہ ہے کہ بھانجی سے شادی کرنا ہمارے مذہب مین حرام ہے، اور یہود کے یہان نہین۔

شاہ صاحب نے اس موقع پر اس اصول کی اور بہت سی تفریعات بیان کی ہین ہم نے تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کر دین۔

اسی بحث مین آگے چلکر لکھتے ہین

وَاعْلَمْ اَنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْعَادَاتِ وَالْعُلُوْمِ الْکَامِنَةِ یَتَّفِقُ فِیْهَا الْعَرَبُ وَالْعَجَمُ	جاننا چاہیے بہت سے مراسم اور علوم ایسے ہین جن مین تمام عرب وعجم، اور تمام معتدل ممالک کے رہنے والے اور

ل حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۲

وَجَمِيعُ سُكَّانِ الْاَقَالِيمِ الْمُعْتَدِلَةِ وَاَهْلِ الْاَمْزِجَةِ الْقَابِلَةِ لِلْاَخْلَاقِ الْفَاضِلَةِ كَالْحُزْنِ لِمَيِّتِهِمْ وَاسْتِحْبَابِ الرِّقَّةِ بِهِ وَكَالْفَخْرِ بِالْاَحْسَابِ وَالْاَنْسَابِ فَتِلْكَ الْعَادَاتُ وَالْعُلُومُ اَحَقُّ الْاَشْيَاءِ بِالْاِعْتِبَارِ ثُمَّ بَعْدَهَا عَادَاتٌ وَعَقَائِدُ تَخْتَصُّ بِالْمَبْعُوثِ عَلَيْهِمْ فَتُعْتَبَرُ تِلْكَ اَيْضًا

تمام وہ لوگ جن مین اخلاق فاضلہ کے قبول کرنیکی صلاحیت ہے سب متفق ہوے ہین مثلاً مردہ کا غم کرنا اور اوسپر رحم کھانا۔ یا مثلاً حسب ونسب پر فخر کرنا۔ تو یہ مراسم اور یہ اصول سب سے زیادہ لحاظ کے قابل ہین۔ انکے بعد وہ مراسم ہین جو خاص اسی قوم مین جاری ہین جنپر وہ پیغمبر مبعوث ہوا ہو تو ان مراسم کا بھی لحاظ کیا جاتا ہو۔

(۶) کسی چیز سے روکنے یا کسی چیز کے حکم دینے کے دو طریقے ہین ایک یہ کہ اُس چیز کے فوائد و نقصان بیان کیے جائین اور یہ بتایا جائے کہ وہ شے مقصود بالذات نہین ہی بلکہ امر و نہی کا اصلی سبب اسکا مفید یا مضر ہونا ہی دوسرا طریقہ یہ ہو کہ یہ کہا جائے کہ خود وہ شے بالذات موجب ثواب یا عقاب ہو جیسا کہ بعض دعاؤن کی نسبت لوگون کا خیال ہو کہ اگر اُسکے الفاظ ادل بدل ہوجائین تو دعا مین وہ تاثیر نہ رہیگی۔

پہلا طریقہ اگرچہ بظاہر حکیمانہ اور اصول عقل کے زیادہ موافق ہو لیکن یہ طریقہ عام نہین ہوسکتا۔ اگر امر و نہی کا مدار اسپر رکھا جائی تو ایک ایک عامی کو اوامر و نواہی کے دقائق اور باریکیان سمجھانی پڑینگی اور یہ بالکل ناممکن ہی اسکے علاوہ کسی کام کے کرنے کیلئے عام طبائع پر جسقدر اس بات کا اثر پڑتا ہی کہ خدا نے اسکام کا حکم دیا ہے اور خدا اسکی تعمیل سے خوش ہوتا ہی اسقدر اس بات کا اثر نہین پڑ سکتا کہ وہ چیز فی نفسہ اچھی ہو فرض کرو اگر تعزیرات ہند کی بجائے اخلاقی کتابین جاری کیجائین جنمین یہ لکھا ہو کہ چوری۔ ڈکیتی۔ رہزنی۔ بُری باتین ہین اسلئے انسے بچنا چاہئے۔ تو کیا یہ اخلاقی کتابین جرائم کے گھٹانے مین وہ کام دینگی جو تعزیرات ہند

دے رہی ہے؟ اس بنا پر انبیا افعال کی ترغیب و ترہیب کے لئے زیادہ تر یہی دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہین یعنی بجاے اسکے کہ اوامر اور نواہی کے وجوہ اور اسباب بتائین۔ وہ ان افعال کو بالذات موجب ثواب وعقاب بتاتے ہین۔ اور ثواب وعقاب کو صرف خدا کی خوشنودی اور ناراضی پر محمول کرتے ہین۔ وہ نماز۔ روزہ۔ زکوۃ کے حکم دیتے ہین عام لوگون سے یہ نہین کہتے کہ ان ارکان کے ادا کرنے مین یہ یہ فائدے ہین بلکہ صرف یہ کہتے ہین کہ ان چیزون سے خدا خوش ہوتا ہے اور انکے نہ ادا کرنے سے وہ ناراض ہوتا ہے اور درحقیقت عوام کو کسی چیز کیطرف راغب کرنیکا صرف یہی عمدہ تر طریقہ ہے[ل]

ل یہ اصول۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی اس تقریر سے ماخوذ ہے جو انھون نے حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۹۵ مین لکھی ہے لیکن شاہ صاحب اس اصول کو فلاسفہ اسلام کیطرف منسوب کرتے ہین چنانچہ لکھتے ہین و ذھب طائفۃ من فلاسفۃ الاسلام الی ان العذاب والثواب انما یکونان علی نفس الصفات والاخلاق المتشبثۃ بذیل الروح وانما ذکر توابعها واشباحها فی الشرائع تفہیما وتقریبا للمعانی الدقیقۃ الی اذھان الناس شاہ صاحب کی ذاتی رائے یہ ہے کہ جب کوئی شے شریعت مین مامور بہ یا منہی عنہ ہوتی ہے تو بالذات اس پر ثواب وعقاب مرتب ہو جاتا ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے آگے چلکر جہان اس پر بحث کی ہے کہ جو شریعت تمام شریعتون کی ناسخ ہوتی ہے اسکے اصول کیا ہوتے ہین، وہان اس اصول کو خود، شریعت ناسخہ کے اصول مین شمار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہین

ومنها ان یکلف الناس باتباع البر ولا یترک لھم ذالک الزاما عظیما ولا یدع لھم بابا واحدا الا ترخیص ولا یخیرھم فی شی من الشرائع ویجعل علم الشرائع الذی ماخذ الاحکام التفصیلیۃ علما مکنونا وذلک لان اکثر المکلفین لا یعرفون المصالح ولا یستطیعون معرفتها الا اذا ضبطت بالضوابط وصارت محسوسۃ یتعاطاها کل متعاط فلو رخص لھم فی ترک شی منها او بین ان المقصود الاصلی غیر تلک الاشباح لتوسع لھم مذاھب الخوض ولاختلفوا اختلافا فاحشا

اور ان اصول مین سے ایک یہ ہے کہ پیغمبر لوگون کو نیکی وبدی کی خبر کی صورتون کا مکلف کرے، اور انکو سخت تاکید کرے، اور ان اعمال کی رخصت کا اثر بہت کم اظہار کرے۔ اور انکو احکام شریعت مین سے کسی حکم کی نسبت انکو کرنے نکرنے کا مختار نہ بنائے۔ اور اسرار شریعت کے علم کو جو احکام تفصیلی کا ماخذ ہے ایک راز مخفی قرار دے۔ اور یہ اسلئے کہ اکثر لوگ مصالح سے واقف نہین اور اسکو سمجھ نہین سکتے جبتک کہ ایسے قاعدے نہ بنائے جائین جو محسوس صورتین بن جائین اور جسکو ہر شخص سمجھ لے اسلئے اگر انکو کسی شے کے چھوڑنیکی اجازت دیجائیگی یا انسے کہا جائیگا کہ اعمال مقصود اصلی نہین ہین۔ تو انکو بڑی وسعت ہو جائیگی اور انمین سخت اختلاف پیدا ہو جائیگا

مذکورہ بالا اصول، تمام انبیا مین مشترک ہوتے لیکن جس نبی کی رسالت عام ہوتی ہے اور تمام عالم کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوتا ہے، اُسکی ہدایت اور تلقین مین بعض زائد خصوصیتین ہوتی ہین جو اور انبیا مین نہین پائی جاتین،

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ پیغمبر جس قوم مین مبعوث ہوتا ہے، اُس کی شریعت مین اُس قوم کے عادات اور خصوصیات کا خاص طریقہ پر لحاظ ہوتا ہے لیکن جو پیغمبر تمام عالم کے لیے مبعوث ہوا اُسکے طریقہ تعلیم مین یہ اصول چل نہین سکتا، کیونکہ نہ وہ تمام دنیا کی قومونکے لیے الگ الگ شریعتین بنا سکتا ہے نہ تمام قومونکی عادات اور خصوصیتین باہم متفق ہوسکتین ہین۔ اسلئے وہ پہلے اپنی قوم کی تعلیم و تلقین شروع کرتا ہے اور اُن کو محاسن اخلاق کا نمونہ بناتا ہے، یہ قوم اُس کے اعضا اور جوارح کا کام دیتی ہے اور اُسی کے نمونہ پر وہ اپنی تلقین کا دائرہ وسیع کرتا جاتا ہے، اُس کی شریعت مین اگرچہ زیادہ تر وہ قواعد کلیہ اور اصول عام ہوتے ہین جو قریبًا تمام دنیا کی قومون مین مشترک ہوتے ہین تاہم خاص اس کی قوم کی عادات اور خصوصیات کا لحاظ زیادہ ہوتا ہے لیکن جو احکام ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہین اُن کی پابندی مقصود بالذات نہین ہوتی اور نہ اپر چندان زور دیا جاتا ہے،

اس اصول کو شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین (صفحہ ۱۲۴) مین نہایت تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہین۔

وهٰذا الامام الّذی یجمع الامم علی ملّة واحدة یحتاج | یہ امام جو تمام قومون کو ایک مذہب پر لانا چاہتا ہے۔

إلى أصول أخرى غير الأصول المذكورة فيما
سبق، منها أن يدعو قوماً إلى السنة الراشدة
ويزكيهم ويصلح شأنهم ثم يتخذهم
بمنزلة جوارحه +++
وذلك لأن هذا الإمام نفسه لا يتأتى منه
مجاهدة أمم غير محصورة وإذا كان كذلك وجب
أن تكون مادة شريعته ما هو بمنزلة المذهب الطبيعي
لأهل الأقاليم الصالحة عربهم وعجمهم ثم
ما عند قومه من العلم والارتفاقات
ويراعى فيه حالهم أكثر من غيرهم ثم يحمل
الناس جميعاً على اتباع تلك الشريعة لأنه
لا سبيل إلى أن يفوض الأمر إلى كل قوم
أو إلى أئمة كل عصر إذ لا يحصل منه فائدة
التشريع أصلاً ولا إلى أن ينظر ما عند كل قوم
ويمارس كلاً منهم فيجعل لكل شريعة +++
فلا أحسن ولا أيسر من أن يعتبر في الشعائر
والحدود والارتفاقات عادة

اس کو اور چند اصول کی جو اصول مذکورۂ بالا کے علاوہ
مین حاجت پڑتی ہو انہین سی ایک یہ ہی کہ وہ ایک قوم کو راہ راست
پر بلاتا ہی اسکی اصلاح کرتا ہی، اسکو پاک بنا دیتا ہی،
پھر اسکو اپنا دست و بازو قرار دیتا ہی
یہ اسلئے کہ یہ تو ہو نہین سکتا کہ یہ امام تمام دنیا کی قومون
کی اصلاح مین جان کھپائے اسلئے ضرور ہوا کہ اسکی شریعت
کی اصلی بنیاد تو وہ ہو جو تمام عرب و عجم کا فطری مذہب ہو،
اُسکے ساتھ خاص اسکی قوم کے عادات اور مسلمات
کے اصول بھی لئے جائین اور انکے حالات کا لحاظ
بہ نسبت اور قومون کے زیادہ تر کیا جائے، پھر تمام لوگون
کو اس شریعت کی پیروی کی تکلیف دیجائی کیونکہ یہ تو ہو
نہین سکتا کہ ہر قوم یا ہر پیشوائے قوم کو اجازت دیدی
جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنالین ورنہ تشریع محض
بیفائدہ ہوگی، نہ یہ ہو سکتا کہ ہر قوم کی عادات و خصوصیات
کا تجسس کیا جائے اور ہر ایک کیلئے الگ الگ شریعت بنائی
جائے اس بنا پر اس سی بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہین کہ
شعار، تعزیرات، اور انتظامات مین خاص اس قوم کی عادات کا

قومه المبعوث فيهم ولا يضيق على الآخرين الذين يأتون بعده — لحاظ کیا جاتا جن مین وہ امام پیدا ہوا ہو۔ اسکے بعد آنیوالی نسلون پر ان احکام کے متعلق چندان سختگیری کیجائے

اس اصول سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ شریعت اسلامی مین چوری۔ زنا قتل۔ وغیرہ کی جو سزائین مقرر کی گئی ہین ان مین کہان تک عرب کی رسم و رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ ان سزاؤن کا بعینہٖ اور بخصوصہا پابند رہنا کہان تک ضروری ہے۔

خرق عادات

بیانات مذکورۂ بالا سے اگرچہ ثابت ہوچکا کہ نبوت خرق عادت پر موقوف نہین، اور اس لحاظ سے ہم کو اس مسئلہ کے متعلق کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن خرق عادت تمام مذاہب کا ایک ضروری عنصر ہے اور اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ اسلام مین بھی کچھ نہ کچھ اسکی جھلک موجود ہے اس لئے اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہے قرآن مجید مین اس قسم کے جو واقعات منقول ہین فرقہ جدیدہ ان کی عموماً تاویل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن مجید مین اس قسم کا ایک واقعہ بھی مذکور نہین لیکن انصاف یہ ہے کہ قرآن مجید بلکہ تمام آسمانی کتابون مین اس قسم کے واقعات کے مذکور ہونے سے انکار نہین ہوسکتا نے شبہہ اشاعرہ کی افراط پسندیون نے وہم پرستی کے درجہ تک پہونچ گئی ہے لیکن انکار محض کرنا بھی کچھ کم ہٹ دھرمی نہین ہے۔ ہمارے زمانہ کے لوگون نے جو تاویلین کی ہین، ہم اس سے بخوبی واقف ہین اس نے شبہہ یہ تاویلین نئی تعلیم یافتہ لوگون کے لئے

کافی ہین جو بیچارے عربی زبان اور اُس کے طرز و اسلوب سے ناآشنا ہین، مگر ماہر عربیت کے سامنے یہ تلمیع کیا کام دے سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید فرقہ، چونکہ وہ قدیم مسلمانون کا طرف مقابل ہے اس لیے ضرور تھا کہ وہ اعتدال سے متجاوز ہوجائے، ایک طرف جب یہ افراط ہی کہ کہ ہر قسم کے ناممکن اور محال واقعات، ہرکس وناکس سے سرزد ہوسکتے ہین، اور کرامۃ الاولیاء حق کے دائرہ کی وسعت کی کوئی حد نہین قرار پائی۔ تو اس کے مقابلہ مین یہ تفریط کچھ تعجب انگیز نہین کہ کوئی واقعہ جو بظاہر خلاف ہو ہرگز وقوع مین نہین آسکتا لیکن ہم کو، افراط و تفریط سے الگ ہو کر، خود حقیقت حال پر غور کرنا چاہیئے

خرق عادت کے منکرین کا استدلال اور اس پر بحث

خرق عادت کے منکرین، کا تمامتر استدلال یہ ہے کہ خرق عادت قانون فطرت کے خلاف ہی اور جو چیز قانون فطرت کے خلاف ہے وہ ممتنع ہی اس دلیل کے دوسرے مقدمہ کی کسی شخص کو انکار نہین ہو سکتا لیکن پہلے مقدمہ کے ثابت ہونے کا کیا طریقہ ہی، کیا فطرت کے تمام قوانین منضبط ہو چکے ہین؟ کیا اسپر اطمینان ہوچکا ہے کہ ہم جن امور کو قانون فطرت سمجھ رہے ہین وہ درحقیقت قانون فطرت ہین؟ علوم جدیدہ کی تحقیقات اور تجربہ نے سیکڑون ایسے قانون فطرت دریافت کیے جو پہلے مطلق معلوم نہ تھے۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم ہی، سیکڑون ہزارون برس سے فقرا، اور جوگیون کے متعلق یہ واقعات منقول چلے آتے تھے کہ وہ محض توجہ قلب سے دوسرے شخص کو مدہوش اور متاثر کرسکتے ہین، موجودہ زمانہ اس بناپر انکار کر رہا تھا کہ یہ خلاف قانون فطرت ہے کہ ایک مادّہ بغیر اس کے کہ

دوسرا مادہ اس سے ملاقی ہو کسی قسم کا اثر قبول کر سکے لیکن جب مسمریزم کے تجربون نے قوت نفسانی کا اثر ثابت کیا تو تمام پچھلے واقعات تسلیم کرنے پڑے۔ آج ایک مسمریزم کا مشاق علی رؤس الاشہاد دوسرے اشخاص کو محض قوت نظر یا قوت نفس سے بیہوش کر سکتا ہے اس سے جو بات چاہے کہلوا سکتا ہے۔ جو کام چاہے کرا سکتا ہے

قدیم عربی کتابون مین مذکور ہے کہ مصر مین ایک مچھلی ہوتی ہے جس کے چھونے سے جسم پر رعشہ طاری ہونا شروع ہوتا ہے یہان تک اگر آدمی اس کو ہاتھ سے پھینک نہ دے تو رعشہ کی شدت سے بیہوش ہو کر گر جاتا ہے۔ یہ واقعہ ایک مدت تک خلاف عقل قرار دیا گیا لیکن موجودہ تحقیقات نے اس مچھلی کا وجود ثابت کیا اور معلوم ہوا کہ اسمین الکٹرسٹی ہوتی ہے۔

خود یورپ کے محققین اس بات کو تسلیم کرتے جاتے ہین کہ جسقدر تحقیقات بڑھتی جاتی ہے ناممکن چیزین ممکن ثابت ہوتی جاتی ہین۔

خرق عادت کے متعلق یورپ کے علما کی رائے

فرانس کا مشہور فاضل کیمل فلامرایان جو فزیکل سائنس کا استاد مانا جاتا ہے اپنی کتاب اسٹیریو کیونیزم مین لکھتا ہے "انسان کی فطری عادت ہے کہ جو چیز بظاہر مشکوک ہوتی ہے یا جس کو وہ نہین جانتا اور سمجھ نہین سکتا اس کے وجود سے انکار کرتا ہے ہیرو ڈوٹس[1] یا پلینی کی تحریرون مین اگر ہم یہ پڑھتے کہ ایک عورت کی ران مین چھاتی تھی اور اس سے وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی تو ہم کو بے اختیار ہنسی آتی اور ہم استہزا کرتے لیکن

---

[1] یونان کا مشہور مورخ ہے

پیرس کے علمی کانفرنس منعقدہ ۲۵ جون ۱۸۹۲ء میں یہ واقعہ براے العین مشاہدہ کیا گیا"

"اسی طرح اگر کوئی ہم سے یہ کہتا کہ ایک شخص مرگیا اور جب اس کی تشریح کی گئی تو اسکے پیٹ میں ایک بچہ پایا گیا جو اس شخص کا توام تھا اور اس کے جسم میں پرورش پاتا رہا تھا۔ تو ہم اس واقعہ کو محض خرافات سمجھتے لیکن چند روز ہوئے ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بچہ چھبیس برس تک بدن ہی میں پرورش پاتا رہا اور پھر ظاہر ہوا ہیروڈوٹس کے ایک مترجم نے لکھا ہے کہ لوگوں کا یہ بیان کہ سکندریکی بیوی روکسان نے ایک ایسا بچہ دیا تھا جس کے سر نہ تھا خلاف عقل سمجھا جاتا تھا، لیکن آج تمام طبی ڈکشنریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ بہت سے بچے بغیر سر کے پیدا ہوتے ہیں"

"اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہیں کہ ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہئے کیونکہ جو لوگ بغیر بصیرت کے انکار کر دیا کرتے ہیں وہ جاہل اور کودن ہیں"[1]

چونکہ ہمارے ملک میں عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ یورپ عام طور پر خرق عادات کا منکر ہے اور اسی بنا پر جدید تعلیم کا ایک ایک بچہ ہر قسم کے ایسے واقعہ پر جو محسوسات عام کے خلاف ہو، استہزا اور انکار کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے، اسلئے ہم چاہتے ہیں کہ خرق عادات کے متعلق یورپ کے مشہور اور مستند حکما و فضلا کے اقوال اور آرا اس موقع پر نقل کریں،

---

[1] کامل فلامریان کی کتاب صفحہ ۲۴۶

دنیا مین خرق عادات سے ہمیشہ اس فرقہ کو انکار رہا ہے جو طبعی اور مادہ پرست ہوتا ہے یعنی وہ لوگ جن کی تحقیقات اجسام اور خواص اجسام پر محدود ہوتی ہی یورپ کی بھی یہ حال ہے ایک مدت تک یہی حالت رہی، پھر ایک فرقہ پیدا ہوا جسنے روح اور روح کے

اسپرچوئیلزم

اثرون کی تحقیقات پر توجہ کی، ان لوگون نے بہت سے تجربون کے بعد یہ دعوی کیا کہ روح جسم سے جدا گانہ ایک چیز ہے اور اسکے قوی اور ادراکات بالکل الگ ہین، روح سیکڑون کوس سے بغیر حواس کی وساطت کے ایک چیز کو دیکھ سکتی اور سُن سکتی ہے، روح واقعات آیندہ کا ادراک کرسکتی ہے، روح کوسون تک اپنا اثر پہونچا سکتی ہے۔ غرض روح کے ذریعہ سے بہت سے ایسے افعال سرزد ہو سکتے ہین جن کو خرق عادت کہا جاتا ہی

اس فرقہ نے اپنے دعوی کو اس بلند آہنگی سے ظاہر کیا کہ لوگون کو اسکی تحقیقات کی طرف متوجہ ہونا پڑا ۱۸۶۹ء مین بمقام لندن ایک بہت بڑی مجلس ان امور کی تحقیقات کے لئے منعقد ہوئی اس مجلس کے ارکان یہ تھے

سر جان لبک ممبر پارلیمنٹ — صدر انجمن

پروفیسر ہکسلی جو طبعیات کا سب سے بڑا عالم تھا — وکیل

لوئیس - فزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم — 〃

الفرد ویلز - جو ڈارون کا ہمعصر اور مسئلہ ارتقا مین برابر کا شریک تھا — ممبر

مارگن مجلس علوم ریاضیہ کا صدر انجمن — 〃

جان کوکس — 〃

ان کے سوا اور بہت سے فضلا شریک مجلس تھے، اٹھارہ مہینے تک مجلس برابر تحقیقات کرتی رہی، اخیر مین مجلس نے جو رپورٹ مرتب کی اُسکے بعض فقرے یہ ہین۔

"مجلس نے اپنی راے کا مدار صرف ان تجربون پر رکھا جو مجلس نے برای العین مشاہدہ کئے اور جن مین کسی قسم کا شک وشبہ نہین ہوسکتا تھا مجلس مین چار شخص ایسے ممبر تھے جو شروع مین اس قسم کے واقعات کے سخت منکر تھے، اور سمجھتے تھے کہ یا تو ان واقعات مین فریب اور شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے یا خود انسان کی عصبی نظام کا اثر ہے لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجربون کے بعد اُن کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ خرق عادات حقیقی اور اور واقعی ہین"

اس کے بعد انگلستان اور امریکا مین اس کی تحقیقات کے لئے ایک مجلس قائم ہوئی جس کے صدر انجمن ہیزلوب اور ہوڈسن تھے، یہ مجلس قریباً بارہ برس تک تحقیقات مین مصروف رہی اور بالآخر ۱۸۹۹ء مین اسنے اپنی تحقیقات ختم کی اور ان واقعات کی صحت کا اعتراف کیا، ہیزلوب نے جو راے لکھی اسکے بعض فقرے یہ ہین

"مجکو امید ہے کہ مین برسون کے بعد تمام دنیا کے سامنے دلائل قطعیہ سے یہ ثابت کردونگا کہ اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ مین نے خود اپنی آنکھون سے وہ وہ خرق عادات دیکھے جنکی نسبت کسی طرح شعبدہ اور فریب کا احتمال نہین ہوسکتا"

ہوڈسن کی رپورٹ کے بعض جملے یہ ہین

"دنیا کو بہت جلد عظیم الشان جدید اطلاعین، حاصل ہونے والی ہین، مجکو امید ہے کہ

دو ہی ایک برس مین یہ مین دنیا کے لئے، انسانی زندگی کے قوانین فطرت کی نئی تفسیر پیش کرونگا - اگر پروفیسر ہیزلوب نے یہ دعوی کیا ہے کہ اُسنے مُردون کی روحون سے باتین کین تو اسنے بالکل سچ دعوی کیا ہے "

ایک اخبار کے نامہ نگار نے ہوڈسن سے اس مسئلہ کے متعلق گفتگو کی تو اُسنے یہ الفاظ کہے "مین نے اور پروفیسر ہیزلوب نے ایک ساتھ تحقیقات شروع کی ہم دونون دہریے تھے، اور کسی شئے پر یقین نہین رکھتے تھے تحقیقات سے ہماری غرض یہ تھی کہ مدعیان روحانیت جو شعبدہ بازیان کرتے ہین - ان کی پردہ دری کر دی جائے لیکن آج مین اس بات کا قائل ہون کہ مُردون سے بات چیت ہوسکتی ہے اور اُس کے متعلق اتنے دلائل ظاہر ہوچکے کہ اب مطلق شبہ کی گنجائش نہین رہی "

پروفیسر کوکس - جو امپیریل سائنٹیفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے اُسنے مجمع عام مین کہا کہ "مین صرف یہی نہین کہتا کہ یہ ممکن ہے بلکہ مین کہتا ہون کہ وہ بالکل حقیقت واقعی ہے " پروفیسر کوکس نے خاص اسپریچویلزم پر ایک کتاب لکھی جو نہایت کثرت سے بار بار چھپ چکی ہے اسمین وہ لکھتا ہے کہ "چونکہ مجکو ان واقعات کا قطعی یقین ہوچکا ہے اس لئے یہ اخلاقی نامردی ہے کہ مین اُن کے ظاہر کرنے مین اس بنا پر ہچکچاؤن کہ نکتہ چین میری ہنسی اُڑائینگے "

مادیین مین بہت بڑا فاضل ڈاکٹر جارج سکستون ہے، وہ روح وغیرہ کا نہایت مخالف تھا اور ان امور پر سخت حملے کیا کرتا تھا، اس نے صرف اس غرض سے کہ

مدعیانِ روح کی شعبدہ بازیون کا پتہ لگائے، اسطرف توجہ کی اور پندرہ برس تک اس
تگ و دو مین رہا لیکن بالآخر اُسنے یہ الفاظ کہے

"مین نے خاص اپنے گھر مین جہان میرے احباب کے سوا، اور کوئی موجود نہ تھا،
بغیر کسی درمیانی شخص کے قطعی طور پر اس کا تجربہ کیا جن لوگون سے بات چیت ہوئی وہ
مرے ہوئے ہمارے عزیز و اقارب تھے"

بارکس نے جو مشہور جیالوجسٹ فاضل ہے ایک علمی پرچہ مین لکھا کہ "مین نے تمام
وہ کتابین جو روح کی رد مین لکھی گئی تھین پڑھین اور ان تمام لوگون سے مناظرے کئے
لیکن مین نے یہ مشاہدات خود اپنی آنکھون سے دیکھے اور دس برس تک تجربہ کرتا رہا
یہان تک کہ اب مین ان مشاہدات پر، بہ علم و درایت گفتگو کر سکتا ہون

مارگن جو علوم ریاضیہ کا پریسیڈنٹ ہے، اُسنے یہ شہادت دی کہ مین نے خود
اپنی آنکھون سے جو دیکھا اور اپنے کانون سے جو سُنا اُسنے مجکو ایسا مطمئن کر دیا ہے
کہ شک کا احتمال بھی نہین رہا"

سب سے بڑی شہادت اس باب مین **رسل ویلز** کی ہے، یہ مشہور فاضل
ڈارون کا شریک اور ہمپلہ خیال کیا جاتا ہے، ڈارون کی ایجاد مین یہ برابر کا شریک تھا
اس نے خاص اس بحث پر ایک کتاب لکھی جس کا نام عجائبات روح ہے اسمین وہ لکھتا ہے
"مین محض دہریہ تھا اور اپنے اس مذہب پر بالکل قانع تھا مجکو ذرہ بھر بھی خیال نہ تھا کہ مین
روح کا معترف ہوسکون گا، یا اس بات کا قائل ہوسکون گا کہ اس عالم مین مادہ کے

سوا اور بھی کوئی چیز کوئی اثر پیدا کر سکتی ہے "

"لیکن محسوس حیرت خیز مشاہدات نے مجکو مجبور کر دیا کہ مین ان چیزون کو حقیقی اور واقعی تسلیم کرون، اگرچہ ابھی تک مین یہ تسلیم نہین کرتا تھا کہ یہ آثار روح سے سرزد ہوتے ہین لیکن ان مشاہدات نے رفتہ رفتہ میری عقل پر اثر کرنا شروع کیا نہ بطریق استدلال وحجت بلکہ یہ مشاہدات کے پے در پے تواتر کا اثر تھا جس کا یہ نتیجہ تھا کہ روح کے اقرار کے بغیر کوئی مفر نہ تھا۔"

پروفیسر الیسٹ جو امریکا کی سائنٹفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے اسنے ایک میگزین مین لکھا کہ چند روز پہلے مجکو اس خیال سے بھی تکلیف ہوتی تھی کہ مجکو ایک ایسا واقعہ لکھنا پڑے گا لیکن اب مین دیکھتا ہون کہ اپنے اعتقاد کو اگر بد دیانتی سے چھپاتا ہون تو مین اپنی عقلی ترقی کو گھٹاتا ہون، یہ تمام سچے مشاہدات دیکھکر اب مین چپ نہین رہ سکتا ورنہ مین اخلاقی بزدلی کا مرتکب ہونگا

جرمن کا مشہور ہیئت دان زولنر بھی اسکی تحقیقات پر متوجہ ہوا، اس کے ساتھ اور چند مشہور فضلا شریک ہوے جنمین سے بعض کے یہ نام ہین

دیبر
فیشنر فزیکل سائنس کا استاد اور یونیوسٹی کا پروفیسر
ونڈٹ نہایت مشہور فاضل اور یونیورسٹی کا پروفیسر

بالآخر بہت سی تحقیقات کے بعد ان تمام فاضلون نے روح کے عجیب وغریب کرشمون کا اعتراف کیا زولنر بہت بڑا عالم تھا۔ اس کے اعتراف پر لوگون کو خیال ہوا کہ شاید اُسے

دھوکا کھایا چنانچہ چند مشہور پروفیسرون نے یہ خیال اخبار کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اسپر زولنر نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام اوراق علمیہ ہے، اسمین اسنے نہایت زور شور سے اپنے مشاہدات کا حوالہ دیا، اور اُن کے صحت پر دلائل قائم کئے

سنہ ۱۸۹۱ء مین جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی اسکے ایک جلسہ مین پروفیسر لودج نے جو بہت بڑا ریاضی دان ہے ایک لکچر دیا اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا کہ "اب وہ وقت آگیا ہے کہ مادی اور روحانی عالم مین ابتک جو حد فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے جسطرح اور بہت سی حدین ٹوٹ گئین۔ اس طریقہ سے ثابت ہو جائے گا کہ ممکنات کی کچھ انتہا نہین، اور یہ کہ جسقدر ہم جانتے ہین وہ بمقابلہ ان چیزون کے جو ہم کو معلوم نہین ہین کچھ بھی نسبت نہین رکھتین"

۲۲- جون سنہ ۱۸۹۸ء کو جو کانفرنس، منعقد ہوئی اس مین پروفیسر درو تاش نے اپنی اسپیچ مین کہا کہ "خرق عادات جو اُس وقت سے ہمنے مشاہدہ کئے اور جن کے ذکر سے ان لوگون کو طیش آجاتا ہے جو اپنے آپ کو عالم خیال کرتے ہین اور جنکی مباحث علمیہ پر گفتگو کیا کرتے ہین، اُنھی متواتر مشاہدات کے سلسلہ مین داخل ہین جو ایک مدت سے ہمارے تجربہ مین آرہے ہین اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہو گیا ہے"

سنہ ۱۸۹۳ء مین بمقام میلان ایک بہت بڑی کمیٹی منعقد ہوئی جسکے ممبر حسب ذیل تھے

الگزنڈر گزاکوف۔

جیو فانی۔ میلان کے رصد خانہ کا سکرٹری۔

کارل دو پرل جرمن کا مشہور ڈاکٹر

جیوزوب جیروزا۔ فزیکل سائنس کا پروفیسر

پروفیسر شارل ریشیہ۔ فرانس کے طبی کالج کا پروفیسر

لمبروزو

ان علما نے ۱۷ اجلاس مین ان امور کی تحقیقات کی، اور بالآخر اپنی رپورٹ مین لکھا کہ جو خوارق عادات ہمنے مشاہدہ کیے ان مین کسی قسم کی شعبدہ بازی یا چالاکی نہین تھی، اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہین کہ مسائل علمیہ مین داخل کیے جاوین ۔

اس قسم کی سیکڑون شہادتین ہین جن کو نقل کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب طیار ہو گی اسلیے ہم دائرۃ المعارف کے فقرۂ ذیل پر اکتفا کرتے ہین

وَكَثِيْرُوْنَ مِنْ اَهْلِ اَمْرِيْكَا وَاُوْرُبَا الْمُمْتَازِيْنَ بِالْعُلُوْمِ وَالْفَلْسَفَةِ وَالْحِكْمَةِ وَالسِّيَاسَةِ يَعْتَقِدُوْنَ وُجُوْدَ قُوَّةٍ لَمْ يَكْشِفْهَا الْعِلْمُ تَقُوْمُ بِتِلْكَ الْاَعْمَالِ اَوْ اَنَّ مَا رَاَوْهُ مِنَ الظَّوَاهِرِ لَا يُنْسَبُ اِلَى الْخِدَاعِ اَوِ الشَّعْوَذَةِ وَ قَالُوْا اِنْ لَمْ تَكُنْ حَقِيْقَةً فَهِيَ جَدِيْرَةٌ بِالْبَحْثِ وَالتَّاَمُّلِ

امریکا اور یورپ کے بہت سے علما جو علوم و فلسفہ و حکمت اور سیاست مین ممتاز ہین، اس بات کے معتقد ہین کہ ایک ایسی قوت موجود ہے جس کو علم نے اب تک دریافت نہین کیا تھا۔ وہ قوت ان اعمال کو انجام دیتی ہے۔ ان لوگون کا اعتقاد ہے کہ جو تجربے ان لوگون نے کیے وہ فریب یا شعبدہ نہین قرار دیے جا سکتے، اور اگر وہ حقیقی نہین ہین تو کم از کم ان پر غور اور تامل کرنا ضروری ہے

جو خوارق عادات، ان تجربات اور مشاہدات سے ثابت ہوتے اگرچہ وہ ہزار دفعے

متجاوز ہین لیکن ان کی بناپر جو کلیات قائم ہوتے ہین اُن کو کامل فلا مریان نے حسب ذیل شمار کیا ہے۔

(۱)۔ روح جسم سے جداگانہ ایک وجود مستقل رکھتی ہے

(۲) روح مین اس قسم کی خاصیتین ہین جو اب تک علوم موجودہ کی رو سے غیر معلوم تھین

(۳) روح حواس کے وساطت کے بغیر متاثر ہو سکتی ہے یا دوسری چیز پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے۔

(۴) روح آیندہ واقعات سے واقف ہو سکتی ہے

ان شہادتون کو ہم روح کے ثبوت مین پیش نہین کرتے بلکہ ہم صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ انسان مین ایک قوت ہے جسکو خواہ روح کہو خواہ ترکیب جسم کا خاصہ مانو، اُس سے ایسے عجیب وغریب افعال سرزد ہوتے ہین جنکو علوم جدیدہ کے اساتذہ بھی خرق عادت سے تعبیر کرتے ہین اور اعتراف کرتے ہین کہ وہ جسم اور مادہ کے دسترس سے باہر ہین اس بناپر خوارق عادات سے کسی عاقل کو انکار نہین ہو سکتا، البتہ فرق یہ ہے کہ وہم پرست اور خوش اعتقاد لوگ ان چیزون کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ بلاکسی سبب اور واسطے کے براہ راست خود خدا کی قدرت سے سرزد ہوتے ہین، اور خواص کا یہ اعتقاد ہے کہ عالم اسباب مین ہر چیز وابستۂ علت ہے اسلئے ان خرق عادات کا بھی کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے

اسلام مین جو حکما اور عرفا گذرے ہین مثلاً امام غزالی - ابن رشد - شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ سب نے ان خرق عادات کو اسباب کا معلول مانا ہے اور ان اسباب کی تشریح کی ہے جن سے یہ خرق عادات سرزد ہوتے ہین - امام غزالی نے تمام معجزات کی تین قسمین قرار دی ہین، حسی - خیالی - عقلی - پہلی قسم تو اشاعرہ کے استمالت کے لئے قائم کی ہے - باقی دو قسمین جو اپنے مذاق کے موافق بیان کی ہین وہ بالکل آج کل کی تحقیقات کے موافق ہین، چنانچہ ہم نے امام غزالی کی سوانح عمری مین جو چھپ کر شایع ہو چکی ہے امام صاحب کی اصلی عبارت نقل کی ہے -

خرق عادت کی نسبت بوعلی سینا کی رائے

بوعلی سینا کو بھی ایک مدت تک خرق عادات سے انکار تھا لیکن جو صوفیہ اُسکے زمانہ مین موجود تھے، ان کے خوارق عادات اس کثرت سے خود اُسکے مشاہدہ مین آئے کہ بالآخر اس کو اقرار کے ساتھ اُنکے اسباب و علل پر غور کرنا پڑا **اشارات** مین خود اُسکے الفاظ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے - وہ خرق عادات کے بیان مین لکھتا ہے

وَلَكِنَّهَا تَجَارِبُ لَمَّا ثَبَتَتْ طَلَبَ أَسْبَابَهَا	لیکن یہ تجربے ہین اور جب وہ ثابت ہوئے تو انکے اسباب کی جستجو ہوئی
ثُمَّ إِنِّي لَوِ اقْتَصَصْتُ جُزْئِيَّاتٍ مِنْ هَذَا الْبَابِ فِيمَا	اور اگر مین اس قسم کے جزئیات کا شمار کرون جو مینے خود دیکھے
شَاهَدْنَاهُ وَفِيمَا حَكَى عَمَّنْ صَدَّقْنَا لَطَالَ الْكَلَامُ	یا ان لوگون نے دیکھے جنکو مین ثقہ سمجھتا ہون تو بہت طول ہوجائیگا

بوعلی سینا نے مختلف خرق عادات کے مختلف اسباب بیان کئے ہین، انمین سے اسی نے سب سے بڑا سبب، قوت نفسانی کا اثر قرار دیا ہے - اس کی تفصیل اس کے بیان کے موافق حسب ذیل ہے

"یہ امر بداہتہً ثابت ہے کہ تخیل اور توہم کا اثر جسم پر پڑتا ہے، مثلاً خوشی سے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے، بعض دفعہ محض وہم سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے انسان کو کسی کی طرف سے دل مین ناگوار خیالات آتے ہین، ان خیالات سے غصہ پیدا ہوتا ہے غصہ سے حرارت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے، یہان تک کہ پسینہ آجاتا ہے، اس سے اسقدر ثابت ہوا کہ مادیین کا یہ دعوی صحیح نہین کہ مادہ پر صرف مادہ ہی اثر ڈال سکتا ہے خیال۔ وہم۔ غیظ۔ غضب۔ مادہ نہین بلکہ ایک کیفیت ہے، باوجود اس کے ان کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔

جس طرح ان کیفیات سے، انسان خود متاثر ہوتا ہے، بعض انسانون مین یہ قوت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ وہ دوسرون پر اثر ڈال سکتے ہین، یہ قوت انسانون مین علی قدر مراتب قوی اور ضعیف ہوتی ہے اور بعض انسانون مین اس قدر قوی ہوتی ہے کہ اس سے نہایت عجیب و غریب افعال سرزد ہوتے ہین"

"یہ قوت جس شخص مین فطری اور جبلی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ وہ فطرۃً مقدس اور پاکیزہ خو ہوتا ہے اور اس قوت کو اغراض حسنہ مین استعمال کرتا ہے، وہ نبی یا ولی ہوتا ہے اور اگر اس قوت کے ساتھ فطرۃً بد طینت اور شریر ہوتا ہے اور اس قوت کو برے کامون مین صرف کرتا ہے تو وہ جادوگر اور شعبدہ گر ہوتا ہے"

امام غزالی نے معارج القدس مین جہان انبیا کے مختصات لکھے ہین لکھتے ہین:

وَلَا یُنْکَرُ اَنْ یَکُوْنَ مِنَ الْقُوَی النَّفْسَانِیَّۃِ اور کچھ بعید نہین کہ بعض لوگون کے قوائے نفسانی

مَاهُوَ اَقْوَیٰ فِعْلاً وَتَاثِیْراً مِنْ اَنْفُسِنَا نَحْنُ حَتّٰی لَا یَقْتَصِرَ فِعْلُهَا فِی الْمَادَّةِ الَّتِیْ هِیَ لَهَا وَنُفُوْسُنَا بَلْ اِذَا شَاءَتْ اَحْدَثَتْ فِیْ مَادَّةِ الْعَالَمِ مَا یَتَصَوَّرُهُ فِیْ نَفْسِهَا	ایسے ہون جنکی قوت اور تاثیر ہمارے نفوس سے زیادہ ہو یہان تک کہ ان کا اثر اپنے ہی جسم پر محدود نہو بلکہ جس طرح اپنے اجسام پر وہ اثر ڈال سکتے ہین مادہ عالم پر بھی ایسا ہی اثر ڈال سکین

بوعلی سینا نے قوت نفسانی کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے جدید تحقیقات کے بالکل مطابق ہے، اسپریچولیزم والے تو صاف اعتراف کرتے ہین کہ روح ایک مستقل جداگانہ چیز ہے اور یہ خوارق عادات اسی کے آثار ہین، جو لوگ روح کے قائل نہین ہین ان کو بھی مشاہدات اور تجربون کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسان مین کوئی ایسی قوت ہے جس سے وہ خوارق عادات سرزد ہوتے ہین جو جسم اور مادّہ سے سرزد نہین ہو سکتے، چنانچہ اس کے متعلق، یورپ کے بڑے بڑے علماے علوم جدیدہ کی شہادتین اوپر گذر چکین -

غرض، خرق عادت ایسی چیز نہین کہ محض اس کی بنا پر کسی مذہب کو غلط کہدیا جائے البتہ چونکہ خرق عادت، کوئی معمولی چیز نہین، اسلئے یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ جب تک اسکے ثبوت کی قطعی شہادت موجود نہو، ہم اسپر اعتبار نہ کرین - قرآن مجید چونکہ قطعی الثبوت ہے اس لئے اسمین جہان خرق عادت کا ذکر ہوگا، واجب التسلیم، ہوگا لیکن پہلے یہ امر نہایت غور اور دقت نظر سے طے کرنا پڑے گا کہ فی الواقع قران مجید کے الفاظ، اسکے ثبوت مین قطعی الدلالۃ ہین یا نہین۔

مفسرین مین جو محقق گذرے ہین مثلاً قفال - ابو مسلم اصفہانی - ابو بکر اصم وغیرہ
ان کی تحقیقات کے مطابق قرآن مجید مین، بہت کم خرق عادات مذکور ہین اور جو واقعی
مذکور ہین ان کی صحت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے

اخیر مین یہ جتادینا بھی ضرور ہے کہ اشاعرہ اور آج کل کے عام مسلمانون نے خرق
عادت کے مفہوم کو جو وسعت دی ہے، اس کے رو سے ہر قسم کے محالات اور حقیقی
ناممکنات بھی، خرق عادت کے دائرہ مین آجاتے ہین، اور حاشا ہم اُن کے امکان
کا دعوی نہین کرتے - مدت کے ڈوبے ہوے آدمیون کو، دریا مین ایک کنکری
پھینک کر زندہ کر دینا، خرق عادت نہین بلکہ محال ہے - اور خرق عادت کے جواز
سے ہمارا یہ مقصد نہین کہ اس قسم کی دور از کار روایتون کو صحیح تسلیم کیا جاے

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت

بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ

نبوت کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد آنحضرت کا نبی ہونا ایک بدیہی مسئلہ رہجاتا ہے
نبی کی حقیقت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اجزاے ذیل سے مرکب ہے خود کامل ہو،
دوسرون کو کامل کر سکتا ہو، اُسکے علوم اور معارف، اکتسابی نہ ہون، بلکہ منجانب
اللہ ہون - یہ تمام باتین جس کمال کے ساتھ آپ کی ذات مبارک مین موجود تھین کیا ابتداے
آفرینش سے آجتک اسکی کوئی نظیر مل سکتی ہے؟

غور کرو وہ شخص جسنے کسی قسم کی ظاہری تعلیم نہ پائی ہو۔ جسنے آنکھ کھول کر اپنے گرد وپیش۔ بت پرستی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہو جس کے کانون مین ناقوس کے سوا اور کوئی آواز نہ آئی ہو۔ جسنے الٰہیات۔ اخلاق۔ اصولِ معاشرت، قانون تمدن کے متعلق ایک حرف بھی کسی سے نہ سنا ہو۔ دفعتہً منظرِ عام پر آئے اور ایک طرف تو فلسفہ

اخلاق تزکیہ روح۔ الٰہیات معاد۔ قانون معاشرت اصول تمدن۔

کے وہ دقائق اور نکات بتائے جو کسی حکیم کسی فلسفی۔ کسی مقنن کسی پیغمبر نے کبھی نہین بتائے تھے دوسری طرف تمام قوم کی قوم مین جو اُس وقت جہالت وحشت جور وظلم فسق وفجور سفاکی وخونریزی مین ڈوبی ہوئی تھی پاکیزہ اخلاق اور سچائی کی وہ روح پھونک دے کہ دفعتہً ان کی کایا پلٹ ہو جائے بجز محمد رسول اللہ کے اور کون ہو سکتا ہے؟

غور کرو آنحضرت کی بعثت کے وقت تمام دنیا کی کیا حالت تھی؟ ہندو اور مصری سیکڑون خدا یا اوتار مانتے تھے عیسائی **تثلیث** کے قائل تھے صابئین ستارہ پرست تھے **مجوسی** یزدان اور اہرمن دو خدا تسلیم کرتے تھے **یہودی** توحید کے قائل تھے مگر جس قسم کا خدا مانتے تھے وہ انسان سے کچھ ہی بڑھکر بلکہ بہت سی باتون مین برابر یا گھٹ کر تھا، اہل عرب یا تو خدا کے سرے سے قائل ہی نہ تھے یا مانتے تھے تو اس قسم کا خدا مانتے تھے جسکے نہایت کثرت سے لڑکیان (یعنی ملائکہ) تھین بہت سے فرقے ہر دن کا الگ الگ خدا مانتے تھے۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو خیال اُسکے دل مین آتا ہے وہ اُٹھتی واقعات

روایات، اور خیالات سے ماخوذ ہوتا ہے جو اس کے گرد و پیش پھیلے ہوتے ہین انھی سے وہ ادل بدل کر ایک دوسری صورت بنا لیتا ہے۔ اب غور کرو کہ اگر اس فطرت کے رو سے آنحضرت کے دل مین خدا کا خیال آتا تو اسی قسم کا خدا ہوتا جو اس زمانہ کے لوگون کا تھا، لیکن آپ نے جس خدا کی تلقین کی وہ ایسا خدا تھا جو واحد محض ہے جس کی ذات اور صفات مین کسی شخص کو کسی قسم کا اشتراک نہین، جو نہ زمین مین ہے نہ آسمان مین نہ اوپر نہ نیچے، نہ داہنے نہ بائین، نہ زمان مین نہ مکان مین اور پھر ہر جگہ ہے جو ایک ایک ذرہ کو جانتا ہے چیونٹی کے پاؤن کی آہٹ کو سن لیتا ہے، ہمارے دل کے چھپے ہوے بھیدون کو جانتا ہے۔ ایسا منزہ۔ ایسا کامل۔ ایسا بالاتر خدا انسان خود اپنے خیال سے نہین پیدا کر سکتا تھا۔ بلکہ وہی خدا یہ خیال پیدا کرا سکتا تھا جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے۔

عیسائیون کا یہ دعوی کہ آنحضرت نے توریت اور انجیل کی تعلیم پائی تھی

عیسائیون نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے بہت کوشش کی ہے کہ آنحضرت پڑھے لکھے تھے توراۃ و انجیل سے واقف تھے اور بحیرا نام ایک عیسائی سے تعلیم حاصل کی تھی اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی نسبت آنحضرت کو یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ محال تھا کیونکہ اس زمانہ کی توراۃ و انجیل اور عیسائی معلم اسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے جو خود انکا خدا تھا، فرانس کا مشہور فاضل کانٹ ہنری دی کاستری اپنی کتاب اسلام[1] مین لکھتا ہے۔

"ان روایات کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ محمد صلعم نے عیسائیون یہودیون

[1] یہ کتاب فرنچ زبان مین تھی مصر کے ایک عالم نے عربی زبان مین اسکا ترجمہ کیا اور ۱۸۹۸ء مین چھاپ کر شایع کیا

اور ستارہ پرستون کے عقائد بالمشافہہ حاصل کئے تھے، فائدہ سے خالی نہین کیونکہ اس سے ان مقامات کی تشریح ہوتی ہے جہان قرآن اور تورات کی آیتین ہم مضمون ہین لیکن پھر بھی یہ دوم درجہ کی بحث ہے کیونکہ گو یہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن آسمانی کتابون سے ماخوذ ہے لیکن یہ مشکل حل نہین ہوتی کہ محمدؐ مین یہ مذہبی روح کیون کر پیدا ہوئی اور وحدانیت کا ایسا مضبوط اعتقاد کیون پیدا ہوا، جو اُن کے جسم و روح پر بالکل چھا گیا[۱]"

یہی مصنف آگے چلکر لکھتا ہے "یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد تورات اور انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو، اگر محمدؐ نے ان کتابون کو پڑھا ہوتا تو اُن کو اُٹھا کر پھینکدیا ہوتا کیون وہ ان کی فطرت اور وجدان اور مذاق کے مخالف تھین۔ اس قسم کے اعتقاد کا محمدؐ کی زبان سے ادا ہونا ان کی زندگی کا سب سے بڑا مظہر ہے اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر مامون تھے"

اب ہم تفصیل کے ساتھ دکھاتے ہین کہ **عقائد عبادات۔ اخلاق۔ معاشرت** کے متعلق، آنحضرتؐ نے جو اصول اور مسائل، **وحی** کے ذریعہ سے تلقین فرمائے وہ اس قدر کامل اور اعلیٰ درجہ کے ہین کہ کسی حکیم، اور مقنن کے خیال مین نہین آتے اور بغیر وحی الٰہی کے کسی کے خیال مین آ ہی نہین سکتے تھے۔

عقائد

سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی فکر اور اجتہاد سے عقائد قائم کرنے چاہییں یا دوسرون کی

---

[۱] ترجمہ کتاب مذکور بزبان عربی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰

تقلید اور پیروی سے اسلام سے پہلے جسقدر مذاہب تھے سب مین، ائمہ دین کے سوا باقی تمام لوگ تقلید پر مجبور تھے، عیسائیون مین **پوپ**، یہودیون مین **احبار**، پارسیون مین **دستور**، ہندؤن مین **منیون** اور **رشیون** کے سوا کوئی شخص نہ مذہبی عقیدہ کے متعلق کچھ کہہ سکتا تھا نہ عقائد کے متعلق اپنی رائے قائم کر سکتا تھا،

اسلام نے اس قسم کی تقلید کو شرک قرار دیا اور کہا کہ

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ - آیت ۳۱)

عیسائیون اور یہودیون نے خدا کو چھوڑ کر اپنے احبار اور رہبانون کو خدا بنا لیا ہے۔

عقائد مین تقلید کرنا شرک ہے

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل کتاب نے بڑے تعجب سے کہا کہ ہم لوگ، احبار اور رہبان کو خدا کہان سمجھتے ہین!! آنحضرت نے فرمایا کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بطریق (پادری) جس چیز کو حلال کر دیتا ہے، حلال ہو جاتی ہے اور جس چیز کو حرام کر دیتا ہے حرام ہو جاتی ہے"

اسی مضمون کو ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران - آیت ۷)

تو کہدے کہ اے کتاب والو! آؤ ایک بات پر جو ہمارے اور تمہارے دونون کے ہان مسلّم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا اور کسیکو نہ پوجین اور خدا کے ساتھ کسیکو شریک کرین اور ہم مین سے ایک ایک کو اپنا رب نہ بنائے، خدا کو چھوڑ کر

اسلام نے اس قسم کی جو آزادی دی، اس کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ مین گو نہایت اختلاف مراتب تھا، لیکن عقائد مین کوئی شخص کسی کا مقلد نہ تھا، ایک جاہل بدو بھی

عقائد مین بڑے سے بڑے صحابی کی تقلید نہین کرتا تھا بلکہ اپنی سمجھ اور عقل سے کام لیتا تھا
اسی کا اثر ہی کہ گو زمانہ مابعد مین جب اسلام کو تنزل ہوا تو تقلید کا رواج شروع ہوا لیکن یہ مسئلہ
آج تک مسلم رہا کہ لَا یَجُوْزُ التَّقْلِیْدُ فِی الْعَقَائِدِ یعنی عقائد مین تقلید جائز نہین۔

اسلام کی یہی ہدایت تھی جو ہزار برس کے بعد لوتھر کے خیال مین آئی اور جسکی
بنا پر اُسنے دنیا کو پوپ کی غلامی سے آزادی دلائی۔ یورپ مین ہر قسم کی مذہبی آزادی
کی بنیاد درحقیقت گویا اسلام کی اسی ہدایت پر قائم ہوئی اور قائم ہے

تفصیلی عقائد

ذات وصفات باری

تفصیلی عقائد

عقائد مین اہم المسائل اور راس المسائل خدا کے وجود اور اُس کی ذات وصفات کا
مسئلہ ہے۔ خوب غور سے دیکھو کہ ایسے بڑے ضروری مسئلہ کے متعلق، تمام اہل مذاہب
بلکہ تمام عالم کس قسم کی عجیب و غریب غلطیون مین مبتلا تھا، عیسائی تین خدا مانتے تھے اور
تین کو ایک، اور ایک کو تین کہتے تھے، یہ اجتماع نقیضین خود انکی سمجھ مین بھی نہین
آتا تھا لیکن وہ کہتے تھے کہ عقیدہ کا سمجھ مین آنا ضرور نہین، مصری کئی کروڑ خدا تسلیم کرتے
تھے، پارسیون کی سمجھ مین نہین آتا تھا کہ نیکی و بدی، دونون کا ایک خدا کیونکر ہوسکتا ہے
اس بنا پر اُنھون نے نیکی و بدی کے الگ الگ خدا قرار دے رکھے تھے ہندوؤن
ہان کم سے کم تین خدا تھے برہما۔ بشن۔ مہیش۔ اور اوتار تو سیکڑون بلکہ ہزارون
یہود البتہ ایک خدا کے قائل تھے لیکن اس کے اوصاف ایسے قرار دیئے گئے

وجود باری کی متعلق تمام اہل مذاہب کی غلطیان

کہ وہ ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے بڑھ کر نہ تھا،

یہ تو ان کا حال تھا جو خدا کو کسی نہ کسی صورت مین مانتے تھے، اُس گروہ کی بھی کمی نہ تھی جو سرے سے خدا کے وجود ہی کے قائل نہ تھے۔ یہ مختلف نامون سے موسوم تھے، زندیق دہریہ۔ مادیین وغیرہ وغیرہ

دنیا اس عالمگیر تاریکی مین پڑی ہوئی تھی کہ دفعۃً اسلام نے آکر ان تمام غلط خیالات اور معتقدات کا پردہ چاک کر دیا، اُس نے بتایا کہ خدا واحد محض ہے اور زمان و مکان جہت و اشارہ، تحت و فوق، ہر قسم کے قیود و خصوصیات سے مبرّا ہے یہ وہ تقدیس و تنزیہ تھی جس پر یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی، اور گبن نے کہا کہ "جب زمان و مکان، و جہت، و اشارہ، تمام خصوصیتون کو الگ کر لیا جائے تو خیال کے لیے کیا باقی رہجاتا ہے" سنے شبہہ اسلام کو ایسی ہی وسیع الخیالی کی بنیاد قائم کرنی تھی جو جسمانی خصوصیات سے بالکل مبرّا ہو،

توحید خالص اور ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال

اسی تقدیس کی بنا پر اسلام نے ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال کر دیا کیونکہ اسلام نے خدا کی نسبت جو پاک اور منزّہ خیال قائم کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ خدا کا تصور جسمانی پیکر اور صورت کے بغیر، دلون مین نہ آسکے۔ ہند و مصری۔ صابی۔ رومن کیتھلک سب خدا کے تصور کے لیے جسمانی تمثل کے محتاج تھے اور اسی وجہ سے بت پرستی مین مبتلا تھے لیکن اسلام مین باوجود سیکڑون ہزارون فرقون کے پیدا ہو جانے کے بھی کسی فرقہ کو آجتک بت پرستی کا کبھی خیال نہ آسکا آج دنیا مین ہند و عیسائی۔ پارسی وغیرہ وغیرہ

جس قدر روشنضمیر اور بلند خیال ہوتے جاتے ہین، توحید خالص کے قریب آتے جاتے ہین، علم وفن اور خیالات کی وسعت جسقدر بڑھتی جاتی ہے، خدا کی نسبت جسمانی قیود کا خیال مٹا جاتا ہے،

خدا کے تسلیم اور اعتراف کے بعد ایک بڑا مرحلہ یہ تھا کہ بندہ کو خدا سے براہ راست کیونکر تعلق ہو سکتا ہے؟ اس ضرورت سے تمام فرقون نے درمیانی واسطے قائم کئے تھے اور اوتارون، دیوتاؤن، پیرون، کا سہارا ڈھونڈتے تھے، اسلام نے بتایا کہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ درمیانی نہین، ہر شخص براہ راست خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اپنی ہر قسم کی حاجتین اور مرادین پیش کر سکتا ہے، خدا کا دربار سعی سفارش۔ توسط اور شفاعت سے مبرا ہے، وہ ہر شخص کے پاس ہے، ہر شخص کی آواز سنتا ہے، ہر شخص اُس تک پہنچ سکتا ہے

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ | ہم انسان کی رگ گردن سے بھی زیادہ اُسکے قریب ہین

نبوت

(۲) توحید کے بعد **نبوت** کا درجہ ہے، اُسکے متعلق تمام دنیا مین ایک عالمگیر غلطی پھیلی ہوئی تھی، ہر فرقہ اور ہر گروہ یہ سمجھتا تھا کہ انبیاء انسان کے درجہ سے بالاتر ہوتے ہین یہی خیال تھا، جس سے رام کرشن، زردشت اور حضرت عیسی علیہ السلام کو عین خدا، یا کم از کم مظہر خدا بنا دیا تھا، اسلام نے نہایت زور شور، نہایت آزادی نہایت دلیری اور سختی سے صاف بتا دیا کہ انبیا بشریت کے دائرہ سے ایک ذرہ باہر نہین ہین

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ | اے محمد! کہدو کہ مین تمہین جیسا آدمی ہون مجھپر وحی آتی ہے

إِنَّمَا إِلٰهُكُمْ اللّٰهُ وَاحِدٌ	کہ تمھارا خدا۔ واحد ہے
لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ	عیسی کو اس بات سے عار نہین کہ وہ خدا کے غلام ہین۔
قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ	اے محمد! کہدو کہ مین یہ نہین کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہین نہ مین یہ کہتا ہون کہ مین غیب کی باتین جانتا ہون نہ مین یہ کہتا ہون کہ مین فرشتہ ہون مین تو صرف وحی کا پیرو ہون جو مجھپر آتی ہے۔
قُلْ لَّوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ	اے محمد! کہدو کہ اگر مین غیب کی بات جانتا تو بہت کچھ بھلائیان حاصل کر لیتا

دنیا مین جتنے مذہب گذرے ہین سب نے خدائی اور نبوت کے ڈانڈے ملا دئے تھے یا کم سے کم قریب کر دئے تھے، صرف اسلام کو یہ عزت حاصل ہے کہ اُسنے دونون کی حد بالکل جُدا کر دی۔

خوب غور کرو، ہم مسلمان، آنحضرت کو تمام انبیا سے بزرگ اور افضل مانتے ہین باوجود اسکے حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کو کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ کو روح اللہ کہتے ہین اور آنحضرت کو صرف رسول اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہین، صرف اسیقدر نہین بلکہ نمازون مین جب شہادتین ادا کرتے ہین تو رسالت کے اقرار سے پہلے عبدہٗ کا لفظ کہتے ہین اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یعنی "ہم گواہی دیتے ہین کہ محمدؐ خدا کے بندے ہین، اور پھر رسول ہین" یہ کیون؟ اس لئے کہ خدا کی توحید کا کمال یہی ہے کہ اس کے آگے کوئی شخص گو وہ کسی درجہ کا ہو، بندگی کے درجہ سے بڑھنے نہ پائے، چونکہ آنحضرت کو

خالص توحید دلون مین جانشین کرلی تھی، اس لیئے ضرور تھا کہ خود آنحضرت کے لیے صرف عبدیت اور رسالت کا سادہ لقب اختیار کیا جائے،

سزا وجزا

معاد اور عذاب و ثواب - سزا وجزا کے متعلق تمام اہل مذاہب کا یہ خیال تھا اور آج بھی ہے کہ انسان جب خدا کے احکام کی تعمیل نہین کرتا تو خدا اُس سے ناراض ہوتا ہے اور چونکہ دنیا دار العمل ہے اسلیئے یہان تو انسان کو سزا نہین ملتی، لیکن جب قیامت مین خدا مسند حکومت پر متمکن ہوگا، تو تمام معاملات اُسکے حضور مین پیش ہونگے اور خدا حسب مراتب، لوگونکو انکی نافرمانیون کی سزا دیگا، اسیطرح جن لوگون نے اطاعت اور فرمانبرداری کی ہے انکو صلے اور انعامات ملینگے

یہ خیال عام طبائع کے بالکل مناسب ہے اور عام لوگونکو نیکی کی طرف مائل کرنے اور برائی سے روکنے کے لئے اس سے بہتر کوئی طرز نہین ہو سکتا،

لیکن یہ عذاب و ثواب کی اصلی حقیقت نہین ہے بلکہ اصل حقیقت کے عام فہم کرنے کا ایک پیرایہ ہے - اصل حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عالم جسمانیات مین اسباب و علل اثر اور موثر کا سلسلہ ہے مثلاً سنکھیا قاتل ہے گلاب محرک نزلہ ہے، املتاس مسہل ہے، اسی طرح یہی سلسلہ روحانیات مین بھی قائم ہے، نیک و بد جسقدر افعال ہین انکا نیک یا بد اثر روح پر مترتب ہوتا ہے، اچھے کامون سے روح کو انبساط ہوتا ہے، بُرے افعال سے انقباض، آلودگی، اور نجاست کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ وہ نتائج ہین جو اس سے جدا نہین ہو سکتے - فرض کرو ایک شخص نے کسی کی کوئی چیز چرا ئی، اب اگر وہ شخص جسکی وہ چیز تھی معاف بھی کردے تو چوری کرنے سے اُس شخص کی عزت پر جو داغ آگیا وہ کسی حالت مین زائل نہین ہو سکتا، غرض اچھے

رج مین جو سعادت کا اثر پیدا ہوتا ہے اور برے کامون سے جو شقاوت حاصل ہوتی ہے
اسی کا نام عذاب و ثواب ہے اور یہ خود ان افعال کا لازمی اثر ہے۔ امام غزالی مضنون بہٖ
علی غیر اہلہ مین سے لکھتے ہین

اَمَّا الْعِقَابُ عَلٰی تَرْکِ الْاَمْرِ وَارْتِکَابِ النَّہْیِ فَلَیْسَ	امر اور نہی کی خلاف ورزی پر جو عذاب ہوگا اسکے یہ معنی
الْعِقَابُ مِنَ اللّٰہِ غَضَبًا وَانْتِقَامًا وَمِثَالُ ذٰلِکَ	نہین کہ خدا کو غصہ آئیگا اور وہ انتقام لیگا بلکہ اسکی مثال
اَنَّ مَنْ غَادَرَ الْوِقَاعَ عَاقَبَہُ اللّٰہُ بِعَدَمِ	یہ ہی کہ جو شخص عورت کے پاس نہ جائیگا اسکے اولاد نہوگی،
الْوَلَدِ فَکَذٰلِکَ نِسْبَۃُ الطَّاعَاتِ وَالْمَعَاصِیْ اِلَی الْاٰخِرَۃِ	طاعت و معصیت کیوجہ سے جو قیامت مین ثواب و عذاب ہوگا
الْاٰخِرَۃِ وَلٰذٰا تُہِمَا مِنْ غَیْرِ فَرْقٍ فَالسُّؤَالُ عَنْ اَنَّہٗ	اسکی بالکل یہی مثال ہی لہٰذا یہ سوال کرنا کہ گناہ سے عذاب
لِمَ تُفْضِی الْمَعْصِیَۃُ اِلَی الْعِقَابِ کَالسُّؤَالِ فِیْ اَنَّہٗ لِمَ یَھْلِکُ	کیون ہوتا ہے گویا یہ سوال کرنا ہے کہ زہر کھانے
الْحَیَوَانُ عَنِ السُّمِّ	سے جاندار کیون مرجاتا ہی۔

امام صاحب نے اسی کتاب مین یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ خدا نے جن باتونکا حکم دیا ہے
یا جن باتونسے روکا ہے اسکی مثال یہ ہی جس طرح ایک طبیب کسی بیمار کو دوا کھانے، اور مضر چیزونسے
پرہیز کرنیکا حکم دیتا ہی، مریض اگر طبیب کے حکم کے موافق عمل نہین کرتا تو اسکو ضرر ہوتا ہی، یہ ضرر صرف
اسوجہ سے ہوتا ہی کہ مریض نے بدپرہیزی کی لیکن عام طور پر لوگ کہتے ہین کہ مریض نے چونکہ حکیم کی نافرمانی
کی اسلئے ضرر ہوا حالانکہ ضرر کی اصلی علت بدپرہیزی ہی، فرض کرو کہ طبیب بدپرہیزی سے منع نہ بھی کرتا
تاہم بدپرہیزی کرنے سے ضرر ہوتا۔ اسی طرح خدا اگر گناہون کے ارتکاب سے منع نہ بھی کرتا

لہ امام صاحب کی اصل عبارت منہی الغزالی مین نقل کی ہے

تاہم ان گناہون کے ارتکاب سے روح کو وہی صدمہ اور عذاب ہوتا،

ملاحدہ اعتراض کیا کرتے ہین کہ خدا کو گناہ پر عذاب دینے سے کیا حاصل؟ سزا یا انتقام وہ شخص لیتا ہے جس کو کسی قسم کا نقصان پہونچا ہو یا پہونچنے کا اندیشہ ہو اور خدا اس سے بری ہے، اگر تمام عالم فسق و فجور مین پڑ جائے یا نماز روزہ نہ بجا لائے تو اس سے خدا کا کیا بگڑتا ہے، اس صورت مین انتقام لینا بے فائدہ ہے،

ملاحدہ یہ بھی کہتے ہین کہ درحقیقت تمام اہل مذاہب نے خدا کا تصور بالکل انسانی حیثیت سے کیا ہے، اور چونکہ وہ دیکھتے ہین کہ دنیا کے بادشاہون کو احکام کی نافرمانی سے سخت طیش اور ملال ہوتا ہے اور وہ مجرم کو نہایت سخت سزائین دیتے ہین۔ اسلئے اہل مذاہب نے خدا کی نسبت بھی یہی خیال قائم کیا کہ وہ گناہون سے ناراض ہوتا ہے، اور قیامت مین گناہگارونکو دوزخ مین عذاب گوناگون دے گا" لیکن عذاب و ثواب کی جو حقیقت ہمنے بیان کی، اس کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو ملاحدہ کا اعتراض خود بخود اٹھ جاتا ہی،

اسلام نے عذاب و ثواب کے متعلق، عام طور پر اگرچہ بیان کا وہی پیرایہ اختیار کیا جو تمام اہل مذاہب کا تھا اور عام طبائع کے لئے وہی طریقہ ناگزیر بھی تھا، لیکن اس باب مین اسلام کو جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے اصل حقیقت بھی صراحۃً اور کنایۃً ظاہر کی اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ہر موقع پر اسلام کو تمام اور مذاہب سے ممتاز کرتی ہے تمام دیگر مذاہب مین صرف عوام کی تلقین و ہدایت کا لحاظ ہے، اصل حقیقت سے یا خود، بانیان مذہب بے خبر تھے، یا اگر باخبر تھے تو وہ خواص کی تعلیم و تربیت کو اپنا مقصد

نہین قرار دیتے تھے۔ بخلاف اس کے اسلام تمام دنیا کی ہدایت کے لیے آیا جسمین، عالم وجاہل، احمق ودانا، عارف وعامی زاہد وصوفی، ظاہرپرست اور حکیم، سب داخل تھے، عذاب وثواب، اور معاد کی اصل حقیقت کی طرف قرآن مجید مین جابجا اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہین

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ	ہان اگر تم کو علم الیقین ہوتا تو تم دوزخ کو دیکھ لیتے

امام غزالی جواہر القرآن مین اس آیت کی تفسیر مین لکھتے ہین

اَیْ اِنَّ الْجَحِیْمَ فِیْ بَاطِنِکُمْ	یعنی دوزخ خود تمھارے اندر موجود ہے

ایک اور مقام پر ہے

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۔	کفار تجھ سے کہتے ہین کہ عذاب جلد آجائے، حالانکہ دوزخ نے کافرون کو ہر طرف سے چھالیا ہے

امام غزالی اس آیت کے متعلق جواہر القرآن مین لکھتے ہین

وَلَمْ یَقُلْ اِنَّھَا سَتُحِیْطُ بَلْ قَالَ ھِیَ مُحِیْطَةٌ	خدا نے یہ نہین کہا کہ دوزخ آیندہ محیط ہوجائیگی بلکہ یہ کہا کہ ابھی ہیوقت محیط ہے

ایک اور جگہ قرآن مجید مین ہے

اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِھِمْ سُرَادِقُھَا	ہمنے ظالمون کے لیے ایسی آگ مہیا کر رکھی ہو جس کے پردون نے ظالمون کو گھیر لیا ہو

امام غزالی اسکے متعلق لکھتے ہین

وَلَمْ یَقُلْ یُحِیْطُ بِھِمْ	خدا نے یہ نہین کہا کہ آیندہ گھیر لیگی (بلکہ یہ کہا کہ اسیوقت گھیر لیا ہی)

امام صاحب ان آیتون کی تفسیر لکھکر لکھتے ہین

فَاِنْ لَمْ تَفْهَمِ الْمَعَانِیْ کَذٰلِکَ فَلَیْسَ لَکَ	تو اگر تم مطالب کو اس طرح نہین سمجھتے تو تم کو قران سے
نَصِیْبٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا فِیْ قُشُوْرِہٖ کَمَا لَیْسَ	صرف اُس کا چھلکا ہاتھ آیا ہے جس طرح بہائم کو گیہون مین
لِلْبَھِیْمَۃِ نَصِیْبٌ مِّنَ الْبُرِّ اِلَّا فِیْ قِشْرِہٖ	سے صرف بھوسی ہاتھ آتی ہے۔

عبادت

اس مسئلہ کے متعلق بھی تمام مذاہب کو ہمیشہ غلطیان واقع ہوئی ہین تمام مذاہب نے اس مسئلہ کے متعلق نہ صرف ایک بلکہ متعدد، اور نہ صرف ایک طرح کی بلکہ مختلف قسم کی غلطیان کین سب سے بڑی یہ غلطی ہے کہ عموماً لوگ سمجھتے آتے ہین کہ **عبادت** خود ایک مقصود بالذات چیز ہے اور اسکا مقصد صرف خدا کی اطاعت کا اظہار ہے اُسکی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک بادشاہ نے اپنے کسی نوکر کی وفاشعاری اور اطاعت کا امتحان لینا چاہا اور اس بنا پر حکم دیا کہ وہ تمام شب ایک پاؤن کھڑا رہے۔ اس سے نہ بادشاہ کا کوئی نفع ہے، نہ نوکر کا کوئی فائدہ، بلکہ صرف نوکر کی اطاعت کا امتحان ہے۔ اسی طرح ہم جو نمازین پڑھتے ہین، روزے رکھتے ہین حج کرتے ہین، تو اس سے فقط امتثال امر مقصود ہے، خدا نے حکم دیا۔ ہم بجا لائے، جسقدر ہم تکلیفین اٹھاتے ہین اسی قدر خدا خوش ہوتا ہے۔ مہینون کھانا چھوڑ دینا۔ ایک پاؤن پر رات رات بھر کھڑا رہنا۔ ہاتھ کو ہوا مین معلق رکھکر خشک کر دینا، جاڑون مین برہنہ آسمان کے نیچے سونا۔ چالیس چالیس دن کا چلہ کھینچنا۔ شادی نہ کرنا، تمام عمر جوگی پن اور رہبانیت مین بسر کرنا۔ اس قسم کی جو باتین ہندوؤن، عیسائیون، اور دیگر مذاہب مین پائی جاتی ہین، سب کی بنیاد اسی خیال پر ہے۔

مسئلہ عبادت کے متعلق تمام مذاہب کی غلطیان

اس خیال نے یہان تک ترقی کی کہ جان کی قربانی تک نوبت آئی، بہت سے لوگ خود اپنے آپ کو بل چڑھادیتے تھے، ان سے گھٹ کر اولاد کی قربانی کرتے تھے،

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دل مین جو خیال یا خیالات آسکتے ہین وہ صرف وہی ہوتے ہین جو گرد وپیش کی چیزون سے پیدا ہوسکتے ہین۔ انسان کسی ایسی چیز کا خیال نہین کرسکتا جو اُسکے حواس سے بالاتر ہو، اُسے جو کچھ دیکھا یا سنا ہے، اُسی کو بڑھا کر گھٹا کر، بگاڑ کر، یا ترقی دے کر ظاہر کرتا ہے، لیکن کوئی خیال خود پیدا نہین کرسکتا،

انسان کے دل مین جب خدا کا خیال ایک شاہنشاہ مطلق کی حیثیت سے آیا، تو ضرور تھا کہ اُسکے صفات بھی اُسی شاہنشاہی رتبہ کی حیثیت سے ذہن مین آئین، انسان نے شاہون، اور شہنشاہون کے متعلق جو کچھ دیکھا یا سنا تھا یہی تھا کہ وہ اظہار اطاعت سے خوش ہوتے ہین، جان نثاری، ادب، عاجزی، خشوع اور تعظیم کو پسند کرتے ہین، اور جو شخص جسقدر زیادہ اِن خدمات کو بجالاتا ہے وہ انعام سلطانی کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوتا ہے، انھی خیالات کے لحاظ سے انسان کو خدا کی عبادت کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ہر مذہب مین عبادت کے جس قدر اقسام ہین سب مین انھی اصول کا عنصر پایا جاتا ہے، یہی بات ہے جس کی بنا پر یورپ کے ملاحدہ کہتے ہین کہ مذہبی خیالات، خود انسان نے اپنے حالات کے اقتضا سے پیدا کرلئے ہین، یورپ مین حکماے حال نے جب فطری مذہب کے اصول و فروع منضبط کئے تو عبادت کی حقیقت پر غور کی چنانچہ انھون نے اسکے لئے یہ اصول قرار دئے۔

(۱) انسان کے جس قدر فرائض زندگی ہین مثلاً کسب معاش، پرورش اولاد محبت وطن، وغیرہ وغیرہ ان سب کو عبادات مین شمار کیا جائے[1]

(۲) عبادات جسمانی مثلاً نماز روزہ وغیرہ مقصود بالذات نہ قرار دیے جائین، بلکہ غرض یہ ہو کہ انپر کوئی اخلاقی نتیجہ مترتب ہو

(۳) اعتدال کی حد سے تجاوز نہ ہون

(۴) یہ قرار دیا جائے کہ خدا کو عبادت سے کچھ غرض نہین عبادت سے خود ہمارا فائدہ ہے

یہ وہ اصول ہین جو اس زمانہ ترقی مین یورپ نے دریافت کیے جب کہ فطرت کے رازہاے سربستہ کا طلسم کھل گیا ہے لیکن قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے یہ اسرار بتادیے تھے، سب سے پہلے یہ بتایا کہ خدا کو بندون کی عبادت کی کچھ پروا نہین

مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ	جو شخص محنت اٹھاتا ہی تو اپنے لئے اٹھاتا ہے۔ خدا
إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ	تمام عالم سے بے نیاز ہے

پھر کلی طور سے بتایا کہ عبادات سے خود انسان کو فائدہ پہونچتا ہے، اور خدا نے جو عبادت کا حکم دیا ہے خود انسان کے فوائد کے لحاظ سے دیا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا	جو شخص اچھا عمل کرتا ہی اپنے لئے کرتا ہی اور جو برا کرتا ہی تو اپنے لئے
مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ	خدا یہ نہین چاہتا کہ دین مین تمھارے اوپر کچھ دقت پیدا
وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ	کرے بلکہ وہ یہ چاہتا ہی کہ تمکو پاک کرے اور تمپر اپنی نعمت کو تمام کرے

[1] پروفیسر ژول سیمان (تطبیق صفحہ ۳۰)

پھر عبادت میں سے ایک ایک عبادت کے الگ الگ نتائج اور فائدے بیان کئے

نماز کی نسبت کہا

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ	نماز فحش اور لغویات سے روکتی ہے

روزہ کی نسبت فرمایا

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ	غالباً تم پرہیزگار ہو جاؤ گے

حج کی نسبت فرمایا

لِیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ (حج)	تاکہ اپنے فائدہ کی جگہ آئیں

زکوٰۃ کے فوائد محتاج بیان نہیں

ان باتوں کے ساتھ تمام عبادات میں اس بات کو ملحوظ رکھا کہ اعتدال سے تجاوز نہ کرنے پائیں اور اُنکے ادا میں کسی قسم کی دقت اور دشواری پیش آئے

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ	خدا تم سے آسانی چاہتا ہے نہ دشواری
مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ	خدا نہیں چاہتا کہ مذہب میں تم پر کسی قسم کی دقت واقع ہو
یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ	خدا چاہتا ہے کہ تمھارا بوجھ ہلکا کر دے
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا	خدا کسی کو اُسکی سکت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا

ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے تمام ضروریات زندگی کو عبادت قرار دی دُانکو ادا اور بجالانے کی تاکید کی

تجارت کے متعلق فرمایا

فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ	دنیا میں پھیل جاؤ اور خدا کے عطیہ (رزق) کو ڈھونڈھو۔

اولاد کی خواہش کو صلحا و مقربین کے خصائص مین شمار کیا قرآن مجید مین جہان خواص امت کے اوصاف گنائے ایک وصف یہ بیان کیا

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ | اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہین کہ اے خدا ہماری بیویون کر اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھین ٹھنڈی کر

اسی بنا پر تمام صحابہ جو اسلام کی اصلی تصویر تھے زندگی کے ضروریات کو سچائی اور دیانت داری سے انجام دینا عبادت سمجھتے تھے، آج بھی مسلمانون کا خیال ہے کہ صحابہ کا چلنا پھرنا۔ کھانا پینا۔ نکاح کرنا۔ خانہ داری کے کامون کو انجام دینا، سب عبادت تھا لیکن صحابہ کی تخصیص نہین، ہر شخص کے یہ افعال عبادت ہین، بشرطیکہ اسی طرح کئے جائین جسطرح صحابہ کرتے تھے،

حقوق انسانی

حقوق انسانی۔ انسان کو مختلف طبقات انسان سے جو تعلقات ہین وہ انسان پر مختلف حقوق پیدا کرتے ہین، اور یہی حقوق، علم الاخلاق اور قانون، بلکہ اصول تمدن کی بنیاد ہین۔ دنیا مین جسقدر مذاہب ہین، سب نے کم و بیش ان حقوق سے اُس حد تک بحث کی ہے جہان تک وہ اخلاق کے دائرہ مین آسکتے ہین بعض مذاہب نے زیادہ وسعت حاصل کی اور نکاح و وراثت و وصیت وغیرہ کو بھی اپنے دائرہ مین داخل کر لیا ہے لیکن یہ تعلقات ایسے مشتبہ نازک، اور دقیق ہین کہ اُن کے متعین کرنے مین اور پھر اُن سے جو حقوق پیدا ہوتے ہین اُن کے قرار دینے مین اکثر غلطیان واقع ہوتی ہین ان تمام مسائل مین اسلامی شریعت مین جو نکتہ سنجی پائی جاتی ہے، اسکی نظیر بانیان مذہب

اور حکما کسی کے ہان نہین مل سکتی، اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ شارع اسلام نے جو
کچھ کہا وہ الہام اور وحی تھا ورنہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جن نکتون تک بڑے بڑے حکما کی بھی
رسائی نہ ہوسکی، وہ ریگستانِ عرب کے ایک اُمّی کی زبان سے ظاہر ہوتے

حقوق انسانی کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو خود اپنے آپ پر کیا حق حاصل ہے، جہان تک
تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تمام دنیا مین یہ مسئلہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ ہر شخص اپنے نفس کا آپ
مالک ہے، اسی بنا پر خودکشی کرنا کوئی جرم نہین خیال کیا جاتا تھا یونان کے بڑے بڑے
حکما خودکشی کو جائز سمجھتے تھے یہانتک کہ وہان کے بعض نامور حکما نے اپنے تئین
آپ ہلاک کر لیا تھا،

خودکشی کا مسئلہ

سب سے پہلے قرآن مجید نے اس نکتہ کو ظاہر کیا اور اسی بنا پر خودکشی کی ممانعت کی

وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ | اپنے آپ کو قتل نہ کرو

اسلام نے خودکشی کو مٹا دیا

اس مسئلہ نے اولاد کے حقوق پر بڑا اثر کیا تھا، انسان، اولاد کو درحقیقت اپنا ہی ایک دوسرا
وجود خیال کرتا ہے، اسی بنا پر اولاد کو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے اور چونکہ انسان
اپنے نفس کا آپ مالک ہے اسلیے جس قسم کا اختیار اُس کو اپنی ذات پر ہے اولاد کی نسبت
بھی خیال کرتا ہے، اسی بنا پر مختلف شکلون مین قتل اولاد کی بنیاد قائم ہو گئی تھی، ہندوستان
اور کالڈیا مین عین تہذیب وتمدن کے زمانہ مین بھی اولاد کو بتون اور دیویون پر نذر چڑھاتے
تھے، ہندوستان اور خود عرب مین نہایت کثرت سے دخترکشی جاری تھی، اسپارٹا اور
روم مین بدصورت اولاد کو راستہ پر پھینک دیتے تھے، ارسطو اور افلاطون جیسے نامور حکیم

تمام دنیا مین قتل اولاد کسی نہ کسی صورت مین رائج اور جائز تھا

اس بات کو جائز رکھتے تھے، کہ ضعیف اولاد ضایع کردی جائے، ارسطو کی رائے بھی کہ
لنگڑے لڑکے پرورش کے قابل نہین، اسپارٹا مین جب لڑکا پیدا ہوتا تھا، تو بزرگان قوم
کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، اگر وہ تندرست ہوتا تھا تو زندہ رکھا جاتا تھا ورنہ ٹائجٹس پہاڑ پر
سے اسکو گرا دیتے تھے۔ اور بہت سی قومون مین اس قسم کا رواج پایا جاتا۔ سب سے
پہلے قرآن مجید نے اس جور وظلم کو مٹایا

اسلام نے قتل اولاد کو مٹایا

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ — اپنی اولاد کو قتل نہ کرو

وَکَذٰلِکَ زَیَّنَ لِکَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِھِمْ شُرَکَآؤُھُمْ — اور اسی طرح اُن کے شرکون نے، اولاد کے قتل کرنیکو اُن کی نظر مین اچھا دکھلایا

عورتون کے حقوق۔ عورت جو نوع انسانی کا نصف حصہ ہے، اُسکے حقوق کی
نسبت دنیا کے مختلف حصون مین سیکڑون ہزارون قانون سبنے لیکن عجیب بات یہ ہے
کہ اُس وقت تک اس فرقہ نے اپنے حقوق کی دوا نہ پائی جب تک اسلام دنیا پر سایہ افگن نہ ہوا،
دنیا کے مختلف ممالک کو، فطرت نے خاص خاص خصوصیتون مین ممتاز پیدا کیا تہا
ان مین روم کو قانون سے خاص مناسبت تھی جس طرح یونان کا فلسفہ۔ اٹلی کی مصوری،
ایران کی نفاست پسندی شہرت عام رکھتی تھی۔ اسی طرح روم کا قانون، تمام دنیا
مین، اعلی اور افضل تسلیم کیا جاتا تھا۔ روم کے قانون آج بھی تمام یورپ کے قوانین
کا سنگ بنیاد ہین، اس اعلی ترین قانون مین عورتون کے جو حقوق تھے وہ یہ تھے
عورت شادی کے بعد، شوہر کی زرخرید جایداد ہوجاتی تھی اسکا تمام مال ومتاع خود شوہر کی

عورتون کے حقوق

ملک ہوجاتا تھا۔ وہ جو کچھ زر و مال پیدا کرتی تھی سب شوہر کا مملوکہ ہوجاتا تھا، وہ کوئی عہدہ نہین پاسکتی تھی، وہ کسی کی ضامن نہین ہوسکتی تھی، وہ ادائے شہادت کے قابل نہ تھی وہ کسی سے کوئی معاہدہ نہین کرسکتی تھی یہانتک کہ مرنے کے وقت کوئی وصیت بھی نہین کرسکتی تھی[1]

رومن سلطنت نے جب عیسائی مذہب قبول کیا تو کچھ کچھ اصلاحین ہوئین لیکن وہ اصلاحین محض وقتی تھین یعنی چند روز کے بعد پھر وہی پُرانے اصول قائم ہوجاتے تھے ۵۸۶ء مین ایک بہت بڑا جلسہ یورپ مین اس مسئلہ کے طے کرنے کے لیے منعقد ہوا کہ عورت کی روح ہے یا نہین جلسہ نے بڑی فیاضی سے کام لیکر اس قدر تسلیم کیا کہ عورت، نوع آدم مین داخل ہے اور اسلیئے ذی روح بھی ہے لیکن اسکے پیدا کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ مرد کی خدمت کرے[1]

رومن لا

انگلستان مین ایک مدت تک اسی قسم کے قوانین جاری رہے یعنی نکاح کے بعد عورت کا وجود شوہر کا وجود ہوتا تھا وہ خود کسی قسم کا معاہدہ نہین کرسکتی تھی۔ اس کی تمام جائداد شوہر کی ملک ہوجاتی تھی، اور وہ اسکو جس طرح چاہتا صرف کرسکتا تھا، تیس برس سے کم ہوئے کہ وومن ایکٹ بنا جس سے ان قوانین مین اصلاح ہوئی تاہم بہت سی بے اعتدالیان ابتک قائم ہین،

یہودیون کے ہان نکاح درحقیقت عورت کا خرید لینا تھا اور اُس کی قیمت عورت کے باپ کو ملتی تھی۔

[1] برٹانیکا انسائیکلوپیڈیا بلفظ ومن (عورت)

ہندؤن کے ہان، بعینہ رومن کے سے قواعد تھے، یعنی اُس کی جائداد شوہر کو ملجاتی تھی وہ کسی قسم کی خودمختارانہ معاملہ ومعاہدہ کی مجاز نہ تھی، بیوی۔لڑکی۔مان وغیرہ کو میراث کا کوئی حصّہ (بجز حق پرورش کے) نہین ملتا تھا،

عرب جو اسلام کا سرچشمہ ہے وہان یہ حالت تھی کہ عورت کو وراثت کا مطلقاً کوئی حصّہ نہین پہنچتا تھا۔باپ مرتا تھا تو اُسکی بیویان، بیٹے کو وراثت مین ملتی تھین اور وہ اُن کو اپنی بیویان بنالیتا تھا، نکاح کے چار طریقے تھے، جن مین سے تین طریقے حسب ذیل تھے دو شخص اپنی بیویون کو مدت معین کے لئے آپسمین بدل لیتے تھے، چند آدمی ایک عورت کے ساتھ مباشرت کرتے تھے، اور دوسرے تیسرے دن وہ عورت اُن مین سے کسی کے پاس کہلا بھیجتی تھی کہ تم سے مجکو حمل رہ گیا ہے۔پھر وہ اُس کی اولاد قرار پاتی تھی۔ چند آدمی ایک عورت کے ساتھ ہم صحبت ہوتے تھے، اور جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو قیافہ شناس یہ فیصلہ کرتا تھا کہ فلان شخص کا نطفہ ہے چنانچہ وہ اُس کی اولاد قرار پاتا تھا چنانچہ نکاح کی یہ تینون صورتین صحیح بخاری مین حضرت عائشہؓ کی روایت سے مذکور ہین۔

اسلام نے عورتون کو کیا حقوق دیے

اب دیکھو، قرآن مجید نے عورتون کے حق مین کیا کیا؟ لیکن اسکے بتانے کے قبل اس امر کا ذکر کرنا ضرور ہے، کہ یورپ کے اکثر مصنفون کا دعوی ہے کہ "اسلام میں جسقدر احکام او مسائل ہین وہ سب دوسرے مذاہب کی نقل ہین، شارع اسلام نے اپنی طرف سے خود کوئی نیا مسئلہ اضافہ نہین کیا"، عورتون کے متعلق عیسائیون۔یہودیون، ہندؤن کے ہان جو قواعد تھے وہ تم پڑھ چکے، اب خیال کرو، کہ اسلام نے انکی نقل کی ہے یا خود ایسے

فلسفیانہ اصول اور مسائل قائم کیے جن کی طرف کبھی کسی کا خیال بھی نہین پہنچا تھا،

سب سے پہلے قرآن مجید نے یہ بتایا کہ عورت و مرد مین کس قسم کا فطری تعلق ہے، اور یہ کہ عورت، انسانی معاشرت کی جزو اعظم اور مرد کی راحت و تسلی ہے

وَخَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (روم)	اور تمہارے لیے خود تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم اون کے پاس آرام پاؤ اور تم دونون مین محبت اور پیار پیدا کیا

پھر مختلف پیرایون مین یہ ظاہر کیا کہ مرد، عورت، برابر درجہ کے دو رفیق ہین، دونون ایک دوسرے کے محتاج الیہ ہین، دونون کے تعلقات ۔ دونون کی حیثیت ۔ دونون کے حقوق برابر درجہ کے ہین

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ)	عورتین تمہارا لباس ہین اور تم اُنکا
لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ	عورتون پر مردون کے جو حقوق ہین اُسی قسم کے اُنکے حقوق مردون پر

قرابت کے تعلقات کے جو مدارج ہین، ان مین مرد عورت، ایک درجہ پر ہین مثلاً ماں۔ باپ۔ کا ایک درجہ ہے، بہن بھائی کی ایک حیثیت ہے چچا اور پھوپی کا یکسان مرتبہ ہے، قرآن مجید مین باپ ماں کا جہان ذکر ہے برابر درجہ کی حیثیت سے ہے

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا	اور ماں باپ سے نیکی کرنا۔ اور جو کوئی ان دونون مین سے بڈھا ہو جائے تو نہ جھڑک اُن کو اور نہ ڈانٹ بتا۔ اور اُنسے ادب کی بات کر۔ اور اُن کے آگے پیار سے عاجزی کے کندھے جھکا اور کہہ کہ اے خدا ان پر رحمت کر

كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا | جس طرح دونون نے مجکو بچپن مین پالا

مان کے حقوق کو زور دیکر بیان کیا

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا (احقاف) | مان نے اسکو پیٹ مین تکلیف کیساتھ رکھا اور تکلیف سے جنا

رومیون اور ہندؤن کے اس قانون کے مقابلہ مین کہ عورت، کا مال ومتاع سب شوہر کا ہوجاتا ہے۔ قرآن نے یہ کہا

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ | مرد جو کمائین وہ انکا ہی، اور عورتین جو کمائین وہ انکا

ہندؤن مین، اور خود عرب جاہلیت مین عورت جو میراث سے بالکل محروم رہتی تھی اُسکے مقابلہ مین یہ کہا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ | باپ مان، اور رشتہ دارون کی وراثت مین۔ مردون کا حصہ ہے
وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ | اور (اسیطرح) باپ مان اور رشتہ دارونکی وراثت مین عورتونکا حصہ

دختر کشی کے رسم کو ان لفظون سے مٹایا اور اس طرح مٹایا کہ تیرہ سو برس سے آج تک، مسلمانون مین ایک واقعہ بھی وجود مین نہ آیا۔

وَاِذَا الْمَوْءُوْدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ | اور جب کہ مؤدۃ (زندہ دفن کی ہوئی لڑکی) سے قیامت مین سوال ہوگا کہ کس جرم پر وہ قتل کی گئی تھی،

جاہلیت مین دستور تھا، کہ جب کوئی شخص مرجاتا تھا تو اسکے بھائی زبردستی اس کی بیوہ سے نکاح کرلیتے تھے، یا اس کو نکاح سے باز رکھتے تھے، اور جب اُس سے کچھ رقم وصول کرلیتے تھے تب شادی کی اجازت دیتے تھے ان رسمون کو یہ کہکر مٹایا۔

لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَّلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	تم کو یہ جائز نہین کہ زبردستی عورتونکو وراثت مین لے لو۔ اور نہ یہ کہ انکو روکے رکھو تاکہ جو کچھ اسکو مل چکا ہی اس مین سے کچھ لے لو

مہر جو لڑکی کے باپ کو ملتا تھا اور جس کے عوض وہ گویا لڑکی کو فروخت کر دیتا تھا اس کے بجائے یہ کہا

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (نساء) | اور دو عورتون کو اُن کے مہر خوشی سے

روزانہ معاشرت مین عورتون کے ساتھ جس لطف، محبت، یگانگیت، مساوات کے ساتھ پیش آنا چاہیے اُس کو ان جامع الفاظ مین ادا کیا

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ | اور معاشرت کرو عورتون سے بہ طرز معقول

زن وشوہر کے تعلقات مین سب سے اہم اور نازک مسئلہ طلاق کا مسئلہ ہے اس بحث کے نازک اور مشکل ہونے کا یہ اثر تھا کہ باوجودیکہ دنیا کی تمام قومون نے اس کے متعلق مختلف پہلو اختیار کیے لیکن سب کے سب غلط تھے اور آج بھی جب کہ دنیا اس قدر ترقی کر گئی ہے، یہ غلطیان قائم ہین۔ عیسائیون مین اس قدر سختی ہے کہ زنا کے سوا کسی حالت مین طلاق ہو ہی نہین سکتی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کل یورپ مین جو تہذیب وتمدن کا مرکز ہے اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ نہایت سخت ناگوار اور پرفضیحت واقعات پیش آتے رہتے ہین، سیکڑون زن وشوہین جن مین حد درجہ کی سوءمزاجی اور نااتفاقی ہے، ناموافقت نے دونون کا عیش تلخ کر دیا ہے، ملنا جلنا بالکل بند ہے، ازدواج کے جو فوائد اور مقاصد ہین وہ بالکل معدوم ہین، سالہا سال اسی کوفت مین بسر ہوتے ہین لیکن اس مصیبت سے چھوٹ کی

یہ تدبیر بھی اگر کارگر نہ ہوئی اور مرد نے قطعی ارادہ کرلیا کہ طلاق دے گا، تو اس ناگزیر صورت
مین اسلام نے **طلاق** کی اجازت دی، لیکن اسکے ساتھ کس قدر مختلف باتون کا لحاظ کیا
سب سے پہلے یہ کہ طلاق کا یہ طریقہ بتایا کہ تین مہینے مین تدریج طلاق دی جائے
یعنی ہر مہینہ مین ایک طلاق، (اصطلاح مین اس فاصلہ کو عدت کہتے ہین) یہ فاصلہ اس غرض
سے مقرر کیا کہ شاید اس اثنا مین سوچ سمجھکر، مرد اپنی راے سے باز آجاے ۔
اس کے ساتھ پھر فرمایا

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا (بقرۃ رکوع ۲۸)	اور اُن کے خاوندون کو زیادہ حق ہے کہ واپس لے لین، اگر چاہین صلح کرنی

پھر یہ قاعدہ مقرر کیا کہ

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ	پھر اگر مرد نے طلاق دیدی تو اب وہ عورت، اسکیلیے کبھی حلال نہ ہوگی جبتک وہ دوسرا نکاح نکرے (اور شوہر ثانی بھی اُسکو طلاق نہ دیدے)

اس قید کے لگانے سے یہ غرض ہے کہ مرد کو یہ خیال پیدا ہو کہ اگر مین نے طلاق دیدی
اور آیندہ چل کر میری طبیعت اتفاقاً پھر اُس کی طرف مائل ہوئی تو اب اُس کے ہاتھ
آنے کی کوئی صورت نہ رہےگی، بجز اس کے کہ وہ دوسرے کے تصرف مین رہکر آئے
اور یہ ظاہر ہے کہ اس عار کو کون گوارا کریگا ع عقیق کندہ نام دگرچہ کار آید
اسکے ساتھ یہ قرار دیا کہ طلاق دینا کوئی خانگی معاملہ نہین، بلکہ اُس کو قوم کے سامنے ظاہر
کرنا اور شہادت دلوانا پڑے گا

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ	پھر جب وہ پہنچین اپنے عدت کو ۔ تو یا رکھ لو انکو معقول طریقہ پر۔ یا چھوڑ دو معقول طریقہ پر، اور گواہ مقرر کر لو اپنے معتبر آدمی ۔ اور ٹھیک گواہی دو خدا کے لیے

اس سے یہ غرض ہے کہ طلاق جب ایک پبلک معاملہ قرار پائیگا اور اس کے ثبوت کے لیے گواہ اور شاہد مقرر کرنے ہونگے تو غیر متند آدمی مشکل سے طلاق پر آمادہ ہوگا

ان تمام باتون کے ساتھ مرد نے طلاق دے ہی دی تو اس صورت مین قواعد ذیل کی پابندی ضروری قرار دی

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُیُوْتِهِنَّ (سورہ طلاق) اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ۔ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ	عدت کے زمانہ مین عورتون کو ان کے گھرون سے نہ نکالو انکو رہنے کا مکان دو جہان تم خود رہتے ہو اپنی مقدور کے موافق، اور ان کو نقصان نہ پہنچاؤ دق کرنے کو ۔ اور اگر وہ حاملہ ہون تو بچہ جننے تک انکا نان و نفقہ دو ۔ اور اگر وہ دودھ پلائین تمھاری خاطر تو ان کو اجرت دو ۔ اور آپس مین نیکی کے ساتھ معاملہ کرو ۔
وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ	اور مطلقہ عورتون کو دستور کے موافق کھانا کپڑا ہی حق ہے پرہیزگارون پر

اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ طلاق دیکر عورت کو محبوس رکھتے تھے، اور اس کو نکاح ثانی کرنے نہین دیتے تھے جس سے کبھی تو خواہ مخواہ عورت کو ستانا منظور ہوتا تھا کبھی یہ مقصد ہوتا تھا کہ اس کو دق کرکے مہر معاف کرالین، یا کوئی حصہ چھڑوالین، کبھی صرف اس خیال سے

صرف یہ تدبیر ہے کہ زنا کا واقعہ ثابت کیا جائے، بڑے بڑے اکابر اور اعیان سلطنت عدالتون مین اپنی بیویون کی زناکاری کا دعویٰ کرتے ہین اور سیکڑون ہزارون آدمیونکے مجمع مین اس شرمناک واقعہ کی شہادت پیش کرتے ہین، مدتون یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس سے متعلق جو کاغذات مرتب ہوتے ہین، وہ ہر قسم کی فضیحتی - رسوائی - بے شرمی - اور بے حیائی کا انبار ہوتے ہین لیکن یہ سب اس لیے گوارا کرنا پڑتا ہے کہ ان بیچارے عیسائیون کے بغیر عورت کے پنجہ سے رہائی نہین ہوسکتی - ہندو قانون بھی اس باب مین عیسائیون ہی کے مشابہ ہے

دوسری طرف یہودی ہین جن کے ہان بات بات پر طلاق جائز بلکہ مستحسن ہے کھانے مین نمک تیز ہوجائے یا اپنی بیوی سے زیادہ خوبصورت عورت ہاتھ آجائے تو بے تکلف طلاق دی جاسکتی ہے - اب دیکھو اسلام نے اس نازک اور دقیق مسئلہ کو کیونکر حل کیا

قران مجید نے پہلے مختلف پیرایون مین یہ تلقین کی کہ مرد و عورت کا تعلق نفس پرستی اور رفع شہوت کے لئے نہین ہے بلکہ حسن معاشرت اور پایدار ربط و الفت کیلیے ہے

مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسَافِحِيۡنَ	قید مین رہنے کو نہ مستی نکالنے کو
وَخَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا	اور تمھاری جنس سی تمھارے لیے بیویان پیدا کین تاکہ تم تسکین پاؤ
اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً	اُنسے اور تم دونون مین پیار اور محبت پیدا کی

اب فرض کرو کہ کسی مرد کو عورت ناپسند آئے اور وہ اس سے قطع تعلق کرنا چاہے اس صورت مین اسلام نے تاکید کی کہ مرد کو تحمل و صبر سے کام لینا چاہیے

فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْـًٔا	تو اگر تم ان کو ناپسند کرو تو یہ ہوسکتا ہے کہ تمکو ایک چیز ناپسند ہو اور
وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا (نساء)	خدا اس مین بہت کچھ بھلائی پیدا کرے

یہی تلقین عورت کو بھی کی

وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِھَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا	اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کیطرف سے ناراضی یا بیرخی کا ڈر
فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَھُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَیْرٌ (نساء)	ہو تو ان مین کچھ مضائقہ نہین کہ دونون صلح کرلین اور صلح اچھی چیز ہے

پھر عورت کی بدخوئی اور بدمزاجی کے رفع کرنے کی تدبیرین بتائین کیونکہ بدمزاجی کو ہمیشہ برداشت کرتے رہنا حقیقت مین تکلیف مالایطاق ہے

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ	اور جن عورتون کی نافرمانی کا تمکو خوف ہو تو ان کو نصیحت کرو
فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ	اور انکو چھوڑدو انکی خوابگاہ مین۔ اور انکو مارو (خفیف طور پر) پھر
فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا	وہ اگر کہامان لین۔ تو انکے خلاف حیلے نہ ڈھونڈھو۔

اسپر بھی اگر اتفاق اور آشتی ممکن نہو تو اس صورت مین قبل اسکے کہ خود مرد اور عورت کوئی فیصلہ کرین، اس بات کا حکم دیا کہ قوم کو اس معاملہ مین مداخلت کرنی چاہیے کیونکہ اس قسم کے معاملات مین، جو تمدن اور معاشرت انسانی سے تعلق رکھتے ہین، ہر شخص مجموعہ قومی کا ایک جزو ہے اور اس کے افعال اور اعمال کا اثر تمام قوم پر پڑتا ہے اس لئے پبلک اور قوم کو اس مین مداخلت کا حکم دیا اور فرمایا

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فَابْعَثُوْا	اور اگر تمکو خوف ہو کہ باہمین ناراضی ہوجائیگی تو ایک پنچ مرد کے
حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا	گھرانے سے۔ اور ایک عورت کے گھرانے سے مقرر کرو

اولاد ذکور کے سوا۔ باپ بھائی۔ ماں بہن وغیرہ کو وراثت مین سے کچھ حصہ نہین ملتا تھا۔
یورپ آج کل اسقدر تہذیب وتمدن مین ترقی کرگیا ہے لیکن وراثت کا اب تک وہی قاعدہ ہی
کہ صرف اولاد اکبر وارث ہوتی ہے

اب غور کرو کہ تمدن اور اصول فطرت کے لحاظ سے وراثت کے کیا اصول ہونے

وراثت کس اصول پر مبنی ہے

چاہئیں، اس بحث کا مدار دو سوالون پر ہے، ایک یہ کہ دولت کا زیادہ افراد مین منقسم ہونا اور
پھیلنا بہتر ہے یا ایک دو فرد مین محدود رہنا، دوسرے یہ کہ کسی شخص کے مرجانے پر اسکی
جائداد اس کے عزیزون کو کیون ملتی ہے،

علم تمدن کے اساتذہ نے یہ طے کردیا ہے کہ دولت کی مقدار جسقدر زیادہ افراد
مین تقسیم ہوکر پھیلے اسی قدر زیادہ مفید ہے۔ متمدن اور وحشی ممالک مین یہی چیز ممیز اور فارق
ہے شخصی سلطنتون مین عموماً یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ بادشاہ اور اسکے ارکان بیحد
دولتمند ہوتے ہین، باقی تمام لوگ عموماً نادار اور کم مایہ ہوتے ہین بخلاف اس کے شایستہ
ممالک مین، بادشاہ سے لیکر انفار کے طبقہ تک، دولت درجہ بدرجہ علی قدر المراتب اترتی
آتی ہے۔

اسلامی قواعد وراثت کا اثر ہوا عقلیہ پر مبنی ہیں

اس اصول کا لحاظ صرف اسلام کے قواعد وراثت مین پایا جاتا ہے، اسلامی قانون کے
مطابق میت کے تمام رشتہ دار وقریب، درجہ بدرجہ وراثت سے متمتع ہوتے ہین، ماں
باپ چچا۔ دادا بھائی بہن پھوپھی۔ خالہ۔ ماموں وغیرہ سب، وراثت مین کچھ نہ کچھ حصہ رکھتے
ہین وراثت کا اصلی اصول میت کا تعلق اور قرابت ہے یعنی جن لوگون کو میت سے

میت سے تعلق تھا، اور جو لوگ میت کے شریک رنج و راحت اور اس کے اعضا و جوارح تھے،
ان کو میت کی جائداد میں سے حصہ ملنا چاہیے، اس اصول کے موافق یہ نہایت تنگدلی
ہے کہ صرف ایک قسم کے رشتہ دار، وراثت کے لیے خاص کر دیے جائیں، بے
شبہہ رشتہ داروں کے مراتب متفاوت ہیں، اور فرق مراتب کا لحاظ ضرور ہے لیکن
یہ صریح ظلم اور نا انصافی ہے کہ بجز ایک قسم کے رشتہ دار کے باقیوں کو بالکل محروم کر دیا گیا ہے
اور یورپ کا یہ قانون تو بالکل خلاف عقل ہے کہ صرف اولاد اکبر، وارث ہو، اولاد کو
جو تعلق میت سے ہے وہ تمام اولاد کو یکسان حاصل ہے، باوجود اس کے صرف کبیر السن
ہونے کی وجہ سے ایک کو ترجیح دینا اور باقیون کو بالکل محروم کر دینا بالکل اصول فطرت
کے خلاف ہے۔

اسلام نے نہایت دقیق اور نازک فرق مراتب کا لحاظ رکھا ہے، میت کو جن جن
رشتہ دارون سے جس درجہ کا تعلق تھا، نہایت دقت نظر سے اُن کے مراتب متعین کیے
اور اسی نسبت سے، اُن کے مختلف اور کم و بیش حصے مقرر کیے

حقوق عامۂ ناس۔ اسلام نے عام جماعت انسانی سے، نیکوکاری۔ خوش خلقی۔ فیاضی
رحمدلی۔ کے ساتھ پیش آنے کا حکم نہایت اصرار اور تاکید کے ساتھ دیا ہے، لیکن ہم اس
موقع پر اُن کا ذکر نہیں کرتے کیون کہ اخلاق حسنہ کی عام تعلیم، تمام مذاہب کا اصل اصول ہے
اور اس مین کسی خاص مذہب کی خصوصیت نہین، البتہ جو چیز ترجیح اور تفوق کا معیار ہے
وہ یہ ہے کہ اور مذاہب نے غیر مذہب والون یا غیر قومون کے ساتھ کس قسم کے

روکتے تھے کہ اپنی بیوی کا دوسرے کے نکاح مین آنا عار خیال کیا جاتا تھا۔ ان باتون کی اس طرح اصلاح کی۔

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (بقرہ)

اور ان کو اس غرض سے روک نہ رکھو کہ ان پر ظلم کرو۔ اور جو شخص ایسا کرے گا تو اپنے نفس پر ظلم کرے گا

فَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (بقرہ)

پھر جب تم عورتون کو طلاق دو اور انکی عدت پوری ہو جائے تو تم ان کو نہ روکو کہ وہ اپنے (آیندہ) شوہرون سے شادی کرین

اگر مطلقہ عورت کو حمل ہے، تو بچہ جننے کے دو برس بعد تک، مرد کو اسکا کھانا کپڑا دینا پڑیگا

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَي الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ)

اور مائین اپنے بچون کو پورے دو برس تک دودھ پلائین۔ جو شخص یہ چاہے کہ پوری مدت تک دودھ پلوائے اور مرد پر انکا کھانا اور کپڑا ہے دستور کے موافق۔

اکثر یہ ہوتا تھا کہ نکاح کے وقت مہر بہ تعداد کثیر باندھتے تھے لیکن جب طلاق دیتے تھے تو مہر کا دینا گران گذرتا تھا، اس لیے مختلف تدبیرون سے عورت پر زور ڈال کر مہر کو گھٹاتے تھے، اس نکے لیے فرمایا۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ

اور اگر تم چاہو، ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کر لی، اور اور دے چکے ایک کو یعنی پہلی بیوی کو، خزانہ تو اب اس سے کچھ واپس نہ لو، کیا تم لینا چاہتے ہو ناحق اور صریح گناہ سے اور کیونکر لے سکتے ہو، حالانکہ ایک دوسرے تک پہنچ چکا ہے

وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۔ | زناشوئی کے تعلقات وقوع مین آچکے)

ان تمام احکام کا ماحصل یہ ہے کہ مرد نہایت سخت مجبوریون سے اگر عورت کو طلاق دے تو تین مہینے کی مدت مین بہ تدریج ایک ایک طلاق دے، طلاق کے بعد عدت کے زمانہ تک جسکی تعداد تین مہینے ہے، اس کے مصارف کا بار شوہر کے ذمہ ہوگا اس مدت مین عورت کو کافی موقع ملیگا کہ اپنے لیے نیا شوہر ڈھونڈھے، اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل، اور اس کے بعد دو برس تک اور عورت کے مصارف شوہر کے ذمہ ہونگے، اس کے علاوہ مہر جو مقرر ہوا تھا وہ کل کا کل ہاتھ آئے گا اور عورت کو تنگدستی کے ہاتھوں تکلف نہ اٹھانی پڑیگی

کیا اس سے زیادہ، کوئی حکیم، اور کوئی مقنن، عورتون کے لئے عمدہ قانون بنا سکتا ہے؟ اور کیا اسلام کے سوا، دنیا کے کسی اور مذہب مین، اس رحم اور مراعات کی نظیر ملسکتی ہے؟[1]

وراثت

وراثت منجملہ ان قوانین کے جن مین، دنیا کی قومین ہمیشہ مختلف الآرا رہی ہین اور آج بھی ہین، یہ مسلہ بھی ہے، عیسائیون مین صرف اولاد اکبر جائداد غیر منقولہ کی وارث ہوتی ہے باقی اولاد کو گذارہ ملتا ہے، اولاد کے سوا باقی رشتہ دار بالکل محروم رہتے ہین۔

ہندون مین کل اولاد ذکور وارث ہوتی ہے لیکن اولاد ذکور کے سوا، اور قرابت دارون کو کچھ نہین ملتا۔ لڑکیون کو صرف نان ونفقہ ملتا ہے

عرب مین۔ عورتون کو مطلق وراثت نہین پہونچتی تھی، بلکہ جہان تک معلوم ہے،

[1] اس بات کا بتا دینا بھی ضرور ہے کہ یہ تمام احکام وہ ہین جو قرآن مجید اور احادیث کے رو سے ثابت ہین

سلوک کی تعلیم کی ہے؟

دنیا مین بڑی بڑی قومین جو تمام دنیا پر چھا گئی تھین، ہندو- پارسی- عیسائی اور یہودی تھے- ہندو مذہب نے ہندوستان کی تمام قومون کو جو آرین نہ تھین شودر کا لقب دیا اور باوجود اتحاد مذہب کے اُن کے لئے وہ قاعدے بنائے جس سے زیادہ سخت اور ذلت دہ قاعدے کسی کے خیال مین نہین آ سکتے وہ ہر قسم کی عزت آزادی- عہدہ اور اختیارات سے محروم کر دئے گئے انتہا یہ کہ اگر وید مقدس کی آواز اتفاقیہ کسی شودر کے کان مین پڑجائے تو اُس کے کان مین سیسہ پلا دینا چاہئے کیون کہ اُسکے ناپاک کان اس مقدس آواز کے بھی مستحق نہین ؎

قدیم عیسائیون کے عروج کا اصلی زمانہ، رومن امپائر کا زمانہ ہے- یہ سلطنت ایک مدت دراز تک قائم رہی اور اس کو وہ سطوت وشان حاصل ہوئی کہ دنیا کے دور و دراز حصون مین ان کے نام سے لرزہ پڑجاتا تھا لیکن یہ عظیم الشان حکومت کیا تھی؟ فرنچ کی انسائیکلوپیڈیا مین اُس کا خاکہ ان لفظون مین کھینچا ہے[1]

رومن کا نظام سلطنت کیا تھا، وہ بیرحمی، اور سفاکی جس نے قانون کا لباس پہن لیا تھا، اُسکے جو فضائل تھے یعنی شجاعت مکر، پیش بینی- ترتیب- اتحاد باہمی وہ بعینہ چورون اور ڈاکوؤن کے فضائل تھے- اس کی وطنیت بالکل وحشیانہ تھی- سنے انتہا حُبِ جاہ اجنبی قومون کے ساتھ کینہ پروری، رحمدلی کے احساس کا فنا ہو جانا- ان چیزونکے سوا،

---

[1] تطبیق صفحہ ۳۷

وہاں بھی کچھ تفرقہ نہ آتا تھا۔ عظمت و شان جس چیز کا نام تھا وہ تمہاری۔ دُرّہ زنی۔ قیدیاں بے گناہ
کو سزا دینا۔ بچوں اور بوڑھوں سے گاڑی کھنچوانا تھا،،

یہودیوں نے غیر قوموں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کے اندازہ کرنے کے لئے صرف
یہ کافی ہے کہ خود توراۃ میں مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ دشمنوں کے ساتھ
ہزار آدمی جو گرفتار ہوئے تھے، ان میں سے عورتیں اور بچے بھی زندہ نہ رہنے پائیں
اور سب کے سب قتل کر دئے جائیں،،

اب دیکھو اسلام نے کیا کیا؟

اسلام نے غیر مذہب والی قوموں کو کیا حقوق دیئے

تمام دنیا کی تہذیب تو یورپ سے اٹھا دی، اسلام کا سرچشمہ عرب تھا لیکن اس نے ایران،
ہندوستان، ترک، تاتار، حبشی، افغانی غرض تمام دنیا کی قوموں کو اسلام قبول کرنے کے ساتھ
عرب کا ہمسر بنا دیا، یورپ آج اس قدر آزادی کا مدعی ہے لیکن غیر قوموں کے ساتھ
اس نے جو تفرقہ قائم رکھا ہے، اس کو کسی طرح دور نہیں کر سکتا، اگر کوئی شخص عیسائی ہو کر
یورپ والوں کا ہم مذہب ہو جائے تو بھی یورپ والے اس کو یہ تسلی دے سکتے ہیں کہ دنیا
ختم ہونے تک تمہاری قوم ہو گی لیکن اس ... فاصل ... قائم رہے گی
بڑی بات یہ تھی کہ اسلام نے یہ کیا کہ ... عرب
سے خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا، نوبت، نوبت، شاہنشاہیاں بخش دیں اور خود عرب کو
ان کا محکوم بنا دیا۔

مخالفین مذہب کی اسلام نے دو قسمیں قرار دیں،

(۱) ذمی اور معاہد یعنی وہ لوگ جو اسلام کی حکومت مین رہتے ہین یا جن سے صلح اور دوستی کا معاہدہ ہے

(۲) حربی یعنی جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہین ہے اور لڑائی اور مخاصمت قائم ہے یا قائم ہوسکتی ہے

ذمیون کو اسلام نے جان۔ مال۔ آزادی۔ عزت اور دیگر تمام حقوق کے لحاظ سے بالکل مسلمانون کا ہمسر بنا دیا لیکن چونکہ ہم نے اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام حقوق الذمیین[1] ہے اس لئے اس موقع پر ہم اسکی تفصیل نہین کرتے۔

حربیون کے ساتھ اسلام نے جس مراعات اور سلوک کا حکم دیا ہے وہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوگا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ	خدا کی راہ مین اُن لوگون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین اور اس حد سے آگے نہ بڑھو خدا حد سے بڑھ جانے والونکو پسند نہین کرتا
وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ	اگر تم بدلہ لو تو اسی طرح لو جیسا تم سے لیا گیا اور اگر صبر کرو تو صبر اچھا ہے۔ صبر کرنے والون کے لئے
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا	کسی قوم کی دشمنی تمکو اس بات پر آمادہ نکرے کہ تم انصاف نکرو

قرآن مجید مین اس قسم کے بھی اکثر الفاظ آتے ہین کہ وہ کافرون کو جہان پاؤ قتل کر دو، تمام کافرون سے لڑو، وہ کافر خدا کے دشمن ہین، ان آیتون سے بظاہر ثابت ہوتا ہے

[1] یہ رسالہ اور چند رسالونکے ساتھ چھپا ہو جسکا نام رسائل شبلی ہے اور مدرسۃ العلوم علی گڈھ سے مل سکتا ہے

کہ ہر مخالف مذہب سے دشمنی اور عداوت رکھنا مسلمانون کا فرض مذہبی ہے

اسی بنا پر بعض متعصب مسلمانون نے قرار دیا کہ پہلی قسم کی آیتین، منسوخ ہوگئین، لیکن اس تناقض کو خدا نے خود رفع کر دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ	جو لوگ تم سے مذہبی لڑائی نہین لڑے اور تم کو تمھارے گھرون سے نہین نکالا۔ ان کی نسبت خدا تم کو اس بات سے منع نہین کرتا کہ تم اُن کے ساتھ بھلائی کرو، اور ان کے ساتھ انصاف کرو۔ خدا تو تم کو ان لوگون سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے، جو تم سے مذہبی لڑائی لڑے اور تم کو تمھارے گھرون سے نکالا۔ اور تمھارے نکالنے پر اعانت کی۔ اور جو لوگ ایسے لوگون سے دوستی کرتے ہین وہ ظالم ہین

ان آیتون سے صاف ظاہر ہے کہ بجز اُس صورت کے کہ مخالفینِ مذہب، مسلمانون سے مذہبی لڑائی لڑین اور اُن کو اُن کے ملک سے نکال دین یا نکال دینے پر اعانت کرین، اور کسی صورت مین، اُن سے دوستی رکھنا یا اُن کے ساتھ بھلائی کرنا ممنوع نہین۔ عیسائی اور بعض اور مذہبون مین بظاہر اس سے زیادہ فیاضانہ احکام نظر آتے ہین مثلاً انجیل مین ہے کہ "اگر تمھارے ایک گال پر کوئی شخص تھپڑ مارے تو تم دوسرا گال بھی پھیر دو کہ یہ بھی حاضر ہے"

لیکن یہ اُس قسم کی باتین ہین جو بظاہر نہایت خوشنما ہین لیکن واقع مین فضول ہین کیونکہ

فطرت انسانی کے خلاف ہین اور اس وجہ سے عملی صورت مین کبھی ان کا ظہور نہین ہو سکتا
اسلام کو جو تمام مذاہب پر ترجیح ہے وہ اسی بنا پر ہے کہ افراط و تفریط دونون سے
الگ ہے اور اس کے جسقدر احکام ہین۔ تمام فطرت انسانی کے موافق ہین

بقیہ عقائد

بقیہ عقائد

اسلام کی اصلی بنیاد جن اصول پر قائم ہے، وہ صرف توحید اور نبوت ہے،
مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ یہ اسلام بالکل سادہ، صاف، اور مختصر ہے اور
یہی سادگی ہے جس کی بنا پر اسلام کو اور تمام مذاہب پر ترجیح ہے، اسی سادگی پر یورپ کا
ایک محقق ان الفاظ مین حسرت ظاہر کرتا ہے، اگر کوئی حکیم عیسائی مذہب کے طول طویل
اور پیچ عقائد مذہبی پر نظر ڈالے گا تو بول اٹھیگا کہ آہ! میرا مذہب ایسا سادہ اور صاف
کیون نہ ہوا کہ مین ایمان لاتا ایک خدا پر اور اس کے رسول محمدؐ پر، یہی دو لفظ تھے جنکے
زبان پر لانے سے اور یقین کرنے سے دفعۃً کافر مسلمان گمراہ، ہدایت یافتہ، شقی سعید،
اور مردود مقبول بنجاتا تھا، لیکن زمانہ کے امتداد اور طبائع کے اختلاف نے اس متن
پر سیکڑون حاشیے بڑھا دیے، اور اب اسلام ایک ایسے مجموعہ مسائل کا نام ہو گیا ہے
جس کو قرون اولی کے لوگ سمجھانے سے بھی نہ سمجھتے اور عرب جن پر قرآن اترا
تھا وہ تو آج بھی نہین سمجھ سکتے، طرہ یہ کہ یہی نوزائیدہ مسائل، کفر اور اسلام کا معیار
قرار پاگئے، قرآن مجید مخلوق ہے یا قدیم؟ صفات الٰہی عین ذات ہین یا غیر؟ اعمال جزو ایمان ہین

یا خارج؟ قرونِ اوّل میں ان مسائل کا پتہ بھی نہ تھا لیکن زمانہ مابعد میں انہی کو کفر و اسلام کی حدِ فاصل قرار دیا گیا تا آنکہ علم کلام میں تم پڑھ چکے ہو گے کہ ان مسائل کی بنا پر کیا کیا قیامتیں برپا ہوئیں، بہرحال اب یہ مسائل، علم کلام کے ساتھ ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ جدید علم کلام میں نفیاً یا اثباتاً ان کے ذکر سے چارہ نہیں۔

ان مسائل پر دو حیثیتوں سے بحث کرنی چاہئے۔

(۱) ان مسائل کی نوعیت

مسائل عقائد کی نوعیت

(۲) علم کلام کو واقعی ان سے کس حد تک تعلق ہے

پہلی بحث یہ بحث علم کلام کی تاریخ میں ہم مفصلاً لکھ چکے ہیں یہاں صرف اسقدر بتا دینا ہے کہ یہ مسائل دو قسم کے ہیں بعض ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید یا حدیثوں میں سرے سے نہیں ہے لیکن چونکہ متکلمین کے نزدیک وہ توحید اور نبوت کے عوارض ذاتی ہیں اسلئے ان سے بحث کرنی ضرور ہے کیونکہ ان کے بغیر توحید اور نبوت کی تکمیل نہیں ہو سکتی مثلاً قرآن مجید کا حادث یا قدیم ہونا یہ مسئلہ اگرچہ بتصریح قرآن و حدیث میں مذکور نہیں لیکن جو عقائد قرآن مجید میں مذکور ہیں، انکے لوازم میں سے ہے کیونکہ قرآن، کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی خدا کی صفات میں سے ہے اور جو چیز کسی چیز کی صفت ہوتی ہے وہ اسکے ساتھ قائم ہوتی ہے، اب اگر قرآن مجید حادث ہو، تو ذات باری بھی حادث ہو گی کیونکہ جو چیز حوادث کا محل ہوتی ہے وہ بھی حادث ہوتی ہے، اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ ذات باری قدیم ہے

اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہیں۔

بعض مسائل ایسے ہین جو قرآن مجید مین مذکور ہین لیکن چونکہ ان کی کیفیت
مذکور نہین اسلئے ہر فرقے نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق کیفیت کی تعیین کی، اس
تعیین سے بالذات اور نیز بواسطہ بہت سے مسائل پیدا ہوگئے مثلاً معاد کی کیفیات،
قرآن مجید مین نہایت کثرت سے معاد کا ذکر ہے لیکن کیفیت کی تصریح نہین، اشاعرہ نے
اسکی کیفیت یہ قرار دی کہ بعینہ وہی جسم دوبارہ پیدا کیا جائے گا جو دنیا مین موجود تھا،
حکماے اسلام کے نزدیک معاد کو جسم سے تعلق نہین، عذاب و ثواب جو کچھ ہوگا روح
پر ہوگا اور جسم کو دوبارہ پیدا کرنے کی ضرورت نہین کیونکہ روح جوہر بسیط ہے اور وہ
پیدا ہوکر فنا نہین ہوتی [illegible] پہلی قسم کے مسائل یعنی جنکا ذکر قرآن مجید یا احادیث
صحیحہ مین بصراحت نہین ہے وہ درحقیقت علم کلام مین داخل نہین لیکن چونکہ آج تک سات سو
برس سے وہ گویا اسلام کے اجزا بن گئے ہین اسلئے انکا ذکر ضرور ہے چنانچہ وہ حسب ذیل ہین۔

مسائل عقائد جو قرآن مین مذکور نہین

اشاعرہ	دیگر فرق
(۱) خدا کسی جہت مین نہین	حنابلہ و اکثر محدثین اسکے مخالف ہین۔
(۲) خدا کے جسم نہین ہے	کرامیہ اسکے مخالف ہین، ابن تیمیہ جسم کا قائل ہے
(۳) خدا جوہر و عرض نہین	ابن تیمیہ وغیرہ کے نزدیک جوہر ہے
(۴) خدا کسی زمانہ مین نہین [illegible]	

لہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۰ مین یہ تقسیم کی ہے اور اس پہلی قسم کی نسبت لکھتے ہین
کہ کسی شخص کا اہل سنت وجماعت سے ہونا ان مسائل کی بنا پر نہین ہے۔

(۵) خدا کسی غیر کے ساتھ متحد نہین ہوسکتا

وحدۃ وجود والون کے نزدیک ہر چیز خدا ہے۔

(۶) خدا کی ذات مین کوئی حادث چیز قائم نہین ہوسکتی

کرّامیہ اسکے مخالف ہین۔

(۷) خدا کی صفات عین ذات نہین

حکماے اسلام اور اکثر معتزلہ کے نزدیک عین ذات ہین

(۸) خدا قادر بالذات ہے یعنی فعل اور ترک فعل کا مختار ہے

بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک موجب بالذات ہے یعنی جسطرح آفتاب سے روشنی صادر ہوتی ہے اسی طرح خدا سے افعال صادر ہوتے ہین۔

(۹) خدا تمام ممکنات کا فاعل بالذات ہے۔

بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک خدا واحد بالذات ہے اور جو چیز واحد بالذات ہے اس سے بالذات صرف ایک ہی چیز صادر ہوسکتی ہے چنانچہ خدا نے صرف عقل اول کو پیدا کیا اور پھر عقل اول سے واسطہ در واسطہ تمام مخلوقات پیدا ہوئی۔

(۱۰) خدا کا ارادہ قدیم ہے

معتزلہ کے نزدیک حادث ہے۔

(۱۱) خدا کا کلام قدیم ہے اور وہ کلام نفسی ہے

حنبلیون کے نزدیک خدا کا کلام گو قدیم ہے لیکن کلام نفسی نہین بلکہ حرف اور صوت کا نام ہے معتزلہ کے نزدیک کلام الٰہی حادث ہے اور حرف وصوت کا نام ہے۔

(۱۲) انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہین۔ وہ خدا کے اختیار سے سرزد ہوتے ہین۔ انسان کی قدرت اور اختیار کو کچھ دخل نہین	معتزلہ کے نزدیک، انسان کا ارادہ اور قدرت خود اُسکے افعال کی علت ہی البتہ یہ ارادہ اور قدرت، خدا نے اس مین پیدا کی ہی
(۱۳) خدا کے افعال معلل بالاغراض نہین	معتزلہ کے نزدیک، خدا کے ہر فعل کی غرض وغایت ہے۔

(۱۴) بقا ایک صفت وجودی ہے جو اصل وجود پر زائد ہے،

(۱۵) سمع وبصر جو خدا کے اوصاف ہین تمام محسوسات سے متعلق ہو سکتے ہین۔

(۱۶) کلام باری مین کثرت نہین بلکہ وہ واحد محض ہے۔

(۱۷) خدا کا کلام نفسی مسموع ہو سکتا ہے۔

ان عقائد کے سوا اور بھی بہت سے عقائد ہین لیکن مہمات مسائل یہی ہین اسلئے ہمنے انھی پر اکتفا کی،

دوسری قسم کے عقائد وہ ہین جن کا ذکر قرآن مجید مین ہے،

جوامور قرآن مین مذکور ہین لیکن انکی کیفیت مذکور نہین

یہ عقائد زیادہ اُن چیزون سے متعلق ہین جو روحانیات یا عالم غیب مین داخل ہین، مثلاً وجود ملائکہ۔ حشر ونشر۔ بہشت ودوزخ۔ صراط۔ میزان وغیرہ، چونکہ انکا ذکر خود قرآن مین تھا اسلئے اجمالاً تمام اسلامی فرقون نے ان کو مانا لیکن ان کی حقیقت اور ماہیت کے متعین کرنے مین اختلاف ہوا بعض فرقون نے الفاظ کے بالکل ظاہری معنی لئے بعض نے مجاز اور استعارہ کو دخل دیا، بعض نے خاص خاص لفاظ مین کچھ تاویل نہین کی بلکہ یہ کہا کہ روحانیات

کے سمجھانے کا یہ ایک طریقہ ہے۔ یہ اختلاف اگرچہ خود مقتضای فطرت تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ خود قرآن مجید میں اس کا اشارہ موجود تھا،

قرآن مجید میں ایک آیت ہے،

مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ۔ (آل عمران رکوع ۱)

قرآن مجید کی بعض آیتیں صاف ہیں اور وہی ام الکتاب ہیں اور بعض مبہم ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ مبہم آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فساد پیدا کریں اور تاکہ ان کی تاویل کریں، حالانکہ ان کی تاویل بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا یا وہ لوگ جو علم میں پکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔

اختلاف اس طرح پیدا ہوا کہ ایک فریق نے وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کو الگ جملہ قرار دیا جس کے رو سے یہ معنی ہوئے کہ جو آیتیں مبہم ہیں انکی تاویل خدا کے سوا کوئی جانتا۔ یا تو جو لوگ راسخ فی العلم ہیں وہ صرف یہ کہکر رہ جاتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے دوسرے فریق کے نزدیک وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ الگ جملہ نہیں ہے بلکہ پہلے جملہ پر عطف ہے، اس تقدیر پر معنی یہ ہوئے کہ مبہم آیتوں کی تاویل بجز خدا کے اور بجز ان لوگوں کے جو علم میں پکے ہیں اور کوئی نہیں جانتا پہلے معنی کے قائل حضرت عائشہ حسن بصری۔ مالک ابن انس۔ کسائی۔ فرا اور جبائی وغیرہ ہیں۔ دوسرے معنی کے

---

[1] تفسیر کبیر۔ آیۃ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ

قائل مجاہد ربیع بن انس اور اکثر متکلمین ہین۔ عبداللہ بن عباس سے دونون روایتے
اس اختلاف سے ایک اور اختلاف پیدا ہوا یعنی یہ کہ کون سی آیتین محکم ہین اور کون سی مبہم
اس بنا پر عقائد بحوث فیہا مین متعدد اختلافات پیدا ہوئے۔

(۱) عقائد جن آیتون مین مذکور ہین وہ مبہم ہین یا نہین ؟

(۲) مبہم ہین تو انکی تاویل کرنی چاہیے یا نہین ؟

(۳) تاویل کرنی چاہیے تو کیونکر ؟

چونکہ آئندہ ہر جگہ تاویل کی بحث آئیگی اس لئے سب سے پہلے ہم کو تاویل کا فیصلہ کرنا چاہیے یعنی یہ کہ تاویل کی کیا حقیقت ہے ؟ تاویل مطلقاً ناجائز ہے یا کہین جائز ہے اور کہین ناجائز ؟ اگر بعض موقع پر جائز ہے تو جواز کا کیا قاعدہ ہے ؟ تاویل کو کفر و اسلام کا معیار کہانتک قرار دیا جا سکتا ہے

تاویل کی حقیقت

تاویل کے معنی اصل لغت مین مرجع و مصر کے ہین اور اصطلاح مین تعبیر اور تفسیر کو کہتے ہین قرآن مجید مین یہ لفظ اکثر انھی معنون مین استعمال ہوا ہے سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا لیکن علمی یا تفسیر اصطلاح مین تاویل کے یہ معنی ہین کہ کسی لفظ کے ظاہری اور لغوی معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی لئے جائین۔

اسلام مین جسقدر فرقے ہین حشویہ کے سوا باقی سب نے تاویل کو جائز رکھا ہے، امام احمد بن حنبل کی نسبت اگرچہ روایت ہے کہ وہ بالکل مخالف تھے تاہم تین موقع پر وہ بھی تاویل کو جائز رکھتے تھے۔ غرض اصل تاویل کے جواز مین (بجز حشویہ کے)

اور کسی کو کلام نہین، گفتگو جو کچھ ہے وہ تاویل کے موقع اور محل مین ہے یعنی کہان جائز ہے اور کہان نہین ۔ اسلامی فرقون مین ظاہر پرستی اور دقیقہ سنجی کے لحاظ سے جو فرق مراتب تھا اسی نسبت سے تاویل کا دائرہ بھی محدود اور وسیع ہوا سب سے پہلا درجہ ارباب ظاہر کا ہے، ان کے نزدیک کہین تاویل جائز نہین ۔ مثلاً قرآن مجید مین ہے کہ ہم نے آسمان و زمین سے کہا کہ بخوشی یا باکراہ حاضر ہو" دونون نے کہا ہم مطیعانہ حاضر ہین،، یا مثلاً قرآن مین ہے کہ جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہین تو کہتے ہین کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے،، ارباب ظاہر کے نزدیک ان آیتون مین وہی لغوی معنی مراد ہین یعنی یہ کہ فی الواقع زمین و آسمان نے یہ الفاظ کہے تھے اور فی الواقع خدا ہر چیز کے پیدا کرنے کے وقت کن کا لفظ کہا کرتا ہے، امام ابوالحسن اشعری کا مذہب اسی کے قریب ہی، قرآن مجید مین ہی کہ خدا کے دونون ہاتھ کھلے ہوئے ہین، امام موصوف نے کتاب الابانہ مین تصریح کی ہے کہ ان الفاظ کے اصلی معنی مراد ہین، کوئی مجاز یا استعارہ نہین ہی۔

ارباب ظاہر کے بعد عام اشاعرہ ۔ پھر ماتریدیہ ۔ پھر معتزلہ ۔ پھر حکماء اسلام ہین اس بحث مین سب سے اہم امر تاویل کے اصول کا انضباط ہے یعنی کن موقعون پر تاویل جائز ہے اور کن موقعون پر نہین امام غزالی نے احیاء العلوم مین اور فصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ مین اسپر نہایت خوبی سے بحث کی ہی اس لئے ہم اسکا لفظی ترجمہ نقل کرتے ہین،

تاویل کے متعلق امام غزالی کی رائے

احیاء العلوم جزء اول کتاب قواعد العقائد فصل ثانی مین ہے،

اگر تم یہ کہو کہ اس بات سے تو معلوم ہوتا ہی کہ ان علوم کا ایک ظاہر ہی اور ایک باطن جنمین سے

بعض نہایت واضح ہین اور ابتداءً ذہن مین آجاتے ہین بعض مخفی ہین جو مجاہدہ ریاضت کد و کاوش
اور فکر صحیح سے حاصل ہوتے ہین اور وہ بھی اسوقت کہ دنیا کی تمام چیزون سے فارغ الذہن ہو کر انھی پر
توجہ کیجاسکے، حالانکہ یہ بات بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتی ہو کیونکہ شریعت مین ظاہر و باطن
دو الگ چیزین نہین ہین بلکہ شریعت کا جو ظاہر ہو وہی باطن ہو جو مخفی ہو وہی آشکارا ہو،
تو تم کو یہ جاننا چاہیئے کہ ان علوم کا مخفی و جلی ہونا ایسی بات ہو جس سے کوئی صاحب فہم انکار
نہین کرسکتا۔ صرف وہ لوگ اسکا انکار کرتے ہین جنھون نے بچپن کے زمانہ مین کچھ سن لیا اور
اسی پر جم گئے انھون نے بلندی کیطرف اور علما و اولیا کے مقامات کیطرف ترقی نہین کی، اور یہ خود
شریعت کے دلائل سے ثابت ہو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قرآن کے معنی ایک ظاہر ہین اور ایک باطن
ایک حد ہو اور ایک مطلع۔ (یہ حدیث صحیح نہین مترجم) حضرت علی نے اپنے سینہ کیطرف اشارہ کرکے
فرمایا کہ اسمین بڑے بڑے علوم ہین کاش انکا کوئی حامل ملتا" آنحضرت نے فرمایا ہو کہ ہم پیغمبر لوگ ہین
ہم کو یہ حکم ہو کہ ہم لوگون سے انکی عقل کے موافق بات کرین" (یہ حدیث بھی مرفوع نہین بلکہ حضرت
علی کا قول ہو) آنحضرت نے فرمایا ہو کہ اگر کوئی بات کسی قوم کے سامنے بیان کیجائے اور وہ
انکی عقل سے باہر ہو تو انکے حق مین فتنہ ہوگی خدا نے کہا ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ
وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ آنحضرت نے کہا ہو کہ بعض علوم پوشیدہ ہین جن کو صرف
عارفان الہی جانتے ہین، الخ، اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو کچھ مین جانتا ہون، اگر تم بھی جانتے
تو ہنستے کم اور روتے زیادہ"
اب بتاؤ اگر یہ راز کی باتین نہ تھین جنکے ظاہر کرنے سے آپ کو اس بنا پر منع کیا گیا تھا کہ لوگ

اُن کو نہین سمجھ سکتے تھے یا اور کوئی مصلحت تھی تو آنحضرت نے انکو ظاہر کیون نہین فرمایا؟ اور یہ
ظاہر ہی کہ اگر آنحضرت بیان کرتے تو لوگ بہرحال تصدیق کرتے ابن عباس نے اس آیت کے متعلق
اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلہن کہا ہو کہ اگر اس آیت کی تفسیر مین بیان کرون
تو تم لوگ مجکو پتھر مارو گے اور دوسری روایت مین ہی کہ تم کہو گے کہ عبد اللہ بن عباس کافر ہی
اور ابوہریرہ کا قول ہی کہ مین نے آنحضرت سے دو قسم کی باتین یاد کین، ایک کو شایع کیا،
اور دوسرے کو اگر شایع کرون تو میری یہ گردن کاٹ ڈالی جائیگی، اور آنحضرت نے فرمایا کہ ابوبکر
کو جو فضیلت تم لوگون پر ہی وہ زیادہ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے نہین ہی بلکہ اس راز کی وجہ سے
ہی جو اُنکے سینہ مین امانت ہی" اور یہ ظاہر ہی کہ یہ راز بھی دین ہی کے اصول کے متعلق تھا ورنہ جو چیز مذہب کے
اصول مین داخل تھی وہ ظاہری طور پر اون لوگون سے مخفی نہین رہ سکتی تھی۔ سہل تستری کا قول ہی کہ
علما کے پاس تین قسم کے علوم ہوتے ہین (۱) علم ظاہر جسکو وہ اہل ظاہر کے سامنے پیش کرتے ہین،
(۲) علم باطن جو صرف ان لوگون پر ظاہر کیا جاتا ہی جو اُسکے اہل ہوتے ہین، (۳) وہ علم جس کا تعلق صرف
خدا سے ہوتا ہی اور کسی کے سامنے ظاہر نہین کیا جاتا" بعض عرفا کا قول ہے کہ ربوبیت
(خدائی) کا بھید ظاہر کرنا کفر ہی بعضون کا قول ہی کہ "ربوبیت ایک ایسا راز ہی کہ اگر ظاہر کر دیا
جائے تو نبوت بیکار ہو جائے، اور نبوت ایک ایسا راز ہی کہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو علم بیکار ہو جائے
اور علما کو خدا کے ساتھ ایسا راز ہی کہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو تمام احکام باطل ہو جائین" اس قائل کا
غالبًا مطلب یہ ہی کہ نبوت اکثر آدمیون کے نزدیک باطل ہو جائیگی ورنہ اگر یہ مطلب نہ ہو
تو یہ قول غلط ہے بلکہ سچ یہ ہی کہ ان دونون مین تناقض نہین کیونکہ کامل وہی ہے

جسکا نورِ معرفت، نورِ تقویٰ کو بجھائے اور تقویٰ کا عزیز ثبوت ہو۔ اگر تم یہ کہو کہ ان آیات اور روایات مین تاویل ہوسکتی ہی ورنہ ظاہر و باطن مین کیونکر اختلاف ہوسکتا ہی کیونکہ باطن اگر ظاہر کا مخالف ہی تو شریعت باطل ہوجائیگی اور یہ وہی بات ٹھہریگی کہ حقیقت خلاف شریعت ہی اور یہ کفر ہی کیونکہ شریعت ظاہر کا نام ہی اور حقیقت باطن کا اور اگر شریعت و حقیقت دونون ایک ہی ہین تو پھر دوئی کیسی؟ اس صورت مین شریعت مین کوئی قابل اخفا راز نہوگا اور ظاہر و پنہان ایک ہوگا۔

تو تم کو جاننا چاہیے کہ یہ سوال ایک بڑی مہم کی سلسلہ جنبانی کرتا ہی اور علم مکاشفہ کیطرف منجر ہوتا ہی اور علم المعاملہ کی غرض و غایت سے دور رہنا پڑتا ہی حالانکہ ان تصنیفات کا مقصد صرف علم المعاملہ ہی۔ کیونکہ جو عقائد اوپر مذکور ہوچکے وہ اعتقادات قلبی مین داخل ہین اور ہم نے انپر تقلید الیقین کیا ہی نہ کشف حقیقت کے طور پر کیونکہ تمام لوگ کشف حقیقت پر مجبور نہین کیے گئے ہین، اور اگر یہ اعتقاد اعمال مین داخل نہوتے تو ہم اس کتاب مین انکا ذکر بھی نہ کرتے۔ اور اگر یہ بات نہوتی کہ وہ دل کی ظاہری حالت سے متعلق ہین نہ باطنی تو ہم اس کتاب کے حصہ اول مین اس کا ذکر نہ کرتے باقی حقیقی انکشافات ہونا تو یہ قلب کے باطن سے متعلق ہی، تاہم چونکہ گفتگو کا موقع ایسا پڑتا ہی کہ ظاہر و باطن مین تناقض کا خیال پیدا ہوتا ہی اسلیئے مختصر طور پر اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہی۔

وہ اسرار جنکا فاش کرنا منع ہی انکی پانچ قسمین ہین

جو شخص یہ کہتا ہی کہ شریعت و حقیقت یا ظاہر و باطن باہم مخالف ہین وہ اسلام کے بجائے کفر سے زیادہ قریب ہی، اصل یہ ہی کہ جو اسرار مقربین سے مخصوص ہین، اور جنکو اور لوگ نہین جانتے اور جنکا

فاش کرنا منع ہے انکی پانچ قسمین ہین،

(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ وہ بات فی نفسہ دقیق ہے اور اکثر طبیعتین اسکے سمجھنے سے عاجز ہین تو وہ خواہ مخواہ مقربین کے ساتھ مخصوص ہوگی اور انکا فرض ہوگا کہ اس کو نا اہلون پر ظاہر نکرین ورنہ اُنکے حق مین وہ موجب فساد ہوگی۔ کیونکہ انکے فہم کی وہان تک رسائی نہین ہو سکتی، اسی بنا پر جب لوگون نے آنحضرت سے روح کی حقیقت پوچھی تو آنحضرت نے اعراض کیا، کیونکہ روح کی حقیقت، عام لوگونکی فہم مین نہین آسکتی، اور وہم اس کی حقیقت کے دریافت سے عاجز ہے، یہ نہ سمجھو کہ آنحضرت کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ تھی، کیونکہ جو شخص روح کی حقیقت نہین جانتا وہ اپنی حقیقت نہین جانتا اور جو شخص اپنی حقیقت نہین جان سکتا وہ خدا کو کیا پہچان سکتا ہے بعض علما اور اولیا کو روح کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، لیکن وہ لوگ آداب شریعت کا لحاظ رکھتے ہین اور اسوجہ سے جس موقع پر انبیا نے سکوت کیا ہے وہ بھی سکوت کرتے ہین۔ روح پر کیا موقوف ہے، خدا کی صفات مین وہ باریکیان ہین جنکو عوام نہین سمجھ سکتے چنانچہ آنحضرت نے خدا کے صرف ظاہری صفات مثلاً علم۔ قدرت وغیرہ بیان کین، انکو بھی لوگون نے اسوجہ سے سمجھا کہ وہ خود بھی علم اور قدرت رکھتے تھے اسلئے خدا کی قدرت اور علم کو اُسپر قیاس کر سکے، ورنہ اگر خدا کے وہ اوصاف بیان کئے جائین جنکے مشابہ کوئی صفت انسان مین موجود نہین ہے تو انسان اسکا تصور نہین کر سکتا، بلکہ جماع کی لذت کو اگر کسی بچہ یا نامرد کو سمجھانا چاہو تو وہ نہین سمجھ سکتا بجز اسکے کہ یہ کہا جائے کہ کھانے مین جو لذت ہے، اسکے مشابہ ہے، لیکن یہ سمجھانا درحقیقت سمجھانا نہین، ہے خدا کے علم وقدرت، اور انسان کے علم وقدرت مین جو فرق ہے وہ اس سے کہین زیادہ ہے جس کھانے کی

لذت اور جماع کی لذت مین ہے۔

مختصر یہ کہ انسان صرف اپنی ذات اور صفات (موجودہ یا گذشتہ) کا تصور کرتا ہی پھر اپنے آپ پر قیاس کرکے دوسرون کی ذات وصفات کا بھی تصور کرتا ہے اور یہ بھی اندازہ کرسکتا ہی کہ دونون مین شرف وکمال کے لحاظ سے فرق ہے، اس بنا پر انسان جو کچھ کرسکتا ہی اُس سے زیادہ نہین کرسکتا کہ خود اسمین جو اوصاف پائے جاتے ہین مثلاً فعل۔ قدرت علم۔ وغیرہ انھی کو خدا مین بھی ثابت کرے، صرف یہ فرق ہوگا کہ خدا کی صفات کو اپنی صفات سے نہایت بالاتر قرار دیگا۔ تو انسان درحقیقت اپنے ہی صفات کا اثبات کرتا ہی نہ اُن صفات کا جو خدا کے مخصوص صفات ہین اسی بنا پر آنحضرت نے فرمایا ہی کہ "اے خدا! مین تیری توصیف اس طرح نہین کرسکتا جس طرح تو نے خود کی ہی" اس حدیث کے یہ معنی نہین کہ آنحضرت کو خدا کے صفات معلوم تھے اور اُن کو ادا نہین کرسکتے تھے بلکہ آپکو اعتراف تھا کہ مین خدا کی صفات کی حقیقت سمجھنے سے معذور ہون "بعض بزرگون نے کہا کہ خدا کی حقیقت خدا ہی سمجھ سکتا ہی، اور حضرت ابوبکرؓ کا قول ہے کہ وہ خدا تعریف کا مستحق ہے جس نے اپنے پہچاننے کا یہ طریقہ رکھا ہے کہ اسکے نہ پہچان سکنے کا اقرار کیا جائے"

وہیان پہونچکر ہم کو قلم کی زبان روک لینی چاہیے اور اپنے مقصد کی طرف واپس آنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ ان پانچ قسمون مین سے ایک وہ مسائل ہین جو فہم کے دائرہ سے باہر ہین انھی مین روح کا مسئلہ بھی ہی، خدا کے بعض صفات بھی اس مین داخل ہین، حدیث ذیل مین بھی اسی طرف اشارہ ہی "خدا کے ستر پردے ہین، جو نور کے ہین اور اگر وہ اُٹھ جائین تو دیکھنے والے

جل کر رہ جائین،

(۲) دوسری قسم کے اسرار جن کو انبیا اور صدیقین ظاہر نہین کرتے وہ وہ ہین کہ بجاے
خود قابل فہم ہین لیکن انکا ذکر اکثرون کے حق مین مضر ہے، گو انبیا اور صدیقین کے حق مین مضر
نہین ہے مثلاً جبر و قدر کا مسئلہ جسکا ظاہر کرنا اہل علم کو ناجائز ہے، اور یہ کچھ تعجب کی بات نہین کیونکہ بعض
حقایق کا ذکر بعض لوگون کے حق مین مضر ہو۔ مثلاً آفتاب کی روشنی چمگادڑ کے حق مین،
اور گلاب کی خوشبو گبریلے کے حق مین مضر ہے، مثلاً یہ عقیدہ کہ کفر، زنا، معاصی اور برائیان
سب خدا کے حکم اور ارادہ اور مشیت سے ہین فی نفسہ سچ ہے لیکن یہی بات اکثرون کے
حق مین مضر ہے، کیونکہ یہ امر ان کے نزدیک سفاہت کی دلیل ہے، اور حکمت کے خلاف ہے اور
گویا برائی اور ظلم کو جائز رکھنا ہے چنانچہ ابن الراوندی اور بعض اور نالائق اسی بنا پر ملحد ہو گئے
قضا و قدر کے مسئلہ کا بھی یہی حال ہے کہ اگر وہ ظاہر کر دیا جائے تو اکثر لوگون کو خدا کے عجز کا
گمان ہو گا، کیونکہ اس شبہہ کا جو اصلی جواب ہے وہ عام لوگون کے سمجھ مین نہین آسکتا،
اسکی مثال ایک شخص یون دے سکتا ہے کہ اگر یہ بتا دیا جاتا کہ قیامت کے آنے مین ہزار برس
یا کم و بیش کی دیر ہے تو ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا تھا لیکن اگر یہ تعیین کر دی جاتی تو خلاف
مصلحت ہوتا اور اسمین خلق کو ضرر پہونچتا۔ کیونکہ اگر قیامت کے آنے مین زیادہ دیر ہے تو لوگ
اس خیال سے کہ ابھی بہت دن ہین قیامت کی چندان پروا نہ کرتے۔ اور اگر قیامت کا زمانہ قریب ہے
اور وہ متعین کر دیا جاتا تو لوگون پر اس قدر خوف طاری ہو جاتا کہ کام کاج چھوڑ دیتے اور دنیا
برباد ہو جاتی۔ یہ مثال اگر صحیح ہو تو اسی دوسری قسم کی مثال ہو گی۔

(۳) تیسرے قسم کے وہ امور ہین کہ اگر صاف طور پر کہدیے جائین تو سمجھ مین آجائین اور اس مین کچھ ضرر بھی نہین لیکن ان کو استعارہ اور رمز کے پیرایہ مین اس غرض سے بیان کیا جاتا ہے کہ سننے والے کے دل مین اس کا اثر قوی ہوتا ہے اور مصلحت اسی کی مقتضی ہے کہ دیر زیادہ قوی اثر ہو مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے فلان کو دیکھا کہ وہ سور کی گردن مین موتیون کا ہار پہناتا تھا، اور اس سے مراد یہ ہو کہ وہ نا اہلون کو تعلیم دے رہا تھا تو سننے والا ظاہری معنی سمجھے گا لیکن محقق شخص جب غور کرے گا۔ اور اس کو معلوم ہوگا کہ وہان نہ سور تھا نہ موتی تو اصلی غرض کی طرف اس کا خیال منتقل ہوگا چنانچہ شاعر نے کہا ہے،

رَجُلاَنِ خَيَّاطٌ وَاٰخَرُ حَائِكٌ　　مُتَقَابِلاَنِ عَلَى السِّمَاكِ الْاَعْزَلِ

لَازَالَ يَنْسِجُ ذَاكَ خِرْقَةَ مُدْبِرٍ　　وَيَخِيطُ صَاحِبُهُ ثِيَابَ الْمُقْبِلِ

ان شعرون مین شاعر نے آسمانی اقبال و ادبار کو دو کاریگرون سے تعبیر کیا ہے، اس قسم کی تعبیر مین معنی مقصود کو ایسی صورت کے ذریعہ سے بیان کیا جاتا ہے جو عین معنی یا اس کی مثال پر مشتمل ہوتی ہے، اسی قسم مین آنحضرت کا یہ قول داخل ہے، کہ مسجد تھوک سے اس طرح کبیدہ ہو کر سمٹ جاتی ہے جس طرح چمڑا آگ پر رکھنے سے، حالانکہ بظاہر مسجد مین انقباض نہین پیدا ہوتا، لیکن مقصود یہ ہے کہ مسجد قابل تعظیم چیز ہے اور اس مین تھوکنا اس کی تحقیر ہے، اسلیے یہ فعل مسجد کی شان کے اسقدر مخالف ہے کہ گویا چمڑے کو آگ مین ڈال دینا ہے، اسی طرح آنحضرت کا یہ قول کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع سے سر اٹھاتا ہے وہ اس بات سے نہین ڈرتا کہ خدا اسکے سر کو گدہے کا سر بنا دے،، اگرچہ ظاہری صورت کے لحاظ سے ایسا کبھی واقع نہین ہوا

اور نہ کبھی ہوگا لیکن اصل مقصد کے لحاظ سے یہ صحیح ہے کیونکہ گدھے کے سر میں صورت وشکل کے لحاظ سے کوئی خصوصیت نہیں اس کی جو کچھ خصوصیت ہے وہ حماقت اور غباوت کے لحاظ سے ہے اور جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے حماقت کے لحاظ سے اسکا سر گویا گدھے کا سر ہے کیونکہ یہ انتہا سے حماقت ہے کہ ایک شخص کسی کے پیچھے چلتا ہو اور پھر اس سے آگے نکل جائے، یہ امر کہ اس موقع پر ظاہری معنی مقصود نہیں، دو طرح پر ثابت ہوتا ہے، یا دلیل عقلی سے یا دلیل شرعی سے، **دلیل عقلی** یہ کہ ظاہری معنی لینے ممکن نہ ہوں مثلاً آنحضرت کا قول کہ "مسلمانوں کا دل خدا کی دو انگلیوں میں ہے"، حالانکہ اگر مسلمانوں کے دل کھولے جائے تو اسمین کہیں انگلیاں نظر نہ آئینگی، اس سے معلوم ہوا کہ انگلیوں سے یہاں قدرت مراد ہے کیونکہ انگلی کی اصلی حقیقت قدرت اور طاقت ہے اور قدرت کی تعبیر انگلی سے اس لئے کیگئی کہ کمال اقتدار کی تعبیر کا یہ نہایت موثر طریقہ ہے اور اسی طرح کمال اقتدار کو ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے) یہاں ظاہری معنی کسی طرح نہیں لئے جا سکتے کیونکہ جو چیز معدوم ہے وہ قابل خطاب نہیں تعمیل کا کیا ذکر، اور اگر پیدا ہونے کے بعد یہ خطاب ہے تو تحصیل حاصل ہے، لیکن چونکہ کمال اقتدار کے ظاہر کرنے کا یہ عمدہ پیرایہ ہے اسلئے اس طریقہ سے اسکو ادا کیا گیا۔ **دلیل شرعی** کے یہ معنی کہ ظاہری معنی کا مراد لینا ممکن ہو لیکن روایت سے ثابت ہو گیا ہو، کہ وہ معنی مراد نہیں جیسا کہ اس آیت میں۔ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا الخ پانی سے قرآن اور وادیوں سے دل مراد ہیں جنہیں سے

بعض مین بہت سا خس وخاشاک ہی بعض مین کم۔ اور بعض مین بالکل نہین، اور جھاگ ہی کفر و نفاق مراد ہے کیونکہ گو وہ نمایان ہے اور پانی پر تیرتا رہتا ہے لیکن ناپائدار ہی اور ہدایت جو لوگون کو نفع رسان ہے قائم اور دیرپا ہے۔

اس تیسری قسم کو لوگون نے زیادہ وسعت دی ہی یہان تک کہ قیامت مین ترازو پُل صراط وغیرہ وغیرہ کا جو ذکر ہے ان کو بھی اسی پر محمول کیا ہی لیکن یہ بدعت ہی کیونکہ کوئی حدیث اس کے موافق منقول نہین اور اسکے ظاہری معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ نہین اسلیے اسلیے یہی معنی لینے چاہییں۔[1]

(۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو پہلے اجمالاً جانے پھر تحقیق اور ذوق سے اسکی حقیقت اس طرح سمجھے کہ ایک حالت طاری ہو جائے، ان دونون علمون مین ایسا فرق ہے جیسا چھلکے اور مغز مین یا ظاہر و باطن، مین اس کی یہ مثال ہے کہ جس طرح کسی شخص کو کوئی چیز تاریکی مین، یا بہت دور سے نظر آئے، اس صورت مین اس کو ایک قسم کا علم حاصل ہوگا لیکن جب روشنی مین یا قریب سے دیکھیگا تو دونون صورتون مین تفاوت معلوم ہوگا، دوسری حالت پہلی حالت کی مناقض نہ ہوگی بلکہ اس کی تکمیل ہوگی۔ علم تصدیق اور ایمان کی بھی یہی حالت ہے انسان، عشق، بیماری، یا موت کا یقین رکھتا ہی لیکن جب خود اسکو، یہ موقع پیش آتے ہین تو وہ یقین پہلے یقین سے کہین زیادہ کامل ہوتا ہے، بلکہ انسان کو شہوت اور عشق اور تمام دیگر جذبات کے متعلق مختلف حالتین ہوتی ہین۔ وہ یقین جو وقوع کے قبل ہوتا ہی، جو وقوع کے بعد ہوتا ہی

[1] امام صاحب اخیر مین ہی اشاعرہ کی بولی بول گئے اور احیاء العلوم جیسی کتاب مین اس قسم کا پردہ رکھنا ضرور تھا لیکن امام صاحب نے دوسری تصنیفات مین اس راز کو فاش کر دیا ہے۔

جو ختم ہو جانے کے بعد ہوتا ہے، آپس مین مختلف ہین مثلاً بھوک جب زائل ہو جاتی ہی تو اسکے بعد کی حالت اس سے مختلف ہوتی ہے جو عین بھوک کی حالت مین تھی، اسی طرح علوم دین کی حالت ہی کہ وجدان کے مرتبہ کو پہونچکر کامل ہوتے ہین، کمال سے جو پہلی حالت تھی وہ گویا ظاہر ہے اور کمال کی حالت گویا باطن ہی۔ ایک بیمار کے ذہن مین صحت کا جو مفہوم ہی وہ اس سے کہین مختلف ہی جو ایک صحیح کے ذہن مین ہے۔

ان چارون اقسام مین لوگون کی حالت متفاوت ہی حالانکہ ان سب حالتون مین باطن، ظاہر کی مناقض نہین بلکہ اس کا متمم ہے جس طرح مغز چھلکے کا متمم ہی

(۵) یہ وہ صورت ہی کہ زبان حال کو زبان مقال سے تعبیر کیا جاتا ہی، کوتاہ فہم ظاہر پر اٹکتا ہے اور اس کو حقیقی نطق سمجھتا ہی لیکن حقیقت شناس اصلی راز کو سمجھتا ہی یہ ایک ضرب المثل ہی کہ دیوار نے کھونٹی سے کہا کہ تو مجکو کیون چھیدتی ہے کھونٹی نے کہا کہ اس سے پوچھو جو مجکو ٹھوک رہا ہی کیونکہ مین خود مختار نہین ہون۔ یہان زبان حال کو زبان قال سے ادا کیا۔ اسیطرح قرآن کی یہ آیت

ثُمَّ اسْتَوىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ	پھر خدا آسمان کیطرف بڑھا جبکہ وہ دھوان تھا اور اس سے
لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا	اور زمین سے خطاب کرکے کہا کہ تم دونون بہ خوشی یا بہ
قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ	اکراہ، حاضر ہو دونون نے کہا ہم بہ خوشی آتے ہین

احمق آدمی اس کے یہ معنی قرار دیتا ہے کہ آسمان اور زمین بھی عقل و فہم رکھتے ہین اور یہ الفاظ حرف اور صورت کے ذریعہ سے خدا نے اُن سے کہے۔ زمین اور آسمان نے انکو سمجھا اور جواب دیا کہ ہم حاضر ہین لیکن نکتہ شناس جانتا ہی کہ یہ زبان حال ہی جس سے مراد یہ ہی کہ زمین اور آسمان خدا کے

ارادہ کے وابستہ ہین، اسی طرح پر خدا کا یہ قول ہے

وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ ایک چیز بھی ایسی نہین جو خدا کے حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو۔

کون آدمی اس آیت سے یہ سمجھتا ہے کہ جمادات مین حیات، عقل اور گویائی ہے اور وہ حقیقۃً سبحان اللہ کا لفظ ادا کرتے ہین لیکن نکتہ دان جانتا ہے کہ زبان قال مراد نہین بلکہ یہ مراد ہے کہ خود جمادات کا وجود خدا کی تسبیح - خدا کی تقدیس اور خدا کی وحدانیت کی شہادت ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

محاورہ مین کہتے ہین کہ یہ عمدہ صنعتگری - کاریگر کی حسن صنعت اور کمال فن کی شہادت ہے اس سے یہ مراد نہین ہوتی کہ وہ صنعت گری زبان سے بولتی ہے بلکہ اس کی حالت سے یہ معنی پیدا ہوتے ہین، اسی طرح جو چیز ہے وہ کسی موجد کی محتاج ہے جو اسکو پیدا کرتا ہے اور اسکو اور اسکے اوصاف کو قائم رکھتا ہے اور اس کی حالتون کو بدلتا رہتا ہے، یہ محتاج ہونا خود موجد کی تقدیس کی شہادت ہے لیکن اس شہادت کو صرف اہل نظر سمجھتے ہین نہ ارباب ظاہر جن کی سمجھ صرف ظاہر پر محدود ہے اسلیے خدا نے کہا

وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ لیکن تم لوگ ان کی تسبیح نہین سمجھتے

کوتاہ نظر تو مطلقاً نہین سمجھ سکتے علماے راسخین اور مقربین سمجھتے ہین لیکن وہ بھی کنہ اور ماہیت نہین سمجھتے۔ کیونکہ اشیا جو خدا کی تقدیس کی شہادت دیتی ہین ان کی شہادت مختلف قسم کی ہے اور ہر شخص اپنی عقل و بصیرت کے درجہ کے لحاظ ان کو سمجھتا ہے، ان شہادتون کے اقسام گنانا علم معاملہ کی حد سے باہر ہے۔

غرض یہ وہ مرحلہ ہے جس مین ارباب ظاہر اور ارباب باطن مین تفاوت اور فرق ہے اور یہین سے معلوم ہوتا ہے کہ باطن اور ظاہر مین فرق ہے،

اس مقام مین لوگون نے افراط و تفریط کی ہے۔ بعض اس قدر بڑھ جاتے ہین کہ سرے سے ظاہر کو اڑا دیتے ہین۔ یہان تک کہ جس قدر ظواہر اور براہین ہین کل یا قریباً کل کو بدل دیتے ہین مثلاً خدا کے ان ارشادات کو

وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ	اور ہم سے انکے ہاتھ باتین کرینگے اور انکے پاؤن شہادت دینگے اور وہ لوگ اپنے بدن کی کھال سے کہینگے کہ تم نے ہماری خلاف کیون گواہی دی کھالین کہینگی کہ ہم کو اس خدا نے گویا کر دیا جس نے تمام چیزونکو گویا کر دیا،

اسی طرح منکر و نکیر کے سوال و جواب۔ میزان۔ پل صراط حساب و کتاب۔ دوزخیون اور بہشتیون کے مناظرے، دوزخیون کا یہ کہنا کہ ہم کو تھوڑا سا پانی یا جو کچھ خدا نے تم کو دیا ہے دو۔ ان تمام باتون کو یہ لوگ زبان حال قرار دیتے ہین۔

دوسرے گروہ نے اس قدر مبالغہ کیا کہ سرے سے سدِ باب کر دیا۔ امام احمد بن حنبل انھی لوگون مین ہین، وہ کن فیکون کی تاویل سے بھی منع کرتے ہین اور یہ لوگ سمجھتے ہین کہ خدا ہر چیز کے پیدا کرنے کے وقت کُن کا لفظ بولا کرتا ہے، یہانتک کہ مینے امام احمد بن حنبل کے بعض مقلدین سے سنا کہ امام موصوف نے بجز تین حدیثون کے تاویل کو بالکل ناجائز قرار دیا وہ تین موقع یہ ہین "حجر اسود دنیا مین خدا کا دایان ہاتھ ہے" "مسلمان کا دل خدا کی دو انگلیون مین ہے"

مجلوں میں سے خدا کی بو آتی ہے،، امام احمد بن حنبل کی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ استوا علی العرش اور نزول کے معنی استقرار اور انتقال کے سمجھتے ہوں گے۔ البتہ انھوں نے تاویل کو بلحاظ پیش بندی اور نفع عام کے سبب سے روکا ہوگا۔ کیونکہ جب ایک دفعہ دروازہ کھل جاتا ہے تو بات قابو سے باہر ہوجاتی ہے اور اعتدال قائم نہیں رہتا، کیونکہ جب اعتدال سے آگے قدم بڑھا تو اسکی کوئی حد نہیں قرار پا سکتی اس بنا پر اس قسم کی روک ٹوک میں کچھ مضائقہ نہیں سلف کے طریقے سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے وہ لوگ ان موقعوں کی نسبت کہتے تھے کہ جسطرح روایت میں ہے اسیطرح پڑھو

امام مالک سے کسی نے استوا علی العرش کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا استوا معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت مجہول، اور اسپر ایمان لانا واجب اور سوال کرنا بدعت ہے،

بعض لوگوں نے اعتدال کا طریقہ اختیار کیا تو یہ کیا کہ خدا کے صفات کے متعلق جو نصوص ہیں اُن کی تاویل کی اور قیامت کے متعلق جو کچھ آیا ہے اُن کو بحال خود رہنے دیا اور اُن میں تاویل کرنے سے ممانعت کی۔ یہ لوگ اشعریہ ہیں معتزلہ نے ان پر ترقی کی یعنی صفات آلہی ہے سے مبرّیٰ ہوتے اور سمیع و بصیر ہونے کی تاویل کی معراج کو غیر جسمانی قرار دیا عذاب قبر میزان۔ پل صراط وغیرہ کی بھی تاویل کی تاہم اسبات کا اعتراف کیا کہ معاد جسمانی ہوگا، اور بہشت میں تمام ماکولات مشمومات و منکوحات اور دیگر لذات جسمانی ہوں گے،، اسی طرح دوزخ کا عذاب بھی جسمانی ہوگا اسمیں ایسا آتشین مادہ ہوگا جس سے بدن کی کھال جل جائیگی فلاسفہ (اسلام) نے اس سے بھی زیادہ ترقی کی اور کہا کہ قیامت کے باب میں جو کچھ وارد ہے وہ لذتیں یا تکلیفیں سب روحانی ہیں یہ لوگ معاد جسمانی کے منکر اور بقائے نفس کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ نفس کو جو کچھ عذاب

وثواب ہوگا وہ حسی نہین ہوگا۔

یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہین فلاسفہ کی اس آزادی اور حنبلیون کے جمود مین جو بین بین کا درجہ ہے وہ باریک اور غامض ہے اور اُس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہین جو توفیق یافتہ ہین اور جو تمام چیزون کو روایت سے نہین بلکہ خدائی روشنی سے دیکھتے ہین پھر جب اُنپر حقائق امور منکشف ہوجاتے ہین تو وہ روایت اور الفاظ پر نظر ڈالتے ہین، ان مین سے جو الفاظ، انکشاف کے موافق ثابت ہوتے ہین انکو بحال خود رہنے دیتے ہین اور جو مخالف ہوتے ہین انکی تاویل کرتے ہین باقی جن لوگون کا مدار صرف روایت پر ہو تو ان کا قدم کسی مقام پر ٹھہر نہین سکتا اور نہ انکو کوئی مستقر قرار پا سکتا، اور جو شخص محض روایت پر بھروسہ کرتا ہے اُسکو یہی مناسب ہے کہ امام احمد بن حنبل کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ اعتدال حقیقی کا ظاہر کرنا علم مکاشفہ مین داخل ہے، اور اس مین گفتگو کرنی طول کھینچتی ہے اسلئے ہم اسمین نہین گھستے؛

مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظاہر و باطن مخالف نہین ہین بلکہ موافق ہین ان پانچون اقسام کی تفصیل سے بہت سی باتین حل ہوگئین؛

امام صاحب نے اس نازک اور دقیق مضمون مین مبحوث اور مشتبہ مسائل کے جو پانچ اقسام قرار دیے اُن سے تاویل کا مسئلہ بہت کچھ حل ہوجاتا ہے، تاہم خاص اس بحث پر کہ تاویل کے کس قدر اقسام ہین؟ تاویل کے جواز کے کیا شرائط ہین، اور جواز کی حیثیت سے ان اقسام مین کیا ترتیب ہے، امام صاحب کا ایک خاص رسالہ ہے جس نے اس بحث کا پورا فیصلہ کردیا ہے اسلئے اس کا نقل کرنا بھی اس موقع پر ضرور ہے،

تاویل کے متعلق امام غزالی کی کتاب فیصل التفرقہ کا خلاصہ

وہ لکھتے ہین کہ اشیا کے وجود کی پانچ قسمین ہین

(۱) وجود ذاتی یعنی وجود حقیقی مثلاً آسمان وزمین کا وجود۔

(۲) وجود حسی یعنی وہ وجود جو صرف صاحب حس کے ساتھ خاص ہے، مثلاً خواب کے واقعات، یا مثلاً بعض بیمارون کو بیداری کی حالت مین صورتین نظر آتی ہین۔ انبیا علیہم السلام کو ملائکہ کی جو صورتین نظر آتی ہین امام صاحب اس کو بھی اسی قسم مین داخل کرتے ہین۔ چنانچہ اس قسم کے تحت مین لکھتے ہین۔

بَلْ قَدْ یَتَمَثَّلُ لِلْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ فِی الْیَقْظَۃِ وَالصِّحَّۃِ صُوَرٌ جَمِیْلَۃٌ مُحَاکِیَۃٌ لِجَوَاھِرِ الْمَلٰئِکَۃِ وَیَنْتَھِی اِلَیْھِمُ الْوَحْیُ وَالْاِلْھَامُ بِوَاسِطَتِھَا فَیَتَلَقَّوْنَ مِنْ اَمْرِ الْغَیْبِ مَا یَتَلَقَّاہُ غَیْرُھُمْ فِی النَّوْمِ وَذَالِکَ لِشِدَّۃِ صَفَاءِ بَاطِنِھِمْ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا وَکَمَا اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی جِبْرِئِیْلَ کَثِیْرًا۔	بلکہ کبھی انبیاء اور اولیا کو بیداری اور صحت مین خوبصورت صورتین نظر آتی ہین جو جواہر ملائکہ کے مشابہ ہوتی ہین انہی صورتون کے ذریعہ سے انبیاء اور اولیا کو وحی اور الہام ہوتا ہی تو غیب کے امور جو اورون کو خواب مین معلوم ہوتے ہین انبیاء اور اولیا کو صفائی باطن کی وجہ سے بیداری مین معلوم ہوتے ہین جیسا کہ خدا نے کہا ہی کہ مریم کے سامنے جبریل ٹھیک آدمی کی صورت بنکر آیا اور جیسا کہ آنحضرت نے جبریل کو اکثر دفعہ دیکھا تھا،

(۳) وجود خیالی یعنی وجود ذہنی،

(۴) وجود عقلی، مثلاً جب ہم کہتے ہین کہ یہ چیز ہمارے ہاتھ مین ہے اور اس سے مراد قبضہ وقدرت ہوتی ہی تو یہ ہاتھ کا وجود عقلی ہی کیونکہ ہاتھ کی اصلی غرض قبضہ اور قوت ہی

(۵) وجود شبہی یعنی خود وہ شے موجود نہین بلکہ اس کے مشابہ ایک چیز موجود ہے اسکی مثال امام صاحب نے (آگے چلکر) خدا کے غضب وغیرہ سے دی ہے کیونکہ غضب کے اصلی معنی دل کے خون کا جوش مین آنا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا ان چیزون سے بری ہے لیکن خدا مین ایک ایسی صفت پائی جاتی ہے جو غضب سے مشابہ ہے۔

ان اقسام کے بیان کرنے کے بعد امام صاحب لکھتے ہین۔

اعلموا ان کل من نزل قولاً من اقوال الشرع علیٰ درجۃ من ھذہ الدرجات فھو من المصدقین وانما التکذیب ان ینفی جمیع ھذہ المعانی،	جان لو کہ جو شخص شرع کی کسی بات کو ان درجات مین سے کسی ایک درجہ پر محمول کرتا ہی تو وہ شرع کی تصدیق کرنے والون مین ہی تکذیب کرنے والا وہ شخص ہے جو ان تمام معانی کی نفی کرتا ہی،

اس کے بعد امام صاحب نے ان مراتب کی ترتیب بتائی ہے یعنی یہ کہ جس چیز کا ذکر قرآن وحدیث مین ہو پہلے اس کا وجود ذاتی ماننا چاہیے، اگر کسی دلیل سے ثابت ہو کہ اُس شے کا وجود ذاتی نہین ہو سکتا تو حسی پھر خیالی۔ پھر عقلی، پھر شبہی، اس کے بعد ان مراتب کی مثالین دی ہین اور لکھا ہے کہ تاویل سے کسی فرقہ کو گریز نہین۔ مثلاً احادیث مین آیا ہے کہ اعمال تولے جائین گے چونکہ اعمال عرض ہین اور عرض تولا نہین جاسکتا اسلیے ہر فرقہ کو تاویل کرنی پڑی۔ اشعری نے یہ تاویل کی کہ اعمال نہین بلکہ اعمال کے کاغذات تولے جائینگے معتزلہ نے کہا نہین وزن سے مراد اندازہ کرنا ہے حقیقی ترازو مراد نہین۔

امام صاحب نے جو اقسام قرار دیے اور انکی جو حقیقت بیان کی وہ تاویل کے

مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام متاخرین مثلاً امام رازی۔ آمدی وغیرہ نے
تاویل کا فیصلہ اسی بنا پر کیا، لیکن ایک امر پھر بھی مشتبہ رہ گیا، اور امام غزالی کے بعد سے آجتک
سیکڑوں غلطیاں جو ہوتی آئیں سب اسی کی بدولت ہیں، امام صاحب نے تاویل کا ایک
اصول یہ قرار دیا کہ جب اس بات پر دلیل قطعی موجود ہو کہ ظاہری معنی مراد نہیں ہوسکتے تب
اور معانی کیطرف رجوع کرنا چاہئے" یہ اصول فی نفسہ بالکل صحیح ہے لیکن دلیل قطعی کا
لفظ تشریح طلب ہے، اور یہی لفظ ہے جس کی غلط فہمی نے سیکڑوں غلطیوں کا سلسلہ قائم کردیا ہے
امام صاحب اور امام رازی وغیرہ دلیل قطعی کے یہ معنی قرار دیتے ہیں کہ "جب
وجود ذاتی یعنی ظاہری معنی کے مراد لینے میں کوئی محال لازم آتا ہو" تو تاویل کرنی چاہئے،
محال کا لفظ استعمال میں محال عادی بلکہ مستبعدات پر بھی بولا جاتا ہے لیکن امام صاحب محال
عقلی کی قید لگاتے ہیں جس کی بنا پر تاویل کا یہ اصول ٹھیرا کہ جب ظاہری معنی کے مراد لینے
میں محال عقلی لازم آتا ہو، تب تاویل کرنی چاہئے، اس بنا پر امام صاحب حشر اجساد کے منکر
کو کافر کہتے ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک اجسام کا قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا محال عقلی
نہیں اسلئے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔

سب سے پہلے ہم کو دیکھنا چاہئے کہ خود امام صاحب اور دیگر ائمہ کلام نے اس
اصول کی پابندی کہاں تک کی ہے، امام غزالی اسی کتاب (فیصل التفرقہ) میں حضرت جبریل
کے وجود کو جبکہ وہ حضرت مریم کو نظر آتے تھے، وجود ذاتی نہیں قرار دیتے۔ حالانکہ انکے نزدیک
حضرت جبریل کا وجود ذاتی ممکن بلکہ وقوعی چیز ہے۔ جمادات کی تسبیح کا قرآن مجید میں

امام غزالی وغیرہ کی تحقیقات پر بحث

جو ذکر ہے امام صاحب اس کو اصلی معنی پر محمول نہین کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہین حالانکہ امام صاحب کے نزدیک جمادات کا تسبیح پڑھنا محالات عقلی مین داخل نہین، قرآن مجید مین ہے کہ خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ "ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے" اس کو امام صاحب اصلی معنی پر محمول نہین کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہین حالانکہ خدا کا یہ کہنا کوئی محال امر نہین، اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین جن کا شمار نہین ہو سکتا۔

اب ہم کو بجائے خود دیکھنا چاہیے کہ یہ اصول کہان تک صحیح ہے ہم جب کسی شخص کی نسبت کہتے ہین کہ وہ کشادہ دست ہے تو کیا ان الفاظ کے اصلی معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم آتا ہے، کیا اس شخص کے ہاتھون کا واقعی کھلا ہونا ممکن ہے، باوجود اس کے کوئی شخص ان الفاظ کے اصلی معنی مراد نہین لیتا بلکہ اس سے سخاوت اور فیاضی کا مفہوم سمجھتا ہے، ہر زبان مین سیکڑون مجازات ہوتے ہین کیا ان تمام مجازات مین حقیقی معنی کا مراد لینا کسی محال کا مستلزم ہوتا ہے؟

ان بحثون کے بعد محال کی بحث باقی رہ جاتی ہے محال عقلی خود ایک بحث طلب چیز ہے، ایک شخص ایک چیز کو محال سمجھتا ہے، دوسرا نہین سمجھتا خدا کا ذو جہت ہونا امام غزالی کے نزدیک محال ہے حنبلیون کے نزدیک ممکن ہے۔ موت کا مجسم ہو کر مینڈھا بن جانا، اشاعرہ کے نزدیک محال ہے۔ بہت سے محدثین کے نزدیک ممکن ہے امام صاحب نے اس بحث کا لحاظ رکھا اور حنبلیون کو اس بنا پر کافر نہین قرار دیا کہ وہ جن چیزون کو مانتے ہین مثلاً خدا کا ذو جہت اور ذو اشارہ ہونا وہ گو فی نفسہ محال ہے لیکن چونکہ ان کے

نزدیک محال نہین اس لئے وہ معذور ہین بے شبہہ یہ امام صاحب کی فیاض دلی ہے لیکن یہ فیاض دلی حنبلیون ہی تک کیون محدود رکھی جاتی ہے فلاسفۂ اسلام کے نزدیک اعادۂ معدوم عقلاً محال ہے، اس لئے وہ حشر اجساد کے قائل نہین اُن کو امام صاحب کیون کافر کہتے ہین؟

لفظ محال کی غلط تعبیر نے وہم پرستیون کی بنیاد ڈالی۔

اسی مسئلہ کی غلط فہمی نے ہزارون وہم پرستیون کی بنیاد ڈالی ہے، امام غزالی اور امام رازی وغیرہ نے محال عقلی کو جن معنون مین لیا اُس کے لحاظ سے بجز ایک دو چیز کے باقی تمام چیزین ممکن تھین اس لئے ہر جگہ ظاہری معنی کی پابندی کرنی پڑی، اور اُسکی بنا پر سیکڑون دور از کار باتون کا قائل ہونا پڑا اور یہ سلسلہ برابر ترقی کرتا گیا،

روایتون مین ہے کہ "آفتاب ہر روز عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے" "آسمان اس کثرت سے فرشتے ہین کہ اُن کے بوجھ سے آسمان سے چرچرانے کی آواز آتی ہے" "خدا نے ازل مین حضرت آدم کو جب پیدا کیا تو اُن کی بائین پسلی نکال لی اور اُسی سے حضرت حوا کو بنایا" "ازل مین حضرت آدم کی پیٹھ سے اُن کی تمام اولاد پیدا کی۔ پھر اُن سے اپنی خدائی کا اقرار لیکر اُن کو اُنکی پیٹھ مین بھر دیا" "سامری نے حضرت جبریل کے گھوڑے کے سُم کی خاک اُٹھالی اور مٹی کا بچھڑا بنا کر وہ خاک اُس کے پیٹ مین ڈالدی اُس کا یہ اثر ہوا کہ بچھڑا بولنے لگا" وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام واقعات مین ظاہری معنی مراد لینے مین اشاعرہ کی نزدیک، محال عقلی لازم نہین آتا اس لئے ظاہری معنی لینے پڑتے ہے۔

محال عقلی ہی کی یہ تشریح ہے جس نے تمام مسلمانونکو آج وہم پرستیون مین مبتلا کر رکھا ہے

ایک شخص آکر کہتا ہے کہ فلان درویش نے دریا کا تمام پانی دودھ کر دیا، فلان مجذوب نے اپنے بدن کی کھال اُتار کر رکھدی فلان کا پ نے سیکڑون مُردے زندہ کر دیے چونکہ یہ تمام واقعات اشاعرہ کی تشریح کے موافق محال نہین ہین اس لئے راوی کے متعلق کسی قسم کی تحقیق و تنقید کی ضرورت نہین پڑتی بلکہ یہ کہکر تسلیم کر لیے جاتے ہین کہ ان مین استحالہ کیا ہے؟ اور جب کوئی استحالہ نہین تو نہ ماننے کی کیا وجہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن مجید اگرچہ خدا کا کلام ہے لیکن عرب کی زبان مین اترا ہے اس لئے زبان عرب کی جو خصوصیات ہین سب اس مین پائی جاتی ہین اور پائی جانی چاہیین، اس مین مجازات- استعارات- تشبیہات سبھی کچھ ہین اور اُسی طرح ہین جو زبان عرب کا عام انداز ہے،

مجازات اور استعارات کے لئے یہ ضرور نہین کہ اصلی معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم آتا ہو- حمالة الحطب کے معنی لکڑیان چننے کے ہین، لیکن چغل خور کو بھی کہتے ہین- قرآن مجید مین ابو لہب کی جورو کو حمالة الحطب کہا ہے یہان اصلی معنی مراد لینے بھی ممکن ہین لیکن اہل لغت چغلخور کے معنی لیتے ہین اور کوئی شخص انکو اس بنا پر کافر یا گمراہ نہین کہتا کہ انھون نے بلا وجہ اصلی معنی سے عدول کیا ظاہری معنی سے عدول کرنیکے لئے یہ لازم نہین کہ اس کا مراد لینا محال عقلی ہو بلکہ اکثر جگہ سیاق کلام اور طرز استعمال خود بتاتا ہے کہ اصلی معنی مقصود نہین، قرآن مین ہے کہ ہم نے آسمان و زمین سے کہا کہ تمھارا جی چاہے یا نہ چاہے تم کو حاضر ہونا چاہئے دونون نے کہا کہ ہم بہ خوشی حاضر ہین، یہان طرز کلام خود بتا رہا ہے کہ قدرت کاملہ کے اظہار کا یہ ایک پیرایہ ہے

بعض جگہ سیاقِ کلام دلالت نہین کرتا لیکن ظاہری معنی مراد سے لینے بالکل مستبعد اور دور از کار وہم پرستی ہوتی ہے، اس لیے وہان مجازی معنی لئے جاتے ہین۔

تاویل حقیقت تاویل نہین ہے

ایک اور نکتہ مہتم بالشان اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن چیزون کو تاویل کہا جاتا ہے ان پر تاویل کا اطلاق حقیقت مین صحیح نہین ہے تاویل کے معنی یہ قرار دے گئے ہین کہ ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی اختیار کئے جائین، لیکن ظاہری معنی کی تعبیر غلط کی گئی ہے استعمال اور محاورہ بھی ظاہری معنی مین داخل ہے لیکن اس کو لوگ تاویل کہتے ہین۔ لغت کی یہ کیفیت ہے کہ اصل مین ایک لفظ کے ایک ہی معنی ہوتے ہین، پھر تناسب اور تعلق کے لحاظ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہین، مثلاً اخبات کے اصلی معنی پستی مین آنے کے ہین، لیکن تواضع اور انکسار کو بھی اخبات کہتے ہین اور اس لحاظ سے کہتے ہین کہ تواضع کرنا گویا پستی مین آنا ہے لفظ کے اصلی معنی پھینکنے کے ہین، پھر لفظ کو اس وجہ سے لفظ کہنے لگے کہ وہ بھی گویا زبان سے پھینکے جاتے ہین، یہ معانی حقیقت مین درجہ دوم کے معنی، ہین جن کو انگریزی مین سکنڈری معنی کہتے ہین لیکن اس قسم کے تمام معانی لغت مین داخل کر لیے گئے ہین، اور اصلی معنی قرار پا گئے ہین عربی زبان مین جو ایک لفظ کے دس دس اور بیس بیس معنی ہوتے ہین، ان مین اصلی معنی درحقیقت ایک ہی ہوتے ہین لیکن مناسبت کی وجہ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہین اور وہ سب اصلی قرار پاتے ہین، ورنہ اگر صرف اصلی معنی پر حصر کیا جائے تو لغت کی کتابون کی ضخامت آدھی بلکہ چوتھائی سے کم رہ جائے

اس بنا پر جس چیز کو تاویل کہتے ہیں، وہ تاویل نہیں، کیونکہ جس معنی میں ان کا استعمال ہوتا ہے وہ بھی ظاہری ہی معنی ہیں۔

غرض غزالی کی رائے یہ ہے کہ شرع میں جو امور بظاہر قابل بحث نظر آتے ہیں، ان کی متعدد صورتیں ہیں، بعض امور ایسے ہیں جو فہم و ادراک سے باہر ہیں، ان کی حقیقت کے اظہار سے یا تو شریعت نے بالکل اعراض کیا ہے یا تشبیہ و تمثیل کے طریقہ سے بیان کیا ہے کہ ایک سرسری اور اجمالی خیال قائم ہو سکے۔

بعض ایسے ہیں جو چنداں دقیق نہیں لیکن اس کی حقیقت کا اظہار جمہور عوام کے حق میں مضر ہے،

بعض ایسے ہیں جو اگر صاف صاف بیان کر دیئے جاتے تب بھی سمجھ میں آسکتے تھے لیکن ان کو استعارہ اور تشبیہ کے پیرایہ میں اس غرض سے بیان کیا گیا کہ یہ طریقہ زیادہ موثر اور واقع فی النفس ہے، مثلاً خدا کی قدرت کاملہ کو ان لفظوں سے ادا کیا گیا کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے"، امام غزالی اس صورت کو بیان کر کے لکھتے ہیں کہ اکثر لوگوں نے قیامت کے واقعات مثلاً میزان، پل صراط وغیرہ کو اسی قسم میں داخل کیا ہے، لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ ظاہری معنی مراد لینے میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا"

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ امام صاحب کی یہ رائے احیاء العلوم اور کتب کلامیہ کے ساتھ مخصوص ہے ورنہ جواہر القرآن اور مضنون وغیرہ میں واقعات قیامت کے متعلق

اُن کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔

بعض جگہ حال کو زبان قال سے ادا کیا ہے مثلاً جمادات کی تسبیح ۔

ان مختلف اقسام کا نتیجہ یہ ہے کہ شریعت میں جب کسی چیز کے وجود کا ذکر ہو تو یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ وجود خارجی مقصود ہو بلکہ ممکن ہے کہ وجود حسی یا خیالی یا عقلی یا شبہی مراد ہو جیسا کہ امام غزالی نے بتفصیل بیان کیا ،

اس تمہید کے بعد اب ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں ،

روحانیات

روحانیات یا غیر محسوسات

ملائکہ ۔ وحی ۔ واقعات قیامت وغیرہ وغیرہ

چونکہ یہ تمام چیزیں قرآن مجید میں مذکور ہیں، اس لئے ان پر ایمان لانا واجب، اور شرط اسلام ہے اور اس لئے تمام اسلامی فرقوں میں اجمالاً یہ عقائد مسلم ہیں لیکن چونکہ قرآن میں ان کی کیفیت مذکور نہیں اس لئے ان کی تشریح مختلف فرقوں نے مختلف طریقوں سے کی

اشاعرہ نے یہ دعوی کیا کہ یہ ضرور نہیں کہ ایک شی موجود ہو اور نظر بھی آئے اس بنا پر ممکن ہے کہ یہ تمام چیزیں موجود ہوں اور نظر نہ آئیں ۔

شرح مواقف میں رویت باری کی بحث میں ہے

لا نسلم وجوب الرؤیۃ عند	ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ رویت کی جب آٹھوں شرطیں موجود ہوں

اِجْتِمَاعُ الشَّرُوطِ الثَّمَانِيَةِ	تو خواہ مخواہ وہ شے نظر آئے۔

یہ دعوی جسقدر عجیب و غریب ہے، دلیل اس سے زیادہ عجیب ہے۔

لِاَنَّا نَرَى الْجِسْمَ الْكَبِيْرَ مِنَ الْبَعِيْدِ صَغِيْرًا وَمَا	کیونکہ ہم بڑے جسم کو دور سے چھوٹا دیکھتے ہین اور اسکی وجہ
ذٰلِكَ اِلَّا لِاَنَّا نَرَى بَعْضَ اَجْزَائِهٖ دُوْنَ الْبَعْضِ	یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ ہم کو اسکے بعض جز نظر آتے ہین اور
مَعَ تَسَاوِي الْكُلِّ فِي حُصُوْلِ الشَّرَائِطِ۔	بعض نہین حالانکہ جو شرائط رویت کے ہین وہ تمام اجزا مین پائے جاتے ہین۔

یہی طفلانہ استدلالات اور احتمالات ہین جنھون نے آج قوم کی قوم کو نظر بندی اور اور سیون دور از کار باتون کا معتقد بنا دیا ہے۔

لیکن اشاعرہ ظاہرین کے سوا اور لوگ اس قسم کے دور از کار خیالات کے کیونکر قائل ہو سکتے تھے، امام غزالی۔ شیخ الاشراق۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور اور محققین نے اصل حقیقت پر توجہ کی اور اس عقدہ کو حل کیا۔ ان لوگون کا مذہب ہے کہ شریعت مین جن چیزون کا ذکر ہے اُن کی دو قسمین ہین، محسوسات عام، غیر محسوسات عام۔ رویت احساس اور تجربہ یہ تمام چیزین صرف محسوسات عام سے متعلق ہین، غیر محسوسات کو ان چیزون سے واسطہ نہین لیکن باایںہمہ غیر محسوسات بھی حقائق موجودہ ہین کیونکہ یہ ضرور نہین کہ جو خارج مین موجود یا محسوس عام نہ ہو، وہ واقع مین بھی نہ ہو کیونکہ واقعیت وجود خارجی پر محدود نہین

روحانیات کا وجود کس قسم کا ہے

لیکن چونکہ حقائق واقعیہ کے لئے آخر کسی نہ کسی قسم کا وجود ضرور ہے۔ اس لئے محققین اسلام نے اسکے مختلف نام رکھے۔

امام غزالی اس وجود کو **وجود حسی** سے تعبیر کرتے ہین اور اس کی تعریف جیسا کہ ہم

تاویل کی بحث میں ان کی اصلی عبارت نقل کر آئے ہیں یہ لکھتے ہیں کہ یہ وجود صرف خاص شخص کے ساتھ سے تعلق رکھتا ہے

انبیا کو ملائکہ کی صورت جو نظر آتی ہے، آنحضرت کو حضرت جبریل جس طرح عربی بدو سے تھے حضرت مریم نے حضرت جبریل کو جس صورت میں دیکھا تھا، امام صاحب سب کو اسی وجود کے تحت میں داخل کرتے ہیں۔ چنانچہ تاویل کی بحث میں امام صاحب کی اصلی عبارت ہم نقل کر آئے ہیں۔

مضنون بہ علی غیر اہلہ میں امام صاحب نے معجزات کی بحث میں اس وجود کو خیالی کے نام سے تعبیر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

اِنَّ لِسَانَ الْحَالِ یَصِیْرُ مُشَاهَدًا مَحْسُوْسًا عَلٰی سَبِیْلِ التَّمَثُّلِ وَهٰذِهٖ خَاصَّةُ الْاَنْبِیَاءِ وَالرُّسُلِ عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کَمَا اَنَّ لِسَانَ الْحَالِ یَتَمَثَّلُ فِی الْمَنَامِ لِغَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ وَیَسْمَعُوْنَ صَوْتًا وَکَذَا کَالْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ یَرَوْنَ ذٰلِکَ فِی الْیَقْظَةِ وَتُخَاطِبُهُمْ هٰذِهِ الْاَشْیَاءُ فِی الْیَقْظَةِ	زبان حال بطریق تمثیل کے مشاہد اور محسوس بنجاتی ہے اور یہ انبیاء اور رسل کا خاصہ ہے جس طرح خواب کی حالت میں زبان حال عام لوگوں کے لیے متمثل ہو جاتی ہے۔ تو وہ لوگ آوازیں اور باتیں سنتے ہیں۔ تو انبیا علیہم السلام ان چیزوں کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں، اور یہ چیزیں ان سے بیداری کی حالت میں خطاب کرتی ہیں۔

قبر کے واقعات کو بھی امام صاحب اسی عالم کے واقعات قرار دیتے ہیں چنانچہ الغزالی میں سے امام صاحب کے اصلی الفاظ نقل کیے ہیں۔

شیخ الاشراق کا مذہب

شیخ الاشراق کا یہ مذہب ہے کہ عالم محسوسات کے سوا ایک اور عالم ہے جسکو عالم اشباح
یا عالم امثال کہتے ہیں انکا استدلال یہ ہے کہ تخیل یا آئینہ میں جو صورتیں نظر آتی ہیں
وہ درحقیقت تخیل اور آئینہ میں موجود نہیں ہیں بلکہ یہ چیزیں ان کے ظہور کا ایک آلہ ہیں
اور چونکہ اس امر سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ واقعی چیزیں ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ایک
عالم اشباح اور امثال تسلیم کیا جائے جہاں ان صورتوں کا اصلی وجود ہے شیخ الاشراق
جن اور شیاطین کو بھی اسی عالم میں شمار کرتے ہیں ان کے نزدیک حشر اجساد اور بہشت
و دوزخ وغیرہ سب کا وجود اسی عالم میں ہے چنانچہ حکمۃ الاشراق میں عالم اشباح کا ذکر
کر کے لکھتے ہیں۔

وبه تحقق بعث الاجساد والاشباح الربانية وجميع مواعيد النبوة	قیامت میں اجسام کا اٹھنا اور اشباح ربانی اور نبوت کے تمام وعدے اسی عالم اشباح سے ثابت ہوتے ہیں

اسی کتاب میں ایک اور موقع پر لکھتے ہیں

وما يسمع المكاشفون كالانبياء والاولياء من الاصوات الهائلة لا يجوز ان يقال انه تموج هواء في دماغ فان الهواء تموجه بتلك القوة لا يدوم الى ان يقرع الدماغ ولا ينتقل بل هو مثال الصوت في الوجود المثالي	اہل کشف (یعنی پیغمبر اور اولیا) جو ہیبتناک آوازیں سنتے ہیں ان کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دماغ میں ہوا کے تموج سے پیدا ہوتی ہیں کیونکہ ہوا کا تموج جو اس زور کے ساتھ وہاں تک ٹکرائے خیال میں نہیں آ سکتا بلکہ وہ اس آواز کی تصویر ہے جو عالم مثال میں موجود ہے

۱؎ اس عبارت میں جو تفسیری جملے ہیں شرح حکمۃ الاشراق سے لئے ہیں۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

وما يتلقى الأنبياء والأولياء وغيرهم من	اور پیغمبروں کو اور اولیا کو عالم غیب کی جو باتیں معلوم ہوتی
المغيبات فإنها تارة تتراءى لهم في أسطر مكتوبة	ہیں تو وہ کبھی لکھی ہوئی سطروں میں نظر آتی ہیں کبھی آواز
وقد [illegible]	کی صورت میں جو کبھی نہایت خوش ہو اور کبھی مہیب اور کبھی وہ
[illegible]	لوگ کہ تمثالی صورتیں دیکھتے ہیں جو ان سے نہایت لطف
المخاطبات وقد يرون صوراً حسنة إنسانية	کے ساتھ خطاب کرتی ہیں اور انسے غیب کی باتیں کہتی ہیں
مخاطبة في غاية الحسن تناجيهم بالغيب	اور کبھی وہ صورتیں جو خطاب کرتی ہیں نہایت لطیف صنعتی
وقد يرى الصور التي تخاطب كالتماثيل مصنوعة	پیکروں میں نظر آتی ہیں اور کبھی برخط معلوم ہوتی ہیں اور
في غاية اللطف وقد تبدو عليهم [illegible] وقد يرون	کبھی وہ لوگ معلق مثالیں دیکھتے ہیں اور جو کچھ خواب میں
مثالاً معلقة وجميع ما يرى في المنام من الجبال والبحور	پہاڑ دریا [illegible] اور [illegible] نظر آتے ہیں
والأشخاص فإنما هي [illegible]	یہ سب مثالی صورتیں ہیں جو بذات خود قائم ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث کو زیادہ مفصل لکھا ہے انھوں نے ان نصوص کو جن میں اس قسم کی موجودات کا ذکر ہے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے پھر لکھا ہے کہ ان نصوص پر جو شخص نظر ڈالے گا اس کو مجبوراً تین باتوں سے ایک کا قائل ہونا پڑے گا، یا یہ تسلیم کرے کہ محسوسات کے علاوہ ایک عالم مثال بھی ہے " (شاہ صاحب اسی عالم مثال کو محدثین کے اصول کے موافق بتاتے ہیں) یا اس بات کا قائل ہو کہ خاص اس شخص کو ایسا نظر آتا ہے گو اس کے حاسہ سے باہر اس کا وجود نہیں یا یہ کہ یہ واقعات بطور تمثیل کے بیان ہوئے ہیں

ان احتمالات کو لکھکر شاہ صاحب لکھتے ہین کہ جو شخص صرف تیسرے ہی احتمال پر قناعت کرتا ہے، مین اسکو اہل حق سے نہین سمجھتا، شاہ صاحب تو فقط تیسرے احتمال کو باطل قرار دیتے ہین لیکن ہمارے علما دو پہلے احتمالات کو بھی تسلیم کرین تو بڑا مرحلہ طے ہو جائے، اور فلسفہ زبان حال سے بول اُٹھے کہ۔

شکر ایزد کہ میان من و او صلح افتاد

بہرحال ہم شاہ صاحب کی پوری عبارت نقل کرتے ہین۔

بَابُ ذِكْرِ عَالَمِ الْمِثَالِ

اِعْلَمْ اَنَّهُ دَلَّتْ اَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ عَلَىٰ اَنَّ فِي الْوُجُودِ عَالَمًا غَيْرَ عُنْصُرِيٍّ تَتَمَثَّلُ فِيهِ الْمَعَانِي بِاَجْسَامٍ مُنَاسِبَةٍ لَهَا فِي الصِّفَةِ وَيَتَحَقَّقُ هُنَالِكَ الْاَشْيَاءُ قَبْلَ وُجُودِهَا فِي الْاَرْضِ نَحْوًا مِنَ التَّحَقُّقِ فَاِذَا وُجِدَتْ كَانَتْ هِيَ هِيَ بِمَعْنًى مِنْ مَعَانِي هُوَ هُوَ وَاَنَّ كَثِيرًا مِنَ الْاَشْيَاءِ مِمَّا لَا جِسْمَ لَهَا عِنْدَ الْعَامَّةِ تَنْتَقِلُ وَتَنْزِلُ وَلَا يَرَاهَا جَمِيعُ النَّاسِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الرَّحِمَ

عالم مثال کا ذکر

جاننا چاہیے کہ بہت سی حدیثون سے ثابت ہوتا ہے کہ کہ عالم موجودات مین ایک ایسا عالم بھی ہے جو غیر عنصری ہے اور جسمین معانی اُن اجسام کی صورت مین متشکل ہوتے ہین جو اوصاف کے لحاظ سے اُنکے مناسب ہین پہلے اس عالم مین اشیاء کا ایک گونہ وجود ہو لیتا ہے تب دنیا مین اُنکا وجود ہوتا ہے، اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار سے بالکل اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے۔

اکثر وہ اشیا جو عوام کے نزدیک جسم نہین رکھتین اس عالم مین منتقل ہوتی ہین اور اترتی ہین، اور عام لوگ اِن کو نہین دیکھتے، آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب خدا نے رحم کو

قامت فقالت هذا مقام العائذ بك من
القطيعة وقال ان البقرة وآل عمران تاتيان
يوم القيمة كانهما غمامتان او غيايتان او
فرقان من طير صواف تحاجان عن صاحبهما
وقال تجي الاعمال يوم القيمة فتجي الصلوة ثم
تجي الصدقة ثم تجي الصيام الحديث
وقال انما المعروف والمنكر خليقتان
تنصبان للناس يوم القيمة فاما
المعروف فيبشر اهله واما المنكر فيقول
اليكم اليكم ولا يستطيعون له الا لزوما
قال ان الله تعالى يبعث الايام يوم
القيمة كهيئتها ويبعث الجمعة زهراء
منيرة وقال يؤتى بالدنيا يوم القيمة
في صورة عجوز شمطاء زرقاء انيابها
مشوه خلقها وقال هل ترون ما ارى
فاني لارى مواقع الفتن خلال بيوتكم
كمواقع القطر وقال في ا

پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے
جو قطع رحم سے پناہ مانگے کہ تیرے پاس پناہ ڈھونڈتا
ہے، اور آنحضرت نے فرمایا سورہ بقرہ اور آل عمران
قیامت میں بادل یا سائبان یا صف بستہ پرندوں کی
شکل میں آئینگی اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت کرینگی
جنھوں نے انکی تلاوت کی ہو، اور آنحضرت نے فرمایا ہے کہ قیامت
میں اعمال حاضر ہوں گے تو پہلے نماز آئیگی، پھر خیرات پھر
روزہ الخ۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مخلوق
ہیں جو قیامت میں لوگوں کے سامنے کھڑی کیجائینگی، سو
نیکی نیکی والوں کو بشارت دیگی، اور برائی برائی والوں کو
کہیگی کہ ہٹو ہٹو لیکن وہ لوگ اس سے چمٹے ہی رہینگے۔ اور آنحضرت
نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اور جتنے دن ہیں وہ معمولی صورت
میں حاضر ہونگے لیکن جمعہ کا دن چمکتا دمکتا ہوا آئیگا۔ اور
آنحضرت نے فرمایا ہے کہ قیامت میں دنیا ایک بڑھیا کی صورت
میں لائی جائیگی جسکے بال کھچڑی، دانت نیلے اور صورت بگڑی
ہوئی۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو میں دیکھتا ہوں کیا تم
بھی دیکھتے ہو میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں پر اسطرح

في حديث الاسراء فاذا اربعة انهار
نهران باطنان ونهران ظاهران
فقلت ما هذان يا جبريل قال اما
الباطنان ففي الجنة واما الظاهران
فالنيل والفرات وقال في حديث
صلوة الكسوف صورت لي الجنة
والنار وفي لفظ بيني وبين جدار
القبلة وفيه انه بسط يده ليتناول
عنقودا من الجنة وانه تكعكع
من النار ونفح من حرها ورأى
فيها سارق الحجيج والامرأة التي
ربطت الهرة حتى ماتت ورأى في الجنة
امرأة مومسة سقت الكلب ومعلوم
ان تلك المسافة لا تسع الجنة والنار
بابعادهما المعلومة عند العامة
وقال حفت الجنة بالمكاره
وحفت النار بالشهوات

بھی رستے ہیں جس طرح بادل سے قطرے - اور آنحضرت
نے معراج کی حدیث میں فرمایا کہ ایکبارگی چار نہریں نظر آئیں کہ
دو نہریں اندر تھیں اور دو باہر - سو میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ
کیا ہیں، بولے اندر کی نہریں تو جنت کی ہیں اور باہر کی نیل
اور فرات ہیں اور آنحضرت نے سورج کی نماز کے متعلق
فرمایا کہ بہشت اور دوزخ میرے سامنے مجسم کرکے لائی گئیں اور
ایک روایت میں ہے کہ میرے اور قبلہ کی دیوار کے بیچ میں
بہشت و دوزخ مجسم ہوئے اور آپ نے ہاتھ پھیلایا کہ بہشت میں سے
انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں لیکن دوزخ کی گرمی کی لپٹ سے
رک گیا - اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے حاجیوں کے چور کو اور
ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا جسنے ایک بلی کو باندھکر مار ڈالا
تھا اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت میں دیکھا جسنے کتے کو
پانی پلایا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت
جو عام لوگوں کے خیال میں ہے وہ اسقدر مسافت (یعنی
کعبہ کی چار دیواری) میں نہیں سما سکتی - اور حدیث میں
ہے کہ بہشت کو مکروہات نے اور دوزخ کو شہوات نے
چاروں طرف سے گھیر لیا ہے -

ثُمَّ اَمَرَ جِبْرِيْلَ اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهِمَا وَقَالَ
يَنْزِلُ الْبَلَاءُ فَيُعَالِجُهَا الدُّعَاءُ وَقَالَ
خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ فَقَالَ لَهُ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ
وَقَالَ لَهُ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ وَقَالَ هٰذَانِ كِتَابَانِ
مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ
يُؤْتٰى بِالْمَوْتِ كَاَنَّهُ كَبْشٌ فَيُذْبَحُ
بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَقَالَ تَعَالٰى
فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا
بَشَرًا سَوِيًّا وَاسْتَفَادَ فِي الْحَدِيْثِ
اَنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يَظْهَرُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَتَرَاءٰى لَهُ وَيُكَلِّمُهُ وَلَا يَرَاهُ
سَائِرُ النَّاسِ وَاَنَّ الْقَبْرَ يَفْسَحُ سَبْعِيْنَ
ذِرَاعًا فِي سَبْعِيْنَ اَوْ يَضُمُّ حَتّٰى تَخْتَلِفَ
اَضْلَاعُ الْمَقْبُوْرِ وَاَنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَنْزِلُ
عَلَى الْمَقْبُوْرِ فَتَسْاَلُهُ وَاَنَّ عَمَلَهُ يَتَمَثَّلُ
لَهُ وَاَنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَنْزِلُ اِلَى الْمُحْتَضَرِ
بِاَيْدِيْهِمُ الْحَرِيْرُ وَالْمِسْحُ

پھر جبریل کو خدا نے حکم دیا کہ دونون کو دیکھین ۔ اور حدیث
مین ہے کہ بلا اترتی ہے تو دعا اس کا توڑ کرتی ہے اور حدیث
مین ہے کہ خدا نے عقل کو پیدا کیا اور اس سے کہا کہ آگے آ
تو وہ آگے آئی، پھر کہا کہ پیچھے ہٹ تو ہٹ گئی اور حدیث
مین ہے کہ یہ دونون کتابین پروردگار عالم کی طرف سے
ہین آخر اور حدیث مین ہے کہ موت ایک مینڈھے کی شکل
مین لائی جائے گی، پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان
ذبح کر دی جائے گی۔

اور خدا نے فرمایا کہ ہم نے روح مریم کے پاس بھیجی
تو وہ اُن کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بنکر آئی" اور
حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جبریل آنحضرت کے سامنے آتے
تھے اور آپ سے باتین کرتے تھے اور کوئی اُنکو نہین دیکھتا تھا
اور حدیث مین ہے کہ قبر ہفتا در ہفتا وگز چوڑی ہو جاتی ہے
یا اس قدر سمٹ آتی ہے کہ مردہ کی پسلیان اُبھر کس
ہو جاتی ہین ۔ اور حدیث مین ہے کہ فرشتے قبر مین آتی ہین و
مردہ سے سوال کرتے ہین اور مردہ کا عمل مجسم ہو کر اسکے سامنے
آتا ہے، اور نزع کی حالت مین فرشتے حریر یا گزی کا کپڑا

نبّه على ذلك السيوطي رحمه الله تعالى
وبها أقول وإليها أذهب، ويقول
إنّ هذه الوقائع تتراءى بحسّ الرائي
وتتمثّل له في بصره وإن لم تكن خارج
حسّه وقال بنظير ذلك عبد الله ابن
مسعود في قوله تعالى يوم تأتي السماء
بدخان مبين إنّهم أصابهم جهد
فكان أحدهم ينظر إلى السماء فيرى
كهيئة الدخان من الجوع ونقل
عن ابن الماجشون أنّ كلّ حديث
جاء في التنقّل والرؤية في المحشر معناه
أنّه يغيّر أبصار خلقه فيرونه
نازلاً متجلّياً ويناجي خلقه
ويخاطبهم وهو غير متغيّر عن
عظمته ولا متنقّل ليعلموا أنّ
الله على كلّ شيء قدير أو يجعلها
تمثيلاً لتفهيم معانٍ أخر

سیوطی نے اسکی طرف اشارہ کیا ہی اور خود میری بھی یہی
رای اور یہی مذہب ہی - یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھنے والے
کے حاسہ میں، واقعات کی یہی شکل ہوگی، اور اس کی نظر
مین وہ اسی طرح جلوہ گر ہونگے گو اسکے حاسہ کے باہر انکا وجود
نہو چنانچہ قرآن مجید میں جو آیا ہی کہ آسمان اُس دن صاف
دھوان بنکر آئیگا، اسکے معنی حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے
اسی کے قریب قریب لئے ہین یعنی یہ کہ لوگون پر قحط پڑا تھا
تو جب کوئی آسمان کیطرف دیکھتا تھا تو بھوک کی وجہ
سے آسمان دھوان سا معلوم ہوتا تھا، ابن ماجشون
(مشہور محدث تھے) سے مروی ہے کہ جن حدیثون میں خدا کے اترنے
اور مرئی ہونیکا ذکر ہی انکے معنی یہ ہین کہ خدا مخلوقات کی نظر میں
ایسا تغیر پیدا کر دیگا کہ وہ خدا کو ایسی حالت میں دیکھینگے کہ وہ
اتر رہا ہی اور تجلی کر رہا ہی، اور اپنے بندون سے گفتگو اور خطاب
کر رہا ہی حالانکہ خدا کی جو شان ہی نہ اسمین تغیر ہوگا نہ خدا
منتقل ہوگا، اور یہ اس لئے ہوگا کہ لوگ جان لین کہ خدا ہر چیز پر
قادر ہی تیسری صورت یہ ہی کہ یہ سب باتین بطور تمثیل کے بیان
کی گئی ہین جس سے وہ مطالب کا ذہن نشین کرنا مقصود ہے

ولست اَعُدّ المقتصر على الثالثة من اهل الحق

لیکن جو شخص صرف اسی احتمال پر بس کرتا ہو مین اسکو اہل حق مین سے شمار نہین کرتا۔

شاہ صاحب ایک اور عالم کے قائل ہین جس کو وہ عالم مثال اور عالم محسوسات کے بیچ بیچ مین قرار دیتے ہین اور اس کا نام برزخ رکھتے ہین چنانچہ وحی۔ رویت ملائکہ معراج نبوی براق، سدرۃ المنتہی انہار جنت وغیرہ وغیرہ ان سب واقعات کی تفسیر اسی عالم کی بنا پر کی ہے

حجۃ اللہ البالغہ[1] مین جہان آنحضرت کی سیرت لکھی ہے، وحی کی نسبت پہلے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت پر وحی کبھی تو اس طرح آتی تھی کہ گھنٹہ کی سی آواز سنائی دیتی تھی اور کبھی فرشتہ مجسم ہو کر نظر آتا تھا، پھر اس کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے

اما الصلصلة فحقيقتها ان الحواس اذا صادمها تاثير قوي تشوشت فتشويش قوة البصر ان يرى الوان الحمرة والصفرة والخضرة وتشويش قوة السمع ان يسمع اصوات مبهمة كالطنين والصلصلة والهمهمة فاذا تم الاثر حصل العلم واما التمثل فهو في موطن يجمع بعض احكام المثال والشهادة ولذلك

باقی صلصلہ (گھنٹے کی آواز) تو اس کی حقیقت یہ ہو کہ حواس پر جب کسی قوی تاثیر کا صدمہ پہنچتا ہو تو وہ مشوش ہو جاتا ہے تو قوت بصارت کی تشویش یہ ہے کہ سرخ۔ زرد سبز رنگ نظر آتے ہین۔ اور قوت سمع کی تشویش یہ ہے کہ مبہم آوازین سنائی دیتی ہین۔ مثلاً طنین صلصلہ ہمہمہ۔ پھر جب اثر پورا ہو چکتا ہے تو علم حاصل ہو جاتا ہے، باقی فرشتہ کا مجسم ہو کر آنا تو یہ اس عالم کی بات ہے جس مین عالم مثال، اور عالم شہادت کے بعض احکام جمع ہوتے ہین اور یہی وجہ ہے

[1] از صفحہ ۵ دستا ۳۸

<table>
<tr><td>وكان يرى الملك لبعضهم دون بعض۔</td><td>کہ فرشتہ بعض کو نظر آتا تھا اور بعض کو نہیں۔</td></tr>
<tr><td>پھر معراج کے متعلق لکھتے ہیں</td><td></td></tr>
<tr><td>وكل ذلك بجسده صلى الله عليه وسلم في اليقظة ولكن ذلك في موطن هو برزخ بين المثال والشهادة جامع لاحكامهما فظهر على الجسد احكام الروح وتمثل الروح والمعاني الروحية اجسادا ولذلك بان لكل واقعة من تلك الوقائع تعبير وقد ظهر لحزقيل وموسى عليهما السلام وغيرهما نحو من تلك الوقائع وكذلك لاولياء الامة</td><td>اور یہ سب واقعات آپ کے جسم پر حالت بیداری میں گذرے لیکن اس عالم میں جو مثال اور شہادت کے بیچ بیچ میں ہے اور دونوں کے آثار کا جامع ہے، تو جسم پر روح کے واقعات ظاہر ہوئے، اور روح اور روحانی باتیں جسم بنکر نظر آئیں اور اسی وجہ سے ان واقعات میں ہر ہر واقعہ کی الگ تعبیر ظاہر ہوئی اور حزقیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے اور اسی طرح اولیا کو بھی پیش آتے ہیں</td></tr>
</table>

اسکے بعد انہی اصول پر شاہ صاحب نے براق۔ ملاقات انبیا۔ عروج افلاک۔ سدرۃ المنتہیٰ بیت المعمور وغیرہ کی تشریح کی ہے۔

شاہ صاحب کی تقریر اگرچہ نہایت حکیمانہ اور محققانہ ہے لیکن کسیقدر خلط مبحث ہوگیا ہے انھوں نے عالم مثال اور برزخ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ مجازات واستعارات کو بھی عالم مثال میں داخل کرلیا ہے مثلاً یہ حدیث کہ قیامت میں موت مینڈھے کی صورت میں آئے گی اور ذبح کردی جائے گی، صرف بیان کا ایک پیرایہ ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مابعد الموت پھر موت نہیں، شاہ صاحب اس کو بھی عالم مثال کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔

امام غزالی شیخ الاشراق اور شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان مین جو جزئی تفاوت ہے اس سے اگر قطع نظر کی جائے تو قدر مشترک یہ ہوگا کہ شریعت مین جو امور بظاہر خلاف عقل ہین ان کی حسب ذیل قسمین ہین۔

شریعت مین جو امور خلاف عقل ہین انکے اقسام

(۱) اکثر جگہ مجاز و استعارہ ہے مثلاً جمادات کی تسبیح آسمان و زمین سے خطاب اور انکا جواب۔ ازل مین بنی آدم کا اقرار۔ خدا کا عرش پر متمکن ہونا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) روحانیات کو جسمانیات کے پیرایہ مین ادا کیا ہے، اور یہ طریقہ تمام مذاہب مین مشترک ہے، انسان صرف اُن چیزون کا تصور کر سکتا ہے جو اُس نے حواس سے محسوس کی ہون اسلئے جب ان چیزون کا بیان کرنا ہوگا جو آیندہ زندگی سے تعلق رکھتی ہین اور اُسکے تصور سے بالکل بالاتر ہین تو ضرور ہے کہ ان کو جسمانیات کے پیرایہ مین ادا کیا جائے مثلاً موت کے بعد جو راحت و رنج ہوگا اس کی بجز اسکے کہ باغ وانہار، اور کژدم و مار سے تعبیر کیا جائے اور کیا طریقہ ہے، علمائے امت تعبیر تمثیل ظاہری ہین لیکن ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ[1]

ثم إن الله سبحانه وتعالى أخبرنا ووعدنا بلقاء الله الآخرة من النعيم والعذاب وأخبرنا بكل ذلك بما يحلي ويمر في غير ذلك بما يشبه ذلك في الدنيا لتعهدنا ما وعدنا به۔ ونحن نعلم مع ذلك أن تلك الحقائق

پھر خدا ے پاک نے ہم کو آرام اور رنج کی خبر دی جس کا قیامت مین وعدہ کیا ہے اور وہ اس طرح کہ طعام شراب ازدواج۔ اور فرش کا ذکر کیا تو اگر اس قسم کی چیزون سے ہم دنیا مین واقف نہ ہوچکے ہوتے تو ان موعود چیزونکو کیونکر سمجھ سکتے؟ تاہم ہم یہ بھی جانتے ہین کہ یہ چیزین دنیاوی چیزون کی مانند

[1] رسالہ شرح حدیث نزول۔

لیست مثل هذه حتی قال ابن عباس لیس فی الدنیا مما فی الجنة الا الاسماء

نہین ہین یہان تک کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ دنیا [illegible] کی چیزون ہین نام کے سوا اور کسی چیز مین مشابہ [illegible]

مولانا روم سے بڑھکر شریعت کا رازدان، کون ہوگا، اس مضمون کو [illegible] نہایت عمدہ مثالون کے ذریعہ سے ادا کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہین

ہیچ ماہیات اوصاف کمال — کس نداند جز بہ آثار و مثال

طفل ماہیت نداند طمث را — جز کہ گوئی ہست چون حلوا ترا

طفل را نبود ز وطی زن خبر — جز کہ گوئی ہست آن خوش چون شکر

کے بود ماہیت ذوق جماع — مثل ماہیات حلوا اے مطاع

لیک نسبت کرد از روے خوشی — با تو آن عاقل کہ تو کودک وشی

ایک اور موقع پر لکھتے ہین کہ جب کوئی استاد کسی بچہ کو تعلیم دینا چاہتا ہے تو اس کو بچہ کی زبان مین باتین کرنی پڑتی ہین، چنانچہ فرماتے ہین۔

بہر طفل نو۔ پدر "تی تی" کند — گرچہ عقلش ہندسہ گیتی کند

کم نگردد فضل استاد از علو — گر "الف چیزے ندارد" گوید او[1]

از پئے تعلیم آن بستہ دہن — گوید او "حرفی" دہوز کلمن

در زبان او بباید آمدن — ز خود بیرون باید شدن

ایک اور موقع پر لکھتے ہین

[1] یعنی الف خالی ہے کچھ بیٹے بن ایک

چون کہ باکودک سروکارت فتاد | ہم زبان کودکان باید کشاد
کہ بروکتاب تا مرغت خرم | یا مویز و جوز و فستق آورم

(۳) وہ روحانیات یا معانی ہین جو انبیا کو جسمانی صورت مین محسوس ہوتی ہین، یہی چیز ہے جس کو شاہ ولی اللہ صاحب اور شیخ الاشراق، عالم مثال، اور عالم اشباح سے تعبیر کرتے ہین اور امام غزالی اسکا نام تمثل خیالی رکھتے ہین۔ اور چونکہ یہی صورت کثیر الوقوع ہے اور چونکہ ملاحدہ کو اسی پر زیادہ اعتراض ہے۔ اس لئے ہم اس کو زیادہ توضیح اور تفصیل سے لکھتے ہین۔

سب سے پہلے یہ ظاہر کرنا ہے کہ علوم موجودہ اور فلسفہ حال کے رو سے اس احتمال پر کوئی اعتراض وارد نہین ہوتا تمثل خیالی کی حقیقت جو امام غزالی نے بیان کی وہ یہ ہے کہ "معانی متمثل ہو کر نظر آتے ہین اور آوازین اور باتین سنائی دیتی ہین جیساکہ خواب مین ہوتا ہے" خواب کی حالت سے تو کسی کو انکار نہین ہو سکتا۔ اب اسپر غور کرنا چاہیے کہ خواب مین یہ حالت کیون پیش آتی ہے، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ خواب مین جو اس ظاہری معطل ہوتے ہین اور روح یا نفس، یا قوت متخیلہ تنہا کام کرتی ہے، اب اگر کسی شخص کو بعض اوقات استغراق در محویت کی وجہ سے بیداری مین بھی خواب کی حالت طاری ہو تو اس قسم کے امور کا محسوس ہونا کوئی تعجب کی بات نہین۔ ان محسوسات کو ہم محسوسات عام نہین کہتے جن کی بنا پر یہ لازم آئے کہ دو اور دن کو بھی محسوس ہون، بلکہ وہ خاص انبیا اور اولیار کے حواس کے ساتھ مخصوص ہین اور اس صورت مین ان امور کا عام طور پر محسوس ہونا ضرور نہین، اسی نکتہ کو مولانا روم نے

ان الفاظ مین ادا کیا ہے۔

فلسفی کو منکر حنانہ ہست ۔۔۔ از حواس انبیا بیگانہ ہست

نطق خاک و نطق آب و نطق گل ۔۔۔ ہست محسوس حواس اہل دل

امام غزالی اور دیگر محققین نے اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور چونکہ یہ ایک نہایت نازک نکتہ ہے جس مین ذرا سے تغیر سے اصل حقیقت کی صورت بدل جاتی ہے، اسلئے ہم ان محققین کے اصلی الفاظ نقل کرتے ہین، اور خود صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہین۔

مقاصد المراصد[1] مین ہے

فی الرؤیا والوحی والالہامات والمخبرات والکرامات علی رای الحکماء[2]

وحی و الہام وغیرہ کی حقیقت حکمائے اسلام کی رائے کے مطابق

واعلم ان الانسان لہ قوۃ یجتمع فیہ صور المحسوسات لانہ یحکم علی ھذا الحلو بانہ ابیض ولو لم یکن لہ قوۃ یجتمع فیہا ھذان المحسوسان لاستحال ھذا الحکم بدون حصول المحکوم علیہ والمحکوم بہ ویسمی ھذہ القوۃ بالحس المشترک وینطبع فیہا صور المحسوسات بطریقین۔

جاننا چاہیے کہ انسان مین ایک قوت ہے جس مین محسوسات کی صورتین جمع ہوتی ہین، کیونکہ انسان شیرینی کی نسبت کہتا ہے کہ وہ سفید ہے، تو اگر کوئی ایسی قوت موجود نہین ہے جسمین محسوسات مجتمع ہوتے ہین تو یہ حکم کیونکر دے سکتا، کیونکہ جب کوئی حکم دیا جاتا ہے تو محکوم علیہ اور محکوم بہ دونون کا موجود ہونا ضروری ہے اس قوت کا نام حس مشترک ہے اسمین محسوسات کی صورت، دو طریقے سے نقش ہوتی ہے۔

احدھما ان الحواس الظاھرۃ التی ھی السمع والبصر والشم

ایک یہ کہ حواس ظاہری یعنی سامعہ باصرہ، شامہ

[1] جو عبارت ہم نے نقل کی ہے وہ سفینۃ راغب پاشا سے منقول ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ (۱۶) [2] حکمائے اسلام مراد ہین

والذوق واللمس تأخذ صور المحسوسات
وتؤديها الى الحس المشترك. والثاني ان
في الدماغ قوة متخيلة من شانها تركيب الصور
وتفصيلها وهي التي تركب راسين على بدن انسان
حتى يحصل صورة انسان ذي راسين وتفصل
راس الانسان عن بدنه حتى يحصل تصور
انسان عديم الراس وهذه اذا ركبت
من الصور ووردت على الحس المشترك تصير
مشاهدة بحسب مشاهدة الصور الخارجية
لان الصور التي في الخارج لم تكن مشاهدة
لكونها خارجية بل لكونها منطبعة في الحس المشترك
فتلك الصورة التي ركبتها اذا وردت على
الحس المشترك صارت مشاهدة واذا
ثبت هذا فنقول ان الصورة التي يراها
النائمون اما ان تكون موجودة
في الخارج او لا والاول باطل
والا لراها كل من كان سليم الحس

ذائقہ، لامسہ محسوسات کی صورتیں لیکر حس مشترک کے پاس پہنچاتے
ہیں - دوسری صورت یہ ہے کہ دماغ میں ایک قوت متخیلہ ہے کہ
کام یہ ہے کہ صورتوں کو ترکیب دیتی ہے اسی قوت کا کام ہے کہ
کہ ایک آدمی کے بدن پر دو سر فرض کرتی ہے یہانتک کہ ایک
ایسے انسان کی صورت بن جاتی ہے جس کے دو سر ہیں،
اور اسی کا کام ہے کہ انسان کے سر کو جدا کر دیتی ہے یہانتک
کہ ایک ایسا انسان متشکل ہو جاتا ہے جس کے سر نہیں، یہ قوت
جب صورتوں کو ترکیب دیکر حس مشترک کے پاس حاضر کرتی ہے
تو وہ صورت نظر آنے لگتی ہے جس طرح کہ خارجی صورتیں نظر
آتی ہیں، کیونکہ خارجی صورتوں کے نظر آنے کی یہ وجہ نہیں کہ
وہ خارج میں موجود ہیں بلکہ یہ وجہ ہے کہ وہ حس مشترک میں
منقش ہیں - تو یہ صورتیں جن کو قوت متخیلہ نے ترکیب دیا ہے جب
حس مشترک کے سامنے آتی ہیں تو نظر آنے لگتی ہیں، اور جب
یہ ثابت ہوا، تو ہم کہتے ہیں (یعنی اب اصل مقصد کو ثابت
کرتے ہیں) کہ خواب میں جو صورتیں نظر آتی ہیں وہ دو
حالت سے خالی نہیں، یا خارج میں موجود ہیں، یا نہیں پہلا
احتمال باطل ہے کیونکہ خارج میں موجود ہوتیں تو ہر صحیح الحواس

وحيث لم يرها دل على انها من تركيب القوة
المتخيلة وهذه القوة لو خليت وطبعها
لصدر هذا الفعل دائماً وانما لا يصدر
منها هذا الفعل لامرين احدهما اشتغال
الحس المشترك بالصور الواردة عليه من
خارج والثاني تسلط النفس الناطقة عليها
بضبط فاذا زال المانعان او احدهما
صدر منها هذا الفعل والمانع الاول يزول
بالنوم فان الحواس اذا تعطلت بالنوم بقي
الحس المشترك خالياً عن الصور الواردة عليه
من خارج والمانع الثاني يزول بالمرض فان
النفس في حالة المرض تكون مشغولة بجهته فتسلط
المتخيلة على تركيب الصور وتنطبع تلك الصور
في الحس المشترك فتصير مشاهدة

آدمی کو نظر آتیں اس لیے معلوم ہوا کہ خارج میں موجود نہیں
بلکہ قوت متخیلہ کا فعل ہے، قوت متخیلہ اگر اپنی اصلی حالت پر
رہنے پائے تو یہ فعل ہمیشہ اس سے سرزد ہو لیکن دو چیزیں
مانع ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ حس مشترک اُن صورتوں کے
قبول کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے جو باہر سے آتی رہتی ہیں
دوسرے یہ کہ نفس ناطقہ، قوت متخیلہ کو دبا لیتا ہے تو جب
یہ دونوں مانع یا ایک زائل ہو جاتا ہے تو قوت متخیلہ سے وہ فعل
سرزد ہونے لگتا ہے۔ پہلا مانع نیند کی حالت میں زائل ہو
جاتا ہے کیونکہ جب نیند کی وجہ سے حواس معطل ہو جاتے
ہیں تو حس مشترک خارجی صورتوں سے خالی ہو جاتا ہے
دوسرا مانع بیماری کی حالت میں زائل ہو جاتا ہے کیونکہ
بیماری کی حالت میں نفس مرض کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے
تو اس حالت میں قوت متخیلہ صورتوں کو ترکیب دینے لگتی ہے
اور یہ صورتیں حس مشترک میں آکر مشاہدہ ہو جاتی ہیں

واما الوحي والالهام

فالنفس الناطقة اذا كانت قوية بحيث لم
يكن اشتغالها بالبدن مانعاً من الاتصال

باقی وحی اور الہام تو ان کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ
جب اس قدر قوی ہوتا ہے کہ باوجود اشتغال بدن کے

بالمبادی القدسیة وکانت المتخیلة قویة بحیث تقوی علی استخلاص الحس المشترک عن الحواس الظاهرة لاتصل اتصالها فی الیقظة بالعقول المجردة والنفوس السماویة وحصل لها ادراک المغیبات علی وجه کلی ثم المتخیلة تحاکیها بصورة جزئیة مناسبة لها وتؤدی الی الحس المشترک فیصیر مشاهدة محسوسة وقد یعرض لبعضهم ان یسمع کلاماً منظوماً او یشاهد منظراً بهیاً یخاطبه بکلام منظوم فیما یتعلق باحواله واحوال غیره

مبادی قدسیہ سے متصل ہوسکتا ہی اور اس کے ساتھ قوت متخیلہ اس قدر قوی ہوتی ہی کہ حس مشترک کو حواس ظاہری سے نجات دے سکتی ہی تو نفس ناطقہ بیداری کی حالت مین بھی عقول مجردہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہوجاتا ہی اور اسکو غیب کی باتون کا ادراک کلی طور پر ہوتا ہی پھر قوت متخیلہ اُسکے مثال ایک جزئی صورت پیدا کرلیتی ہی۔ یہ صورت حس مشترک مین اترکر مشاہد اور محسوس ہوجاتی ہی اور بعضون کو یہ پیش آتا ہی کہ وہ مسلسل کلام سنتے ہین یا کوئی اچھی صورت دیکھتے ہین جو اُنسے مسلسل الفاظ کے ذریعہ سے باتین کرتی ہی، یہ باتین یا خود انھی کے متعلق ہوتی ہین یا اُنکے تعلقات کے متعلق

امام غزالی کی کتاب معارج القدس مین وحی کی حقیقت

امام غزالی نے معارج القدس مین نبوت کے عنوان سے جو بسیط مضمون لکھا ہے اس مین ایک فصل نبوت کے خواص مین لکھی ہی چنانچہ لکھتے ہین

بیان خواص النبوة۔ — نبوت کے خواص کا بیان۔

ولها خواص ثلث۔ احدها تابعة لقوة التخیل والعقل العملی۔ — نبوت کے تین خاصے ہین۔ ایک خاصہ قوت تخیل اور قوت عقلی عملی کا تابع ہی

اس خاصہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، اس مین سے جو عبارت یہان درج کے قابل ہی حسب ذیل ہے۔

ثم ان المتخيلة تفعل مثل ما تفعل في حال الرؤيا
المحتاجة الى التعبير بان تاخذ تلك الاحوال
وتحاكيها وتستولي على الحسية حتى يؤثر ما يتخيل
فيها من تلك في قوة بنطاسيا[1] بان ينطبع
الصور الحاصلة فيها في البنطاسيا المشاكلة
فيشاهد صوراً الهية عجيبة مرئية واقاويل
الهية مسموعة هي مثل تلك المدركات
الوحيية وهذه ادون درجات المعنى المسمى
بالنبوة واقوى من هذا ان يستثبت تلك
الاحوال والصور على هيئتها فلا تعرض للقوة المتخيلة
من الانصراف الى محاكاتها باشياء اخرى
واقوى من هذا ان تكون المتخيلة مستمرة
في محاكاتها والعقلي العملي والوهم لا يختلفان
عما استثبتاه فيثبت في الذكر مصورة ما
اخذت ويقبل المتخيلة على بنطاسيا وتحاكي
فيه ما قبلت بصورة عجيبة ومبصرة ويؤدي كل واحد

پھر قوت تخیلہ وہی عمل کرتی ہے جو تعبیر طلب خواب کی حالت
میں کرتی ہے یعنی یہ کہ اُن واقعات کو لیتی ہے اور اُنکی نقل
اُتارتی ہے اور قوت حسیہ پر چھا جاتی ہے یہان تک کہ تخیل
قوت حس پر اسقدر اثر ڈالتا ہے کہ قوت متخیلہ مین جو صورتین
ہین وہ حس مشترک مین اُتر آتی ہین تو اس حالت مین عجیب
عجیب خدائی صورتین نظر آتی ہین اور خدائی آوازین سنائی
دیتی ہین اور وہ ایسی ہوتی ہین جیسے کہ وحی کی مدرکات
اور یہ اُس وصف حس کو نبوت کہتے ہین کمتر درجہ ہے
اور اس سے قوی تر یہ درجہ ہے کہ یہ حالات اور صورتین اپنی
ہیئت پر اسطرح قائم ہوجائین کہ قوت متخیلہ کو یہ موقع نہ ملے
کہ وہ دوسری چیزون کی تصویر اتار سکے۔
اور اس سے بھی زیادہ قوی یہ درجہ ہے کہ تخیلہ برابر اپنا کام
کرتی رہے اور قوت عقلیہ اور وہم اسکی قائم کردہ
صورتون سے اختلاف نکرین تو جو صورت عقلیہ نے قائم
کی ہے وہ حافظہ مین رہ جائے گی اور قوت متخیلہ حس مشترک
پر اثر کریگی یہانتک کہ حس مشترک مین عجیب عجیب منقش چیزین نظر آئینگی

[1] یونانی لفظ ہے جس کے معنی حس مشترک کے ہین

مِنْهُمَا عَلٰی وَجْهِهٖ وَهٰذِهٖ طَبَقَةُ النُّبُوَّاتِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْقُوَّةِ الْعَقْلِيَّةِ وَالْخَيَالِيَّةِ	اپنا کام اپنے طریقہ پر کریگی، اور یہ نبوت کا وہ طبقہ جو قوت عقلیہ اور خیالیہ سے متعلق ہے۔

امام صاحب نے اگرچہ اصل مطلب کو بہت پیچ دے کر بیان کیا ہے لیکن حاصل وہی ہے جو صاحب مقاصد نے صاف صاف لفظون مین ادا کیا ہے۔ اس مضمون کو بوعلی سینا کے حوالہ سے ابوالبقا نے نہایت مختصر اور جامع و مانع الفاظ مین ادا کیا ہی چنانچہ تعریفات مین جہان وحی کی تعریف لکھی ہے، لکھا ہے

فَنَحْنُ نَرَى الْأَشْيَاءَ بِوَاسِطَةِ الْحِسِّ وَالنَّبِيُّ يَرَى الْأَشْيَاءَ بِوَاسِطَةِ الْقُوَى الْبَاطِنَةِ وَنَحْنُ نَرَى ثُمَّ نَعْلَمُ وَالنَّبِيُّ يَعْلَمُ ثُمَّ يَرَى	تو ہم لوگ اشیا کو حواس کے ذریعہ سے دیکھتے ہین اور پیغمبر قوی باطنی کے ذریعہ سے دیکھتا ہی۔ اور ہم لوگ ایک چیز دیکھتے ہین پھر جانتے ہین اور پیغمبر جانتا ہی پھر دیکھتا ہے

حکیم ابونصر فارابی، بوعلی سینا وغیرہ کی بھی یہی راے ہی لیکن ہم نے ان کی تصریحات اس لئے نقل نہین کین کہ یہ لوگ مذہبی حیثیت سے مقتدا تسلیم نہین کئے جاتے۔

اسلام تمدن اور ترقی کا مانع نہین بلکہ مؤید ہی

یہ پانچوان معیار ہے جس کے رو سے مذہب کی صحت کا اندازہ کیا جاتا ہی منکرین مذہب کو جس چیز نے سب سے زیادہ مذہب کا دشمن بنا دیا ہے وہ یہ ہی کہ ان کے نزدیک تمام مذاہب دنیاوی ترقیون کے سد راہ ہین، وہ اس کے وجوہ یہ بیان کرتے ہین۔

کن کن وجوہ سے مذہب کو دنیاوی ترقی کا مانع کہا جاتا ہی

(۱) مذہب مادیات تک محدود نہین رہتا بلکہ ہم جو کچھ کہتے یا کرتے ہین ہر بات مین

دست اندازی کرنا چاہتا ہے، چلنا پھرنا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ایک چیز بھی اسکی حد سے باہر نہین ہو سکتی - ایسے شکنجہ مین رہ کر انسان کیون کر ترقی کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن قومون نے جب ترقی کی ہمیشہ اس قسم کی مذہبی سخت گیریون سے آزاد ہو کر کی -

(۲) مذہبی اعمال ایسے سخت ہوتے ہین کہ ان کی پابندی معاشرت اور تمدن کی ترقی کا موقع نہین دیتی

(۳) ہر مذہب دوسرے مذہب والون کے ساتھ سخت تعصب اور نفرت کی تلقین کرتا ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ کبھی کسی قوم نے غیر مذہب والون پر انصاف کے ساتھ حکومت نہین کی جسکی وجہ سے نوع انسانی کا ایک گروہ کثیر ہمیشہ ذلیل و خوار رہ کر تمدن اور تہذیب سے محروم رہا -

یہ باتین اسلام مین نہین پائی جاتین

عام مذاہب کی نسبت یہ اعتراضات واقعیت سے خالی نہین، لیکن ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ مذہب اسلام، ان اعتراضات کا ہدف ہو سکتا ہے یا نہین

بے شبہ، اکثر مذاہب نے انسان کے ہر ہر جزئی فعل کو مذہب کے شکنجہ مین جکڑا ہے لیکن اسلام اسی غرض سے آیا کہ اس قسم کی تنگ و رزیون کو مٹا دے یہودیون کے ہان ایک ایک چیز مذہب کے شکنجہ مین جکڑی ہوئی تھی، خدا نے آنحضرت کی بعثت کا بڑا مقصد یہ قرار دیا کہ یہ قیدین اور بندشین اٹھا دی جائین -

قرآن مجید مین ارشاد کیا

اسلام

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ	جو لوگ کہ پیغمبر امی کی پیروی کرتے ہین جس کا نام اپنے ہان توریت و انجیل مین لکھا ہوا پاتے ہین وہ انکو اچھی بات کا

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف - رکوع ۱۸)	حکم دیتا ہی اور بری بات سے روکتا ہے، اور پاک چیزونکو اُنکے لیے حلال کرتا ہی اور ناپاک چیزون کو اُنپر حرام کرتا ہی اور وہ بوجھ جو اُنپر تھے اور وہ بیڑیان جو اُنپر تھین اُتار دیتا ہی

خوب غور کرو کہ یہودیون پر کونسا بوجھ تھا جس کو آنحضرت نے ہلکا کیا، اور اُن کے پاؤن مین کونسی بیڑیان تھین جو آپ نے اتروا دین۔

قرآن مجید مین خاص طور پر یہود اور نصاریٰ کو مخاطب کر کے کہا ہے لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ یعنی مذہب مین غلو نہ کرو۔ مذہبی غلو کی دو صورتین ہین ایک یہ کہ ہر قسم کی حرکات و سکنات کو مذہب کے دائرہ مین داخل کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ احکام مذہبی سخت و ناقابل تعمیل مقرر کیے جائین، اسلام نے ان دونون کو مٹا دیا۔ مذہب کے دائرہ کو لوگون نے یہان تک وسعت دی تھی کہ زندگی کے عیش و عشرت ناز و نعمت عمدہ خور و پوشش کو بھی اس مین داخل کر لیا تھا اور اس کو ناجائز قرار دیا تھا، اسپر قرآن مجید نے کہا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ	اے پیغمبر کہدے کہ خدا نے جو آرایش اور جو اچھے کھانے اپنے بندون کے لیے پیدا کیے ہین ان کو کس نے حرام کیا ہے

خدا کے انھی احکام کی بنا پر آنحضرت نے دنیاوی معاشرت اور تمدن کو مذہب کے دائرہ سے بالکل الگ رکھا اور فرمایا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ یعنی دنیا کی باتین تمھین خوب جانتے ہو

دوسرا اعتراض تو اسلام سے بمراحل دور ہے، اسلام کو دعویٰ ہے اور بجا دعویٰ ہے کہ اسکے احکام مذہبی نہایت نرم آسان اور سہل العمل ہین۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج)	اور خدا نے دین کے بارے میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی
مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ	خدا یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی طرح کی تنگی روا رکھے بلکہ یہ چاہتا ہے
لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (مائدہ)	کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دے۔
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔	خدا تمھارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے نہ کہ سختی۔
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔	خدا کسی پر اس سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جس قدر اس کو طاقت ہے
(سورۃ بقر)	
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا	خدا چاہتا ہے کہ تم سے (بوجھ) ہلکا کرے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے

یہ صرف دعویٰ نہیں، بلکہ اسلام کے تمام احکام اس دعوے کے شاہد ہیں، مذہبی اعمال کی سختی کی متعدد صورتیں ہیں۔

(۱) فرائض کی تعداد زیادہ ہو، اور وہ ایسے ہوں جن کی تعمیل مشکل ہو یا جن کی تعمیل میں وقت کا بڑا حصہ صرف ہو جائے۔

اسلام میں صرف پانچ فرائض ہیں نماز۔ روزہ۔ زکوۃ۔ حج۔ جہاد۔ حج اور زکوۃ دولتمندوں پر محدود ہے جہاد صرف اسوقت فرض ہے جب حفاظت خود اختیاری کی ضرورت ہو صرف دو فرض ہیں جو سب کے لئے عام ہیں، نماز روزہ، روزہ سال میں ایک دفعہ ہے، وہ بھی مسافر اور بیمار اور نہایت کمزور آدمیوں کے لئے نہیں، نماز البتہ کسی حالت میں معاف نہیں لیکن اس کی یہ صورت ہے کہ بیمار کے لئے وضو کی ضرورت نہیں، گھوڑے یا جہاز کی سواری میں سمت قبلہ کی پابندی نہیں، وہ حسب اختلاف ضرورت کھڑے ہو کر

بیٹھکر لیٹ کر، گھوڑے پر سوار ہو کر غرض ہر طرح ادا کی جا سکتی ہے سفر مین بجائے چار رکعت کے صرف دو رکعتین رہجاتی ہین، اس کے ادا کے لیے جو ارکان و آداب مقرر ہین ان مین سے خصوصیت کے ساتھ نہایت کم کی پابندی ضرور ہے مثلاً ہاتھ کھول کر بھی نماز پڑھ سکتے ہین باندھ کر بھی، ہاتھ سینے پر بھی باندھ سکتے ہین بالائے ناف بھی، آمین پکار کر بھی کہ سکتے ہین آہستہ بھی، غرض بعض امور کے سوا باقی کسی خاص طریقہ کی پابندی ضرور نہین، چنانچہ مختلف امامون نے مختلف صورتین اختیار کین۔

(۲) فرائض کے ادا کرنے کے لیے نہایت جزئی چھوٹی چھوٹی قیدین لگائی جائین اور ہر ایک کو ضروری قرار دیا جائے، دیگر مذہب مین، اس قسم کی جو سختی تھی اس کا اندازہ توریت کے احکام سے ہو سکتا ہے، مثلاً قربانی جو اسلام مین نہایت سادہ اور آسان طریقہ سے ادا ہو سکتی ہے، توراۃ مین اسکے لیے جو قیدین مذکور ہین انکا مختصر سا نمونہ یہ ہے اور ہارون پاکترین مکان مین یون آئے کہ خطا کی قربانی کے لیے ایک بچھڑا اور سوختنی قربانی کے لیے ایک مینڈھا لائے اور کتانی مقدس پیراہن پہنے اور اس کے بدن مین کتانی پاجامہ ہو، اور کتانی پٹکے سے اسکی کمر بندی ہو اور اپنے سر پر کتانی عمامہ رکھے، یہ مقدس کپڑے ہین اور اپنا بدن پانی سے دھوئے اور انھین پہن لے اور بنی اسرائیل کی جماعت سی بکری کے دو بچے خطا کی قربانی کے لئے لے، اور ہر دن اپنے اس بچھڑے کو جو خطا کی قربانی کے لئے اس کی طرف سے ہے نزدیک لائے اور اپنے گھر کے لئے کفارہ دے پھر ان دونون حلوانون کو لے کے جماعت کے خیمے کے دروازہ پر خداوند کے آگے حاضر کرے

اور ہرون ان دونون حلوانون پر قرعہ ڈالے۔ ایک قرعہ خداوند کے لئے اور دوسرا قرعہ چلاوے کے لیے اور ہرون اس حلوان کو جسپر خداوند کے نام کا قرعہ پڑے لاوے اور اُسے خطا کی قربانی کے لیے ذبح کرے۔

اور وہ ایک عودسوز اس آگ کے انگارون سے جو خداوند کے آگے مذبح پر ہے بھرلے اور اپنی مٹھیان بخور کے کوٹے ہوے مصالح سے بھی بھرے اور اسی پردہ کے اندر لاوے اور اس بخور کو خداوند کے حضور آگ مین ڈال دے تاکہ بخور کا دھوان کفارہ گاہ کو جو شہادت کے صندوق پر ہے چھپاے کہ وہ ہلاک نہو، پھر وہ اس بچھڑے کا لہو لے کے اپنی انگلی سے کفارہ گاہ پر پورب کی طرف کو چھڑکے اور کفارہ گاہ کے آگے بھی لہو اپنی انگلی سے سات مرتبہ چھڑکے (توریت۔ احبار باب ۱۶)

اسی قسم کے طفلانہ قیود ہندؤن اور تمام دیگر قومون مین پاے جاتے ہین یہان تک کہ کوئی شخص بطور خود عبادت الٰہی ادا ہی نہین کرسکتا جب تک کوئی عبادت کرانے والا پیشوا موجود نہو، ہندؤن کو پنڈتون کی ضرورت ہے۔ عیسائیون کو پادری کی، یہودیون کو احبار کی لیکن مسلمان کو کسی دوسرے شخص کی دستگیری کی ضرورت نہین ہے وہ اپنا آپ پادری اپنا آپ پنڈت اپنا آپ احبار ہے۔

اسلام نے طریقہ عمل کے نمونہ کے لیے اس قسم کی کوئی شرط اختیار بھی کی ہے تو ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ یہ قیدین فی نفسہ ضروری نہین، نماز کے لیے قبلہ کی سمت کا جہان حکم دیا ساتھ ہی کہدیا کہ اَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ یعنی جس طرف منہ کرو اُسی طرف خدا کا منھ ہے

قربانی کا جہان ذکر کیا یہ بھی فرمایا کہ لَن يَنَالَ اللهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ
یعنی خدا تک نہ قربانی کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون بلکہ تقوی اور پرہیزگاری پہنچتی ہے۔
تیسرے اعتراض کا جواب بہ تفصیل آگے آئے گا

ہمارا صرف یہ دعوی نہین کہ اسلام تمدن کے موافق ہے، بلکہ ہمارا یہ بھی دعوی ہے کہ وہ تمدن کو ترقی دینے والا ہے اور اس حد تک پہونچانے والا ہے جو تمدن کا انتہائی درجہ ہے
اس امر سے انکار نہین ہو سکتا کہ دنیاوی تمدن آج یورپ مین جس حد تک پہونچا ہے کبھی نہین پہونچا تھا اسلیے ہم کو غور کرنا چاہیے کہ اس تمدن کے اصلی اصول کیا ہین؟

یورپ کے تمدن کے مہمات اصول حسب ذیل عنوان مین محدود کیے جا سکتے ہین اور دنیا مین جب کبھی کسی قوم نے تمدن مین ترقی کی ہوگی یا آئندہ کرے گی تو انھی اصول پر کی ہوگی اور کرے گی۔

ترقی تمدن کے جو اصول ہین سب اسلام مین پائے جاتے ہین

(۱) انسان کی تمام ترقیون کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ وہ یہ خیال کرے کہ وہ اعلی ترین مخلوقات ہے اور تمام کائنات مین جو کچھ ہے وہ اسی لیے ہے کہ انسان اس سے تمتع اٹھائے۔
سب سے پہلے قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم کی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ	ہم نے انسان کی بناوٹ بہتر سے بہتر بنائی۔
وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	تمام آسمان وزمین کی چیزون کو تمھارا مسخر کیا۔

اس قسم کی اور بہت سی آیتین ہین جو آئندہ آئینگی۔

(۲) انسان کی تمام ترقیون کی بنیاد یہ ہے کہ اس کو یہ یقین ہو کہ اس کے خیر و شر

ترقی اور تنزل - عروج اور زوال کا مدار تمامتر اسکی سعی اور کوشش پر ہے اور دنیا اور دین کی تمام کامیابیان محض اس کی کوششون پر موقوف ہین قرآن مجید نے اس اصول کو نہایت توضیح اور تاکید کے ساتھ بیان کیا -

لیس للانسان الا ما سعی -	انسان کے لئے اتنا ہی ہے جتنی اسکی کوشش ہے
لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت (بقرہ) (بقرہ)	انسان کے نفس کو جو فائدہ پہنچتا ہے اسی کی کمائی کی بدولت اور جو نقصان پہنچتا ہے اسی کے کرتوت کی بدولت -
ولا تکسب کل نفس الا علیها (انعام)	اور جو کوئی برا کام کرتا ہے تو اسکا وبال اسی پر پڑتا ہے
اولما اصابتکم مصیبة قد اصبتم مثلیها قلتم انی هذا قل هو من عند انفسکم (آل عمران)	دو چند تم پر پہلے پڑ چکی ہے تو تم کہو گے کہ یہ مصیبت کہان سے آئی؟ اے محمد کہدے کہ یہ خود تمہاری اپنی ذات کی وجہ سے ہے
ذلک بان الله لم یک مغیرا نعمة انعمها علی قوم حتی یغیروا ما بانفسهم (انفال)	یہ اس لئے کہ خدا جب کسی قوم کو کوئی نعمت دیتا ہے تو پھر اسکو بدلتا نہین جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلین -
ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس (روم)	لوگون کے کرتوت کی بدولت تمام خشکی و تری پر فساد پھیل گیا
ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم (حمعسق)	تم پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو خود تمہارے کرتوت کی بدولت

اسلام نے اس مضمون پر اسقدر زور دیا کہ قرآن مجید مین جا بجا تصریح کی کہ بندہ جب ایک کام کر لیتا ہے تو خدا بھی اسی کے موافق کرتا ہے -

ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات یهدیهم	جو لوگ ایمان لائے اور انھون نے کام بھی اچھے کئے خدا انکو

ربھم بایمانھم (یونس)	ان کے ایمان کی وجہ سے ہدایت کرتا ہے
ان الذین لا یومنون بآیات اللہ لا یھدیھم اللہ	جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے خدا انکو ہدایت نہیں کرتا
والذین جاھدوا فینا لنھدینھم	جو لوگ ہمارے لئے مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُن کو اپنی
سبلنا۔ (عنکبوت)	راہ دکھاتے ہیں۔
یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا	مسلمانو! خدا سے ڈرو۔ اور ٹھیک بات بولو تو خدا تمہارے
سدیدا یصلح لکم اعمالکم (الاحزاب)	اعمال کو صالح کر دے گا
یا ایھا الذین امنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم	مسلمانو! اگر تم خدا کی مدد کروگے تو خدا بھی تمہاری مدد کریگا
ویثبت اقدامکم۔ (محمد)	اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔
فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم (صف)	پھر جب وہ لوگ کج ہوئے تو خدا نے بھی اُنکے دلوں کو کج کر دیا
ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم (رعد)	خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں

ان آیتوں میں خدا نے اپنے کام کو بندہ کے کام سے متاخر رکھا فلما زاغوا الخ میں بیان کیا کہ جب ان لوگوں نے کجی کی تو خدا نے بھی اُن کے دلوں کو کج کر دیا یا ایھا الذین امنوا میں یہ کہا کہ مسلمانو! پرہیزگاری اختیار کرو اور بات کہو، تو خدا تمہارے عمل صالح کر دیگا حالانکہ پرہیزگاری خود عمل صالح کا نام ہے، اور جب کوئی شخص پرہیزگاری کرے گا تو پھر اسکے عمل کے صالح کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ظاہر کرنی ضرور ہے کہ قرآن مجید میں ایسی بھی بہت سی آیتیں ہیں جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ	اور وہ اپنے بندون پر بالادست ہے۔
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	کہدے کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے۔

عیسائی اکثر طعنہ دیتے ہین کہ مسلمانون مین جو کاہلی اور پست ہمتی پائی جاتی ہے وہ اسی مسئلہ قضا و قدر کا اثر ہے اور اس لیے مسلمانون کا تنزل خود انکے مذہب کا لازمی نتیجہ ہے،

اس اعتراض کو اگرچہ ہمارے توکل پیشہ علما اور صوفیہ نے اپنے طرز عمل سے قوی کر دیا ہے لیکن درحقیقت یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔

اس کا سرسری جواب تو یہ ہے کہ یہی قضا و قدر کا اعتقاد تھا جس کی بدولت صحابہ مین سے ایک ایک شخص ہزارون آدمیون کے دل مین گھس جاتا تھا اور سیکڑون کو خاک مین ملا کر صحیح سلامت نکل آتا تھا اگر آج اسی جوہر کو ہمارے علما و صوفیہ اپنی شکستہ پائی اور کاہلی کے لئے استعمال کرتے ہین تو اس مین اسلام کا کیا قصور ہے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ بے شبہ اسلام نے انسان کو مختار کل قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس بات کی بھی احتیاط رکھی ہے کہ یہ اعتقاد الحاد کی حد سے نہ مل جائے انسان کے مختار ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہین۔ ایک یہ کہ خالق، اور خدا کوئی چیز نہین، اسلئے انسان قادر مطلق ہے، جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے جو نہین چاہتا نہین کرتا۔ دوسرے معنی یہ ہین کہ خدا قادر مطلق ہے لیکن اسنے انسان کو اپنے افعال کا مختار بنایا ہے اسلئے انسان جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اسلام نے پہلے معنی کی نفی کی ہے اور اسی بنا پر قرآن مین آیا ہے

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ	تم کسی بات کو نہ چاہو گے جب تک کہ خدا نہ چاہے۔

جس کا یہ مطلب ہے کہ تم کو جو مشیت اور ارادہ کی قوت دی گئی ہے یہ خدا ہی نے دی ہے اگر خدا نہ چاہتا تو تم مین یہ قوت بھی نہ ہوتی۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ | یعنی جو کچھ دنیا مین ہے سب کی علۃ العلل خدا ہی کی ذات ہے۔

اس امر کا قطعی فیصلہ کہ اسلام نے اختیار کی تعلیم کی تھی یا جبر کی، اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اسلام کے مرکز تھے، جو اسلام کی مجسم تصویر تھے، جو لوگ اسلام کی ایک ایک ادا سے واقف تھے یعنی صحابہ انھون نے کیا سمجھا اور ان پر اسلام کی تلقین کا کیا اثر ہوا؟ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی تعلیم نے اُن کو اختیار، عزم، استقلال، اور حوصلہ کا مجسم پیکر بنا دیا تھا۔

(۳) تمدن کی ترقی کا سب سے بڑا اصول مساواۃ کا اصول ہے، یعنی یہ کہ تمام انسانون کے حقوق مساوی ہین۔ فلاسفر کوندرسیہ کا قول ہے کہ "حقوق انسانی کے سمجھنے کا پہلا دیباچہ مساوات ہے اور مساوات ہی تمام اخلاق حمیدہ کی بنیاد ہے"

لیکن اسلام کے قبل تک یہ خیال کسی قوم اور ملک مین پیدا نہین ہوا تھا۔ تعزیرات کے متعلق مہذب سے مہذب قومون کا طرز عمل یہ تھا کہ مجرمون کے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے سزائین دی جاتی تھین۔ لاروس اپنی انسائکلوپیڈیا مین لکھتا ہے کہ "رومن امپائر مین ایک ہی جرم کی سزائین مختلف ہوتی تھین یعنی مجرم کی حیثیت اور درجہ کے لحاظ سے سزا ہوتی تھی" اس کے بعد مصنف مذکور نے اس ناانصافی اور ظلم کی تفصیل کی ہے اور رومن سے لیکر فرینچ تک کے واقعات گنائے ہین۔ اخیر مین لکھا ہے کہ ۱۷۸۹ء کے ہنگامہ نے

یہ تمام امتیازات مٹا دیے کیونکہ اس نے خود ان القاب و خطابات کو مٹا دیا جو لوگوں کی ذاتی
عزت یا وراثت کے اعزاز کی بنا پر قائم تھے ؛؛

فلاسفر فرنگ لکھتا ہے کہ "مساوات کی بنیاد پچاس برس سے یورپ کی بعض قوموں
مین پڑی ہے اور اب دوسرے حصون مین بھی پھیلتی جاتی ہے "

فلاسفر مذکور مساوات کی ابتدا پچاس برس سے بتاتا ہے لیکن اسلام مین بارہ سو
برس پہلے یہ اصول قائم ہو چکا تھا قرآن مجید مین ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ
وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمھارے
کنبے اور قبیلے ٹھیرائے اس غرض سے کہ ایک دوسرے کو پہچانے
جاؤ لیکن خدا کے نزدیک صاحب عزت وہ ہے جو پرہیزگار ہو

یہ صرف الفاظ نہ تھے بلکہ اسلام کا نظام اسی اصول پر قائم ہوا، اور اسلام جب تک اسلام تھا اسی
اصول پر قائم رہا۔ عرب مین قبائل کے مدارج مقرر تھے۔ جو قبیلہ زیادہ شریف اور معزز
تھا اُس کا ایک آدمی دوسرے قبائل کے متعدد آدمیون کے برابر مانا جاتا تھا یعنی معزز
قبیلہ کے ایک آدمی کے خون کے بدلے مین دوسرے قبائل کے کئی آدمی قتل کیے
جاتے تھے۔ اسی طرح غلام کے خون کے معاوضہ مین آقا قتل نہین کیا جا سکتا تھا، اسلام
نے اصول مساوات کی بنا پر یہ تفرقے بالکل مٹا دیے قریش جن کو یہ غرور تھا کہ جنگ بدر
مین انھون نے انصار کے مقابلہ سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ انصار پر ہاتھ اٹھانا بھی انکو
عار ہے، وہ حبش اور ایران کے زرخرید غلامون کے برابر کر دیے گئے ابو سفیان جو تمام قریش کا سردار

رہ چکا تھا اور جس کو خود رسول اللہ کے حریف مقابل ہونے کا دعوی تھا جب اسلام لایا تو اس کو بلال و صہیب کا ہمرتبہ ہو کر رہنا پڑا حالانکہ بلال و صہیب دونون عجمی زرخرید غلام تھے۔

جبلہ بن الایہم عرب کا مشہور بادشاہ تھا جب وہ اسلام لایا تو اُسنے چاہا کہ ایک عامی آدمی کے مقابلہ مین اس کی عزت مرجح تسلیم کی جائے لیکن عمر فاروق رض نے جو اسلام کے اصلی تصویر تھے گوارا نہ کیا اور وہ اسی ضد پر مرتد ہو کر عیسائیون سے جا کر مل گیا۔

عمر فاروق رض نے جب شام کا سفر کیا اور بیت المقدس مین داخل ہوے تو انکا غلام اونٹ پر سوار تھا اور خود ان کے ہاتھون مین اونٹ کی باگ تھی حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ تمام لوگ خلیفہ اسلام کی جاہ و شوکت دیکھنے کے لئے گھرون سے نکل آئے تھے۔

اس قسم کے ہزارون واقعات ہین جنکا شمار نہین کیا جا سکتا۔ نتیجہ عام کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ اسلام مین سب سے پہلا ظلم جو شروع ہوا وہ تنحّ عَنِ الطَّرِیقِ (راستہ سے ذرا ہٹ جاو) کا کہنا تھا، یعنی اوائل اسلام مین بڑے سے بڑا آدمی راہ مین کسی معمولی آدمی کو نہین کہہ سکتا تھا کہ ذرا ہٹ جاو، اول جو ظلم شروع ہوا وہ اسی لفظ کا استعمال کرنا تھا۔

(۴) تمدن کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ، اور ترقی تمدن کی بہت بڑی علامت مذہبی نفرت اور مذہبی جبر کا دور کرنا ہے، دنیا جب سے آباد ہے ہمیشہ ہر ملک مین، ہر قوم مین ہر سلطنت مین یہ طریقہ رہا کہ غیر مذہب والون پر جبر کیا جاتا تھا، ان کو مذہبی آزادی نہین دی جاتی تھی۔ اُن سے نفرت اور حقارت کی تلقین کی جاتی تھی اور مختلف طریقون سے لوگونکو

تبدیل مذہب پر مجبور کیا جاتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا یہ مذاق تھا اور یہ گویا انسان کی فطرت ہو گئی تھی کہ جب دو شخصوں میں کسی راے اور خیال کے متعلق اختلاف ہوتا تھا، تو اسکا اثر معاشرت کے تمام امور پر پڑتا تھا یعنی دونوں میں اجنبیت پیدا ہو کر منافرت اور عداوت کی حد تک نوبت پہونچتی تھی۔

سب سے پہلے اسلام نے اختلاف مذہب اور دیگر تعلقات کے حدود جداگانہ قائم کیے یعنی یہ بتایا کہ اگر کسی شخص سے مذہب میں اختلاف ہو تو اسکا اثر عام معاشرت پر نہیں پڑنا چاہیے۔ والدین کے جہاں حقوق بیان کیے وہاں فرمایا کہ

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔	اگر وہ دونوں اس بات پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جسکا تجھکو علم نہیں ہے (یعنی اگر والدین شرک پر مجبور کریں) تو تو ان کا کہنا مان لیکن دنیا میں انسے اچھا برتاؤ کر

پھر عام طور فرمایا۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ	جن لوگوں نے تم سے مذہبی جنگ نہیں کی اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا انکی بنسبت خدا تمکو منع نہیں کرتا کہ تم انکے ساتھ بھلائی اور انصاف کرو بے شبہ خدا انصاف کو پسند کرتا ہے

لہ قرآن مجید میں بہت سی آیتیں اس قسم کی موجود ہیں جنمیں یہ حکم ہے کہ غیر مذہب والوں سے دوستی اور محبت نہ رکھو اور انہی آیتوں کو بے نظام میں علما بموقع پیش کرتے ہیں لیکن وہ آیتیں ان کافروں سے مخصوص ہیں جو مسلمانوں سے مذہبی لڑائی لڑتے تھے چنانچہ خود خدا نے اس آیت کے بعد تصریح کردی اور فرمایا کہ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم یعنی خدا تو ان لوگوں سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے جو تم سے مذہب کے بارہ میں لڑے اور تم کو تمھارے گھروں سے نکال دیا اور تمھارے نکال دینے پر اعانت کی

اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ اس مسئلہ کا اصلی فلسفہ بتا دیا یعنی خدا نے انسانون کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ ان کی صورت سیرت خیال ۔ مذاق اور راے مین اختلاف ہو۔ اس لئے اس بات کی خواہش کرنا کہ تمام لوگ خواہ مخواہ متحد الخیال ہوجائین گویا فطرت انسانی کو مٹانا ہے ۔

اس نکتہ کو قرآن نے ان لفظون مین ادا کیا ۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ھود)	اور اگر خدا چاہتا تو تمام آدمیون کو ایک ہی امت بناتا لیکن لوگ ہمیشہ مختلف رہین گے بجز ان کے جن پر تیرے خدا کا رحم ہوا اور خدا نے اسی لئے ان لوگون کو بنایا ہی ہے ۔
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	اور اگر خدا چاہتا تو دنیا کے تمام آدمی مسلمان ہو جاتے
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (مائدہ)	اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بناتا ۔
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا (انعام)	اور اگر خدا چاہتا تو لوگ شرک نہ کرتے
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ (انعام)	اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا ۔
أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا (رعد)	کیا مسلمان مایوس نہین ہوے کہ اگر خدا چاہتا تو تمام لوگون کو ہدایت کر دیتا ۔
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (حمعسق)	اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بناتا ۔
وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (نحل)	اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لاتا ۔
وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (سجدہ)	اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت کر دیتے ۔

بعض وقت جناب رسول اللہ کو بہ اقتضاے بشریت کافرون کی سرکشی اور بے پروائی

گراں گذرتی تھی۔ اسپر قرآن مجید میں یہ آیت اتری۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔	اور اگر ان کی سرکشی تجھ پر گراں گذرتی ہے تو ممکن ہو کہ زمین کے اندر سرنگ تلاش کر دیا آسمان میں سیڑھی بہم پہونچا تاکہ انکو کوئی معجزہ دکھاؤ (تو کر دیکھو) اور اگر خدا چاہتا تو سب کو راہ راست پر متفق کر دیتا۔ تو و کھو جاہل نہ بن۔

لیکن چونکہ اکثر انسانوں کی فطرت ایسی ہی بنائی ہے کہ وہ ہدایت اور وعظ و پند سے حق بات قبول کر لیتے ہیں، اس لئے اسلام نے وعظ اور پند کے ذریعہ سے دعوت اسلام کی اجازت دی اور فرمایا۔

وَادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (نحل)	لوگوں کو اپنے خدا کے راستہ کی طرف بلا بذریعہ حکمت کے اور بذریعہ وعظ کے اور لوگوں سے بحث کر معقول طریقہ سے
فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ	لوگوں کو نصیحت کر تو صرف نصیحت کرنے والا ہے نہ داروغہ
فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ (مزمل)	تو جس کے جی میں آئے وہ اپنے خدا کی راہ اختیار کرے۔
اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (یونس)	کیا تو لوگوں کو زبردستی مسلمان کرنا چاہتا ہے

اعتقاد اور یقین ایسی چیز ہے جو دل سے متعلق ہے اس لئے کوئی شخص کسی کے دل میں ایمان و یقین جبر اور زبردستی سے نہیں پیدا کر سکتا۔ اس بنا پر مذہب میں جبر کرنا بالکل بے فائدہ چیز ہے لیکن یہ نکتہ اس وقت تک دنیا کی سمجھ میں نہ آیا جب تک اسلام نے یہ نہیں کہا کہ

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ (آل عمران)	مذہب کوئی زبردستی کی چیز نہیں۔

ژول سیمان جو فرانس کا بہت بڑا فاضل گذرا ہے لکھتا ہے کہ مذہبی آزادی کو کچھ بہت فن تمیز گذرے کیونکہ دنیا کی تمام تاریخین درحقیقت مذہبی تعصب اور کینہ وری کا مجموعہ ہین" اسکے بعد فاضل مذکور نے قرون اولی سے عہد وسطی تک مذہبی تعصب کے واقعات تفصیل کے ساتھ گنائے ہین، اخیر مین لکھا ہے کہ بالآخر فلسفیانہ روح نے ۴۔ اگست ۱۷۸۹ع کو مذہبی آزادی پر بحث کی لیکن یہ خیال وجود مین اُس وقت آیا جب یہودیون کو ۱۷۹۱ع مین ظلم سے نجات دی گئی تاہم چونکہ فرنچ ریولیوشن کا طریق انتظام اچھا نہ تھا اس لئے وہ مذہبی آزادی کو مضبوط بنیاد پر قائم نہ کرسکا"

یہ فاضل ژول سیمان جس چیز کی ابتدا ۱۷۸۹ء سے بیان کرتا ہے، اسلام مین بارہ سو برس پہلے قایم ہوچکی تھی لیکن چونکہ فاضل مذکور، اسلام کی حقیقت اور تاریخ سے واقف نہ تھا اُسنے دوسرے قومون کی بنا پر تمام عالم کی نسبت عام راے قایم کی اور اسکو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔

(۵) ترقی تمدن کے بڑے اسباب مین سے ایک یہ ہے کہ عورتون اور مردون کے حقوق برابر قائم کئے جائین۔ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا عمل اس اصول کے خلاف تھا، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اسکی تلقین کی چنانچہ یہ بحث نہایت تفصیل کے ساتھ اوپر گذر چکی ہے۔

(۶) کسی قوم کی ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ اس کی ہر فرد کو من حیث القوم سلف آنر یعنی اپنے آپ عزت کا خیال دلایا جائے، اسلام نے ابتدا ہی سے اس نکتہ کو

ملحوظ رکھا۔ چنانچہ مسلمانون کو مخاطب کر کے کہا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ	تم تمام قومون سے بڑھکر ہو۔
لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ	عزت خدا کے لیے ہی اور اُسکے رسول کے لیے اور مسلمانون کے لیے

قرن اوّل مین یعنی جب تک اسلام اسلام رہا یہ خیال تمام مسلمانون مین اس قدر جاگزین تھا کہ قوم کا ہر ہر فرد من حیث القوم اپنے آپ کو افضل ترین عالم سمجھتا تھا، یہی سلف آثر کا خیال تھا جو مسلمانون کے ہر قسم کے حوصلہ مندیون اولعزمیون، بلند خیالیون کا باعث تھا، تاریخون مین تم نے پڑھا ہوگا کہ ایک معمولی درجہ کا مسلمان بھی قیصر و کسریٰ کے دربار مین کس دلیری اور آزادی سے سوال و جواب کرتا تھا۔

(۷) ترقی کا مقدم ترین اصول، علم ہے، اسلام نے علم کو گویا لازمۂ اسلام قرار دیا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مین علم کی تحصیل کے متعلق کثرت سے جو ہدایتین ہین، اُن سے قطع نظر واقعات پر نظر ڈالو، تاریخ ہر ہر قدم پر اس بات کی شہادت دینے کے لیے موجود ہے کہ اسلام دنیا مین جہان جہان گیا علم کو ساتھ لیکر گیا، وہ قومین جو ازل سے جاہل اور اُمّی رہتی آئی تھین جس دن اسلام لائین علم و فن سے معمور ہوگئین، عرب ابتدا سے عالم سے جاہل تھا یہان تک کہ اسلام کے اوائل تک بڑے بڑے شعرا لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے تھے رذبہ جو مشہور شاعر تھا لکھا پڑھا تھا لیکن ایک موقع پر جب اس کو کچھ لکھنا پڑا تو اُسنے حاضرین سے نہایت الحاح کے ساتھ درخواست کی کہ یہ راز کہین ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری بڑی بدنامی ہوگی، لیکن یہی عرب اسلام کے وجود کے ساتھ علوم و فنون کا مرکز بن گیا

اور امام شافعی، امام مالک، زہری، جیسے مجتہدین وہان پیدا ہونے لگے، ترکون کی قوم ہزارون
برس پہلے سے موجود تھی لیکن انکا امتیازی وصف یہ تھا ع چنان بردند صبر از دل کہ ترکان
خوان یغمار ا، یہی ترک تھے جن مین اسلام لانے کے ساتھ حکیم ابونصر فارابی اور امیر خسرو اور
سیکڑون علما و شعرا پیدا ہوے، جن جن قومون نے دنیا مین اسلام قبول کیا، ان سب کا شمار
کرو، اور دیکھو کہ اسلام سے قبل اُن کی علمی حالت کیا تھی اور کیا ہو گئی صاف نظر آئے گا کہ
علم، اسلام کے عنصر مین داخل تھا۔

حکومت جمہوری

(۸) ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ نظام حکومت جمہوریت کی بنا پر قائم کیا جائے
اس اصول پر اسلام نے اسقدر زور دیا کہ خود آنحضرت کو اسکی پابندی کا حکم ہوا۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ	اور لوگون سے مشورہ کر

حالانکہ وحی و الہام ہوتے ہوے آپ کو کسی سے مشورہ اور صلاح لینے کی کیا حاجت تھی
مزید تاکید کے لئے مسلمانون کی امتیازی خصوصیت یہ قرار دی۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ	ان کا کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔

تقسیم عمل

(۹) ترقی کا بڑا اصول یہ ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر کام کیا جائے یعنی ہر فرقہ ایک
خاص کام مین مشغول ہو تاکہ اس کام کو بخصوصیت کے نہایت اعلی درجہ تک ترقی دے
سکے، یورپ مین یہ اصول یہان تک ترقی کر گیا ہے کہ طبیبون اور حکیمون مین سے خاص
خاص امراض کے الگ الگ طبیب ہین اور وہ ان امراض کے سوا اور بیماریون کے علاج
سے واسطہ نہین رکھتے، خود قدرت نے اسی اصول پر عمل کیا ہے، ہاتھ پاؤن، سر، دل، دماغ

کام الگ الگ تقسیم کر دیے ہین، اسلام نے اس اصول کے طرف ان الفاظ مین اشارہ کیا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

اور تم مین سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہیے کہ لوگونکو اچھے کامون کی رغبت دلائے اچھی باتون کا حکم دے۔ بری باتون سے روکے

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ۔

تمام مسلمانون کو اٹھ کھڑا نہین ہونا چاہیے لیکن یہ تو ہونا چاہیے کہ ہر گروہ مین سے کچھ لوگ آمادہ ہون کہ مذہب مین تفقہ حاصل کرین۔

(۱۰) ہر زمانہ مین ایک گروہ ایسا ہوتا آیا ہے جس کی یہ راے ہے کہ انسانون کے افراد مین جو اختلاف مراتب ہے یہ مٹادیا جائے یورپ مین انارکسٹ نہلسٹ وغیرہ اسی خیال کے لوگ ہین، لیکن یہ درحقیقت اصول فطرت کے خلاف ہے، اور اگر اسپر عمل کیا جائے تو ہر قسم کی ترقیان دفعۃً رک جائین۔ اسلام نے اسکا فلسفہ ان لفظون مین ادا کیا۔

انسانون کا مختلف المراتب ہونا

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا

ہم نے دنیا مین انسانون کی روزی ان کے باہم تقسیم کی ہے اور ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے تاکہ ایک کو ایک اپنے کام مین لاسکے۔

(۱۱) ترقی کا بہت بڑا اصول یہ ہے کہ علمی ترقی کی کوئی انتہا نہ قرار دیجائے یعنی انسان ترقی کی کسی حد تک پہنچکر قانع نہ ہو، اور یہ خیال رکھے کہ ابھی ترقی کے اور منازل طے کرنے باقی ہین، اس مسئلہ پر اسلام نے اس قدر زور دیا کہ خود جناب سرور کائنات کو جو علوم لدنیہ سے ممتاز تھے ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

علمی ترقی کی انتہا نہ ہونی

قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْماً | کہ-کہ اے خدا مجکو اور زیادہ علم دے

دین و دنیا کا باہمی تعلق

دین و دنیا کا تعلق

مذہب کے حق و باطل ہونے کا یہ بہت بڑا معیار ہے- ابتداے عالم سے آج تک تمام مذاہب اور تمام قومون نے (بجز اسلام) کے اس معیار مین غلطی کی ہے، فرقہ اباحیہ مزدکیہ اور متبعان ایپکیوریس صرف دنیاوی لذائذ کے قائل تھے، باقی تمام دیگر مذاہب نے دنیاوی تمتعات کو ہیچ بتایا، اور جس قدر انسان دنیاوی حظوظ سے کنارہ کش رہے اسی نسبت سے کمال کے مدارج قائم کیے اسی خیال نے دنیا مین جوگی، تارک الدنیا- راہب، منک اور تنزیبیا سے کیے اور ان لوگون کی وہ عزت دلون مین قائم کی کہ ایک ذلیل بوریا نشین کے آگے بڑے سے بڑے شہنشاہ کا سر جھک جاتا ہے-

فویرباخ لکھتا ہے کہ مذہب کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ملکی اور سیاسی زندگی تباہ کردی جائے، دنیا کے تمام کاروبار اس غرض سے چھوڑ دیے جائین کہ نہایت خضوع کے ساتھ بہشت کے انتظار مین گُھلا جائے اور ہر قسم کے فطری جذبات اور خواہشین قتل کردی جائین-

لاروس لکھتا ہے کہ زاہدون کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فطرتی خواہشون کا جو اثر انپر ہے اسکو بالکل مٹا دین،، مذہب کی تخصیص نہین فلسفہ و حکمت کا میلان بھی اسی طرف ہے سقراط افلاطون دیوجانس کلبی- ابو نصر فارابی کی زندگی بالکل جوگیون کی طرز زندگی سے

مشابہ تھی۔ خوب غور سے دیکھو یہ خیال تمام دنیا پر کس قدر چھایا ہوا ہے ہم جب کسی شخص کی نسبت سنتے ہین کہ دنیا اس کی نظر مین ہیچ ہے وہ فرش خاک پر پڑا رہتا ہے نان و نمک پر بسر کر لیتا ہے، تو خود بخود ہمارے دل مین اس کی وقعت قائم ہو جاتی ہے اور ہم اس سے کچھ بحث نہین کرتے کہ ان باتون کے سوا اسمین کوئی اور کمال بھی ہے یا نہین۔

دین اور دنیا کا موازنہ اور ان مین صحیح تناسب کا قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے اہل نظر اس کو ناممکن الحصول قرار دیکر اس کے حاصل ہونے پر حسرت ظاہر کرتے ہین۔ ہنری برجبیہ۔ ریویو آف ریویو (جلد ۲۴) مین لکھتا ہے "آہ کاش کوئی ذہین شخص مذہبی اور علمی تعصب کے نقابون کو ایک ساتھ چاک کر ڈالتا اور اس مضبوط تعلق کو جو مذہبی خیال اور علمی تفکر مین ہے کھول کر دکھا دیتا۔ ایسا کرنے سے جو رنج وہ کشمکش دونون مین ایک مدت سے چلی آتی ہے وہ مٹ جاتی"

اب دیکھو اسلام نے دین و دنیا کا کیونکر موازنہ کیا اس نے سب سے پہلے جوگی پن اور ترک دنیا کے خیال کو مٹایا۔

رہبانیت کو مٹانا

وَرُهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ	اور جوگی پنا جس کو عیسائیون نے ایجاد کیا ہمنے اسپر نہین لکھا تھا
وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا	دنیا مین تمہارا جو حصہ ہے اس کو بھول نہ جاؤ۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ	مسلمانو خدا نے جو اچھی چیزین تم کو حلال کی ہین انکو حرام نہ کرو
قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ	اے محمد صلعم کہدو کہ خدا نے جو آرائش بندون کے لیے پیدا
وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ	کی ہے اسکو حرام کسنے کیا، اور اچھی خوراکون کو کسنے حرام کیا

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ — خدا تمھارے ساتھ آسانی کا برتاؤ چاہتا ہے نہ کہ سختی کا۔

تمام دیگر مذاہب کی تلقین ہے کہ اس وسیع دنیا سے انسان کا حصہ سد رمق کھانا اور ردی گزی گاڑھا ہے لیکن اسلام بتاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے زمین دشت کوہ دریا درخت چارپائے لعل و جواہر فواکہ و روائح سب اس لیے ہیں کہ انسان اُس سے جائز طور پر لطف اٹھائے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا — اور خدا نے تمھارے لیے زمین اور آسمان کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا

وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (لقمان) — اور تمھارے اوپر اپنی ہر قسم کی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر دیں

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ (نحل) — اور خدا نے تمھارے لیے رات دن سورج چاند کو مسخر کر دیا اور ستارے بھی تمھارے تابع فرمان ہیں

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ — وہی خدا ہے جس نے دریا کو اسلیے مسخر کر دیا کہ اُس سے تازہ گوشت کھاؤ۔ اور اُس سے زیور نکالو جسکو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ پھاڑتی ہوئی چلی جا رہی ہیں اور تاکہ تم خدا کا فضل (تجارت) تلاش کرو

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً — اور گھوڑوں اور گدھوں اور خچروں کو تمھاری سواری اور آرایش کے لیے پیدا کیا۔

وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ — اور بہت سی چیزیں تمھارے لیے زمین میں پیدا کیں جنکے رنگ مختلف ہیں

يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ — اور وہی تمھارے لیے پانی سے کھیتی۔ زیتون۔ کھجور۔ اور انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے۔

اس قسم کی سیکڑون آیتین ہین جنکا استقصا ضروری نہین۔

ان آیتون مین بہ تصریح و توضیح بیان کیا کہ دنیا مین جو کچھ ہے سب اسی لئے ہے کہ انسان اس سے تمتع اٹھائے۔ اور اسی غرض سے خدا نے تمام چیزون کو انسان کا مسخر کر دیا۔ تسخیر مین جس قسم کی تعمیم قرآن نے بیان کی وہ بظاہر استعارہ یا شاعرانہ طرز ادا معلوم ہوتا ہے لیکن زمانہ ہر روز ثابت کرتا جاتا ہے کہ استعارہ نہین بلکہ حقیقی معنی مقصود ہین۔ بھاپ بجلی۔ الکٹرسٹی آواز وغیرہ یہ چیزین کس طرح مسخر ہو چکین، اور ان کی تسخیر سے کیسے کیسے عجیب و غریب کام لئے گئے

یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ دنیاوی حظوظ و لذائذ جن چیزون کا نام ہے گو وہ ہزارون لاکھون ہین لیکن انکو اگر اقسام مین محدود کیا جائے تو کل تین قسمین ٹھرین گی دولت و مال۔ آل و اولاد۔ شہرت اور بقائے نام۔ اب دیکھو اسلام نے ان کے متعلق کیا کہا۔

تونگری اور جاہ و دولت کو ان نعمائے الٰہی مین شمار کیا جن کے عطا کرنے کا احسان انبیاء علیہم السلام پر رکھا گیا۔ جناب رسول اللہ صلعم پر خدا نے جو احسانات کئے ان کا جہان تذکرہ کیا یہ بھی فرمایا۔

دنیا کا مرتبہ

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى	اور تجھکو مفلس پایا تھا تو غنی کر دیا۔

حضرت سلیمان کو جو سلطنت اور جاہ و دولت عطا کی گئی اس کا ذکر قرآن مجید مین نہایت شان و شوکت سے کیا اور اسکے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ خود حضرت سلیمان نے خدا سے اسکی استدعا کی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ	خدا مجکو ایسی سلطنت دے کہ میرے بعد کسی کو نہ مل سکے۔

بنو اسرائیل پر خدا نے جو احسانات کئے ان مین بڑا احسان یہ جتایا۔

اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا	تم لوگون مین پیغمبر اور بادشاہ پیدا کئے
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ	اور ہمنے بنی اسرائیل کو کتاب حکومت اور پیغمبری دی

ایک اور آیت مین ہے -

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا	سو ہمنے ابراہیم کے خاندان کو کتاب و حکومت دی اور انکو بہت بڑا ملک دیا

سب سے بڑھکر یہ کہ امت محمدیہ کو اعمال صالحہ کے معاوضہ مین جس چیز کے عطا کرنے کا وعدہ ہوا وہ خلافت اور سلطنت تھی -

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ	خدا نے ان لوگون سے جو ایمان لائے اور جنھون نے اچھے کام کئے یہ وعدہ کیا کہ ان کو خلافت دیگا -

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا جہان ذکر کیا اس کی دنیاوی ترقیون کا ذکر اس پیرایہ مین کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ترقیون کو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے مین بڑا دخل ہے -

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا	اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی، اور ان کو خشکی و تری مین پہنچایا - اور انکو اچھے کھانے دئے اور انکو اپنی اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی -

ایک بہت بڑا قرینہ جس سے یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ اسلام نے دولت و مال کا کیا درجہ قائم کیا ہے اس بات کا دریافت کرنا ہے کہ قرآن مجید مین خدا نے مال و دولت کو کس لقب سے یاد کیا ہے استقصا و تفحص سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید نے ۲۵ جگہ مال کو خدا کا فضل کہا ہے ۱۲ جگہ اس کو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ۱۲ جگہ حسنہ کہا ہے، اور ۱۲ جگہ رحمت کا لقب دیا ہے

چنانچہ علامہ احمد بن محمد الرازی نے ان تمام مقامات کی آیتین بعینہا نقل کی ہین ہم نمونہ کے طور پر چند آیتون کو نقل کرتے ہین جن مین مال کو خیر کے لقب سے یاد کیا ہے۔

وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ - وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ - قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ - وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ - وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ - مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ - كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا - إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّي - وَأَنفِقُوا خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ - وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ -

دنیاوی حظوظ کی دوسری قسم آل واولاد ہے، قرآن مجید مین ایک موقع پر خدا نے اپنے خاص بندون کے امتیازی اوصاف گنائے ہین، چنانچہ ان الفاظ سے ابتدا کی ہے وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا ان اوصاف مین سے ایک صفت یہ گنایا ہے وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہین کہ اے پروردگار ہم کو ہماری وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ بیویون اور اولاد سے آنکھ کی ٹھنڈک دے۔

تیسری چیز شہرت اور نیکنامی ہے، اس کا احسان خدا نے خود آنحضرت صلعم پر رکھا اور فرمایا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ -

اخیر مین یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ قرآن مجید نے مختلف موقعون پر دولت ومال کی برائی بھی بیان کی ہے لیکن جب دونون قسم کے موقعون کا موازنہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ جس دولت ومال کی برائی بیان کی ہے وہ وہ ہے کہ بے موقع اور بیجا صرف کی جاتے اور اس کی برائی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

تمت

ضمیمہ

بحث نبوت از مطالب عالیہ امام رازی

القسم الثانی من کتاب النبوات فی تقریر القول بالنبوة علی طریق آخر وفیه فصول

الفصل الاول فی تمییز هذا الطریق عن الطریق المشهور، فنقول اعلم ان القائلین بالنبوات فریقان احدهما الذین یقولون ان ظهور المعجزات علی ید النبی صلی الله علیه وسلم یدل علی صدقه ثم انا نستدل بقوله علی تحقیق الحق وابطال الباطل وهذا القول هو الطریق الاول وعلیه عامة ارباب الملل والنحل والقول الثانی ان نقول انا نعرف اولاً ان الحق والصدق فی الاعتقادات ما هو؟ وان الصواب فی الاعمال ما هو؟ فاذا عرفنا ذلک ثم رأینا انساناً یدعو الخلق الی الدین الحق ورأینا ان لقوله اثراً قویاً فی صرف الخلق من الباطل الی الحق عرفنا انه نبی صادق واجب الاتباع وهذا الطریق اقرب الی العقل والشبهات فیه اقل وتقریره لابد ان یکون مسبوقاً بمقدمات۔

المقدمة الاولی اعلم ان کمال حال الانسان فی ان یعرف الحق لذاته والخیر لاجل العمل به واذا ثبت ان کمال حاله محصور فی امرین احدهما ان تصیر قوته النظریة کاملة بحیث تتجلی فیها صور الاشیاء وحقائقها تجلیاً کاملاً مبرأ عن الخطأ والزلل والثانی ان تصیر

---

[1] اس عربی عبارت کا ماحصل خاتمہ کتاب میں بزبان اردو ادا کیا گیا ہے

قوته العملية كاملة بحيث يحصل لصاحبها ملكة يقتدر بها على الاتيان بالاعمال الصالحة والمراد من الاعمال الصالحة الاحوال التي توجب النفرة عن السعادات البدنية وتوجب الرغبة في عالم الآخرة وفي الروحانيات فقد ظهر هذا انه لا سعادة للانسان الا بالوصول في هاتين الحالتين وهذه المقدمة مقدمة اطبقت الانبياء على صحتها واتفق الحكماء الالهيون على حقيقتها ولا ترى في الدنيا عاقلا كاملا من العقل الا ويساعد عليها۔

المقدمة الثانية الناس ينقسمون الى ثلثة اقسام احدها الذين يكونون ناقصين في هذه المعارف وفي هذه الاعمال وهم عامة الخلق وجمهورهم وثانيها الذين يكونون كاملين في هذه المقامين الا انهم لا يقدرون على علاج الناقصين وهم الاولياء وثالثها الذين يكونون كاملين في هذين المقامين ويقدرون ايضا على معالجة الناقصين ويمكنهم السعي في نقل الناقصين من حضيض النقصان الى اوج الكمال وهؤلاء هم الانبياء عليهم السلام وهذه تقسيم معلوم مضبوط

المقدمة الثالثة ان درجات النقصان والكمال في القوة النظرية وفي القوة العملية كانها غير متناهية بحسب الشدة والضعف والكثرة والقلة وذالك ايضا معلوم بالضرورة

المقدمة الرابعة ان النقصان وان كان شاملا للخلق عاما فيهم الا انه لابد وان يوجد فيهم شخص كامل بعيد عن النقصان والدليل عليه من وجوه الاول انا بينا ان الكمال والنقصان وقع في الخلق على مراتب مختلفة ودرجات متفاوتة ثم انا نشاهد اشخاصا بلغوا في جانب النقصان وقلة الفهم والادراك الى حيث قربوا من البهائم والسباع فلذلك فيجب

الکمال لابد وان توجد اشخاص کاملة فاضلة ولابد وان یوجد فیما بینهم شخص یکون افضلهم واکملهم وهو یکون فی اخر سلسلة الانسانیة واول من اتصل بالملٰئکة الثانی ان الاستقراء یدل علی ما ذکرناه وذلک لان الجسم العنصری جنس تحته ثلاثة انواع المعدن والنبات والحیوان وصریح العقل یشهد بان اشرف هذه الثلاثة الحیوان واوسطها النبات وادونها المعادن ثم نقول الحیوان جنس تحته انواع کثیرة واشرفها هو الانسان واصناف الانسان تحته اصناف کثیرة مثل الزنجی والهندی والرومی والعربی والافرنجی والترکی ولا شک ان اشرف اصناف الانسان واقربهم الی الکمال سکان وسط المعمورة وهم سکان الموضع المسمی بایران شهر ثم ان هذا الصنف من الناس مختلفون ایضاً فی الکمال والنقصان ولا شک انه یحصل فیهم شخص واحد هو افضلهم واکملهم فعلی هذا قد ثبت انه لابد وان یحصل فی کل دور شخص واحد هو افضلهم واکملهم فی القوة النظریة والعملیة ثم ان الصوفیة یسمونه بقطب العالم ولقد صدقوا فیه فانه لما کان الجزء الاشرف من سکان هذا العالم الاسفل هو الانسان الذی حصلت له القوة النظریة التی بها یستفید الانوار القدسیة من عالم الملئکة وحصلت له القوة العملیة التی بها یقدر علی تدبیر هذا العالم الجسمانی علی طریق الاصلح والسبیل الاکمل ثم ان ذلک الانسان الواحد هو اکمل الاشخاص الموجودین فی ذلک الدور وکان المقصود الاصلی من کل هذا العالم العنصری وجود ذلک الشخص ولا شک ان المقصود بالذات هو الکامل واما الناقص فانه یکون مقصوداً بالعرض فثبت ان ذلک الشخص هو القطب لهذا العالم العنصری وما سواه

فكان تبع له وجماعة الشيعة الامامية يسمونه بالامام المعصوم وقد يسمونه صاحب الزمان
ويقولون انه غائب ولقد صدقوا في الوصفين ايضاً لانه لما كان خالياً عن النقائص
التي هي حاصلة في غيره كان معصوماً من تلك النقائص وهو ايضاً صاحب الزمان لانا قلنا
ان ذلك الشخص هو المقصود بالذات في ذلك الزمان وما سواه فكالاتباع له وهو ايضاً
غائب عن الخلق لان الخلق لا يعلمون ان ذلك الشخص هو افضل اهل الدور وانهم
و اقول ولعله لا يعرف ذلك الشخص ايضاً انه افضل اهل الدور وانه وان كان يعرف
حال نفسه الا انه لا يمكنه ان يعرف حال غيره فذلك الشخص لا يعرف غيره وهو ايضاً لا يعرف
نفسه فهو كما جاء في الاخبار الالهية انه تعالى قال اوليائي تحت قبائي لا يعرفهم غيري
فثبت بهذا ان كل دور لا بد وان يحصل فيه شخص موصوف بصفات الكمال ثم انه لا بد
وان يحصل في هذه الادوار المتلاحقة دور يحصل فيه شخص واحد يكون هو افضل من
كل اولئك الذين كل واحد منهم صاحب دوره وفريد عصره وذلك الكامل والمشتمل على
مثل ذلك الشخص لا يوجد في الازمنة الا نادراً واقل الامر مرة واحدة فيكون ذلك الشخص
هو الرسول المعظم والنبي المكرم وواضع الشرائع والهادي الى الحقائق وتكون نسبته
الى سائر اصحاب الادوار كنسبة الشمس الى الكواكب ثم لا بد وان يحصل في اصحاب الادوار
انسان هو اقربهم الى صاحب الدور في صفات الفضيلة فيكون ذلك الشخص بالنسبة اليه
كالقمر بالنسبة الى الشمس وهو الامام القائم مقامه وناشر شريعته واما الباقون فنسبة
كل واحد منهم الى صاحب الدور الاعظم كنسبة كوكب من الكواكب الصغيرة الى الشمس على اعلم الخلق

فهم بالنسبة الى اصحاب الادوار مثل حوادث هذا العالم بالنسبة الى الشمس والقمر وسائر
الكواكب فكان اشخاص الانسان عقول الناقصين تكمل بانوار عقول اصحاب الادوار فتقوى بقوتهم
الكلام كلامهم معقول مرتب على هذا الاستقراء الذى يفيد القطع واليقين۔

المقدمة الخامسة ان ذلك الانسان هو اكمل الكاملين وافضل الفضلاء و
العلماء يكون فى آخر الافق الاعلى من الانسانية وقد علمت ان آخر كل نوع متصل باول
النوع الذى هو اشرف منه والاشرف من النوع البشرى هو الملائكة فيكون آخر البشرية متصلا
باول الملائكة ولما بينا ان ذلك الانسان موجود فى اعلى مراتب البشرية وجب ان
يكون متصلا باول الملائكة ومختلطا بهم ولما كان من خواص عالم الملائكة البراءة
عن العلائق الجسمانية والاستيلاء على عالم الاجسام والاستغناء فى افعالها عن الآلات
الجسمانية كان هذا الانسان موصوفا بما بيناه من هذه الصفات فيكون قليل الالتفات
الى الجسمانيات قوى التصرف فيها شديد الانجذاب الى عالم الروحانيات فتكون
قوته النظرية مستكملة بانواع الجلايا القدسية والمعارف الالهية وتكون قوته
العملية مؤثرة فى اجسام هذا العالم بانواع التصرفات وذلك هو المراد من المعجزات
ثم بعد الفراغ من هذين المقامين تكون قوته الروحانية مؤثرة فى تكميل
ارواح الناقصين فى قوة النظر والعمل ولما عرفت ان النفوس الناطقة مختلفة
بالماهيات فقد تكون بعض النفوس قوية كاملة فى القوة النظرية وضعيفة فى القوة العملية
وقد تكون بالضد منه فتكون قوية فى التصرف فى اجسام العالم العنصرى وضعيفة فى

المعارف الالهية وقد تكون كاملة قاهرة فيهما جميعا وذلك في غاية الندرة وقد تكون
ناقصة فيهما جميعا وذلك هو الغالب في اكثر الخلق واذا عرفت هذه المقدمات فنقول
مرض النفوس الناطقة شيئان الاعراض عن الحق والاقبال على الخلق وصحتها
شيئان الاقبال على الحق والاعراض عن الخلق فكل من دعا الخلق الى الاقبال على
الحق والاعراض عن الخلق فهو النبي الصادق وقد ذكرنا ان مراتب هذا النوع
من الناس مختلفة بالقوة والضعف والكمال والنقصان فكل من كانت قدرته
على افادة هذه الصحة اكمل كان اعلى في درجة النبوة وكل من كانت قدرته في هذا
الباب اضعف كان انقص في درجة النبوة فهذا ما اردنا شرحه وبيانه من حال النبوة والله اعلم

الفصل الثاني القرآن العظيم يدل على ان هذا الطريق هو الطريق الاكمل
الافضل في اثبات النبوة اعلم انا نذكر سورا من القرآن ونفسرها لتظهر من ذلك
التفسير صحة هذا الطريق الذي ذكرناه فمنها سورة سبح اسم ربك الاعلى فنقول
قد ثبت ان الاصل هو الالهيات والفرع هو النبوات فلا جرم جرت العادة في القرآن
انه يقع الابتداء بتقرير الالهيات ثم يقع الشروع في تقرير النبوات بعدها ففي هذه السورة
بدأ بالالهيات فقال سبح اسم ربك الاعلى ومعناه انه اعلى من مناسبة جميع
الممكنات ومشابهة كل المحدثات لانها مركبة من المادة والصورة باعتبار ومن الجنس
والفصل باعتبار ثان ومن قبول التغير والفناء اما في الذات واما في الصفات
وهو سبحانه اعلى من كل هذه الاشياء في كل هذه الصفات وفيه لطيفة اخرى لانه لم يقل

واعلم ان اكثر الدلائل المذكورة فی القرآن علی اثبات الاله تعالی محصورة فی قاعدة
واحدة وهی حدوث الصفات وهی اما فی الحیوان او فی النبات والحیوان له بدن ونفس
فقوله الذی خلق فسوی اشارة الی ما فی ابدانها من العجائب وقوله والذی قدر فهدی
اشارة الی ما فی نفوسها من الغرائب فنبه بهذین الضابطین علی ما لا نهایة له فی العجائب
والغرائب ثم اتبعه بذکر الدلائل المأخوذة من النبات وهو قوله والذی اخرج المرعی
فجعله غثاء احوی ولما قرر امر الالهیات اتبعه بتقریر امر النبوات وقد علمت ان
کمال حال الانبیاء فی حصول امور اربعة اولها کمال القوة النظریة وثانیها کمال القوة
العملیة وثالثها قدرته علی تکمیل القوة النظریة التی لغیره ورابعها قدرته علی تکمیل
القوة العملیة التی لغیره ولا شک ان کمال حاله فی القوتین مقدم علی قدرته علی
تکمیل غیره فی هاتین القوتین ولا شک ان القوة النظریة اشرف من القوة العملیة فهذا
البیان یقتضی ان یقع الابتداء اولاً بشرح قوته النظریة وثانیاً بشرح قوته العملیة
وثالثاً بکیفیة حاله فی القدرة علی تکمیل القوة النظریة التی للناقصین ورابعاً بکیفیة
حاله فی القدرة علی تکمیل القوة العملیة التی للناقصین فاذا ظهر کماله فی هذه المقامات الاربعة
فحینئذ یظهر انه بالغ فی صفة النبوة والرسالة الی الغایة القصوی اذا عرفت هذا فنقول
انه تعالی لما ذکر اصول الالهیات واراد الشروع فی صفات النبوة قال سنقرئک
فلا تنسی یعنی ان نفسک نفس قدسیة آمنة من الغلط والنسیان الا ما شاء الله انه
ینسی بمقتضی الجبلة الانسانیة والطینة البشریة ثم اتبعه ببیان کمال حاله فی القوة

العملية فقال ونيسرك لليسرى معناه انا نقوى دواعيك فى الاعمال التى تفيد اليسر و
السعادة فى الدنيا والآخرة ثم لما بين كمال حاله فى هذين المقامين اتبعه بان امره بان
يشتغل بتكميل الناقصين وارشاد المحتاجين فقال فذكر ان نفعت الذكرى
فقوله فذكر امر له بارشاد الناقصين وقوله ان نفعت تنبيه على انه ليس كل من تسمع
ذلك ينتفع به فان النفوس الناطقة مختلفة فبعضها ينتفع بذلك وبعضها
لا ينتفع وبعضها يضره سماع ذالك التذكير لانه متى سمعه يكثر فى قلبه دواعى الحسد
والغيظ والغضب والاصرار على الجهل ثم لما نبه تعالى على ان المستمع لذلك التذكير
قد ينتفع به وقد لا ينتفع به اتبعه ببيان خاصية كل واحد من هذين القسمين
فقال سيذكر من يخشى ويتجنبها الاشقى الذى يصلى النار الكبرى فبين ان صفة
من ينتفع بهذا التذكير هو ان يكون الخوف غالبا على قلبه والخشية مستولية على
روحه فلاجل ذلك الخوف يطلب زاد المعاد فلاجرم ينتفع بارشاد هذا المحق واما
الذى لا ينتفع بهذا التذكير فيتباعد منه ويجتنب من القرب منه فهو النفس الموصوفة
بكونها اشقى فانها تبقى فى عناء هذا العالم وبعد الموت تقع فى نيران الحسرة والوحشة
ثم لما بين هذا زاد فى صفته فقال ثم لا يموت فيها ولا يحيى وانما قال ثم لا يموت فيها
لما ثبت ان النفس لا تموت بموت البدن وانما قال ولا يحيى لانها وان بقيت حية
لكنها بقيت فى العذاب والموت خير من هذه الحيوة فلهذا قال ثم لا يموت فيها
ولا يحيى ولما بين وعيد من لا ينتفع بهذا الكتاب بين كمال حال من ينتفع فقال قد افلح

من تزكى وذلك لان المقصود من تعليم الانبياء وتذكيرهم وارشادهم امران احدهما
ازالة الاخلاق الذميمة الظلمانية عن النفس والثانى تحصيل الصفات الحميدة الروحانية
فى النفس ولما كانت ازالة ما لا ينبغى متقدمة على تحصيل ما ينبغى لاجرم ابتدأ بقوله قد افلح
من تزكى والمراد منه تزكية النفس وتطهيرها عن الصفات المذمومة ولما ذكر ذلك اتبعه
بتحصيل ما ينبغى وذلك اما فى القوة النظرية او فى القوة العملية ورئيس المعارف النظرية
ذكر الله ومعرفته ورئيس الاعمال الفاضلة خضوع لله فلهذا قال وذكر اسم ربه فصلى
وهو اشارة الى استعداد الانسان فى تكميل القوة النظرية بارشاد الانبياء وقوله فصلى هو
اشارة الى استعداده فى تكميل قوته العملية بارشادهم وههنا تم حال المنتفعين وعاد الى حال المعرضين
عن الانتفاع بارشاد الانبياء وههنا بين ان ذلك الاعراض انما تولد عن حب الدنيا
وقوة الرغبة فيها فقال بل تؤثرون الحيوة الدنيا ثم بين ان الرغبة فى الروحانيات
التى تحصل فى عالم الاخرة راجحة على لذات هذه الدنيا من وجهين احدهما انها خير من
اللذات الجسمانية وقد سبق تقريره فى كتاب التفسير والثانى انها ابقى من هذه الجسمانيات
وذلك معلوم بالضرورة فقال والاخرة خير وابقى واعلم انه ظهر بهذه الايات امور اربعة
اولها احوال الالهيات وثانيها صفات النبى والرسول وثالثها انقسام المستمعين الى
من ينتفع بارشاد الانبياء والى من لا ينتفع به وبيان احوال كل واحد من هذين القسمين
ورابعها التنبيه على ان خيرات الاخرة افضل وابقى من خيرات هذه الحيوة الدنيا والافضل
الابقى اولى بالتحصيل وعند هذا قد تم كل ما يحتاج الانسان اليه فى معرفة المبدأ ومعرفة

صفات الانبياء ومعرفة احوال النفس ومعرفة الآخرة ثم ختم السورة بقوله ان هذا لفي الصحف
الاولى صحف ابراهيم وموسى والمعنى ان كل من جاء من الانبياء فانزل الله كتابا او صحيفة
فالمقصود منه ليس الا هذه المراتب الاربع المذكورة ومن وقف على اسرار هذه السورة
على الوجه الذي لخصناه علم ان حقيقة القول في النبوة ليس الا ما ذكرناه ومن جملة السورة
اللائقة بهذا المعنى سورة العصر فبدء بقوله ان الانسان لفي خسر وذلك لان ابن آدم حصل
في بدنه تسعة عشر نوعا من انواع القوى وكلها تجره الى الدنيا وطيباتها ولذاتها وهي
الحواس الخمس الظاهرة والخمس الباطنة والشهوة والغضب والسبع النباتية ومجموعها
تسعة عشر وهي الزبانية الواقفة على باب جهنم الجسد واما العقل فانه مصباح ضعيف
وانما حصل بعد استيلاء تلك التسعة عشر على مملكة البدن واذا كان كذلك فالظاهر
ان حب الدنيا يستولي على النفوس والامر واحد فاذا مات البدن بقيت النفس في الخسران و
الحرمان فلهذا قال ان الانسان لفي خسر ثم انه استثنى من هذا الخسران نسيانا يتناول
ترياق الاربعة وهو ترياق روحاني مركب من اخلاط اربعة ثمانية اولها كمال القوة النظرية وهو
قوله الا الذين آمنوا وثانيها كمال القوة العملية وهو قوله وعملوا الصالحات وثالثها السعي في
تكميل القوة النظرية للغير وهو قوله وتواصوا بالحق ورابعها السعي في تكميل القوة العملية
للغير وهو قوله وتواصوا بالصبر وانما عبر بالصبر لان البلاء الاكبر في دعاء الشهوة
الى الفساد ودعاء الغضب الى الايذاء وسفك الدماء كما اخبر عن الملائكة انهم قالوا
اتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء فاذا قدر الانسان على الصبر على جاذبة الشهوة

والغضب فقد فاز بكل الخيرات في القوة العملية ومن جملة الآيات الدالة على صحة ما ذكرنا
انه تعالى لما حكى عن الكفار انهم طلبوا منه عليه السلام المعجزات القاهرة في قوله تعالى
وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا ثم انه تعالى قال قل سبحان ربي
هل كنت الا بشرا رسولا يعني كون الشخص انسانا موصوفا بالرسالة معناه كونه كاملا في
قوته النظرية والعملية وقادرا على معالجة الناقصين في هاتين القوتين وليس يلزم
من حصول هذه الصفة كونه قادرا على الاحوال التي طلبتموها منه ومن جملة الآيات الدالة على
ما ذكرناه انه تعالى لما قال في سورة الشعراء وانه لتنزيل رب العالمين اورد عليه سؤال
وهو انه لم لا يجوز ان يكون هذا من تنزيل الشياطين فقال جوابا عنه ما تنزلت به الشياطين
.... ثم بين الجواب فقال هل انبئكم على من تنزل
الشياطين تنزل على كل افاك اثيم والمعنى انه لو كانت الدعوة الى طلب الدنيا وطلب اللذات
والشهوات كان ذالك الداعي افاكا اثيما والذين يعينونه عليه هم الشياطين واما انا فادعو
الى الله والى الاعراض عن الدنيا والاقبال على الآخرة فلم يكون هذا باعانة الشياطين بل
باعانة الله فاستدل بكون دعوته دعوة الى الله والى الحق على كونه نبيا صادقا لا ساحرا
كاذبا ولما اورد عليه سؤال آخر وهو ان لكل واحد من الشعراء شيطانا يعينه على شعره
فلم لا يجوز ان يكون حالك كذلك اجاب عنه بقوله الشعراء يتبعهم الغاوون الم تر انهم في
كل واد يهيمون والمعنى ان الشاعر انما يدعو الى الطمع في الدنيا والترغيب في اللذات البدنية واما انا
فادعو الى الله والى الدار الآخرة فامتنع ان يكون الناصر والمعين في هذه الطريقة هو الشيطان فظهر

الفرق فقد ظهر بهذه الآیات ان الطریق الذی ذکرناه فی اثبات النبوة هو الطریق الافضل

الاکمل واللہ اعلم

الفصل الثالث

فی صفة ہذہ الدعوة اعلم ان منصب النبوة والرسالة عبارة

من دعوة الخلق من الاشتغال بالخلق الی خدمة الحق ومن الاقبال علی الدنیا الی الا

قبال علی الآخرة فهذا هو المقصود الاصلی الا ان الناس لما کانوا حاضرین فی الدنیا ومحتاجین

الی مصالحها وجب ان یکون له خوض فی هذا الباب ایضاً بقدر الحاجة فنقول خوض

الرسول اما ان یکون فیما یتعلق بالدین او فیما یتعلق بالدنیا اما القسم الاول وهو ما

یتعلق بالدین فیجب علیه البحث فی امور ثلاثة الماضی والحال والمستقبل اما الماضی فهو

ان یرشدهم الی ان ہذا العالم محدث وله الہ کان موجوداً فی الازل وسیبقی فی الابد وانه منزه عن

مماثلة الممکنات وانه موصوف بالصفات المعتبرة فی الالهیة والکمال وهی القدرة النافذة فی جمیع

الممکنات والعلم السادی فی جمیع المعلومات والوحدانیة المطلقة بمعنی کونه منزهاً عن الاجزاء

والابعاض والفردانیة المطلقة بمعنی کونه منزهاً عن الضد والند والصاحبة والولد ثم

یجب علیه ان یبین لهم ان کل ما یدخل فی الوجود فهو بقضاء اللہ وقدره وانه منزه

عن الظلم والعبث والباطل واعلم ان ہذا الذی ذکرناه یتفرع علیه انواع من البحث

الفرع الاول لا یلیق بصاحب الدعوة ایراد ہذه المطالب کما یورده اهل الجدل والاستدلال

لان ذلک الطریق یحمل السامعین علی الاعتراض علیه وعلی ایراد الاسئلة فانه اذا اشتغل

بالجواب عنها فربما اورد علی تلک الاجوبة اسئلة ویحصل فتح باب المشاغبة والمجادلة لانت

ولا يحصل المقصود البتة بل الواجب عليه ايراد البيانات البرهانية مخلوطة بطريق الخطابية
من الترغيب في الترهيب فانه بسبب ما فيه من قوة المقدمات البرهانية يبقى مستحفظا
في العقول وبسبب ما فيه من طريقة الخطابة يكون تاثيره في القلوب اكمل ويكون بعد
السامعين عن سوء الادب الذي يحصل بسبب المشاغبات اتم والفرع الثاني انه
لا يجوز له ان يصرح بالتنزيه المحض لان قلوب اكثر الخلق تنفر عن قبول مثل هذا
الكلام فاذا وقع التصريح به صار ذلك سببا لنفرة اكثر الخلق عن متابعته بل الواجب عليه
ان يبين انه سبحانه منزه عن مشابهة المحدثات ومناسبة الممكنات كما قال ليس كمثله
شيء وهو السميع البصير ثم يقول بعد ذلك فهو القاهر فوق عباده اليه يصعد الكلم الطيب
الرحمن على العرش استوى ويمنعهم عن البحث في هذه المضائق الا اذا كان من الاذكياء
المحققين والعقلاء المدققين فانه بعقله الوافر يقف على حقائق الاشياء وايضا يبين
لهم كون العبد صانعا فاعلا قادرا على الفعل والترك والخير والشر ويبالغ فيه فاذا القى اليهم الجبر
المحض تركوه ولم يلتفتوا اليه ويبين لهم ايضا انه وان كان الامر كذلك الا ان الكل بقضاء الله وقدره
لا يعزب عن علمه وحكمه مثقال ذرة في السموات والارض ثم يمنعهم باقصى الوجوه عن الخوض في
هذه الدقائق فان طبع اكثر الخلق بعيد عن هذه الاشياء وبالجملة فاحسن الطرق في دعوة
الخلق الى عبودية الحق هو الطريق الذي جاء به سيد الانبياء وهو محمد عليه السلام وذلك
المبالغة في تعظيم الله تعالى من جميع الوجوه على سبيل الاجمال ومنعهم عن الخوض في التفاصيل
فمن ذلك في اثبات التنزيه قوله تعالى والله الغني وانتم الفقراء واذا كان غنيا على الاطلاق

امتنع کونہ مولفا من الاجزاء واذا کان کذالک امتنع ان یکون متحیزا واذا کان کذالک امتنع
ان یکون حاصلا فی الامکنۃ والاحیاز وذکر ایضا قولہ لیس کمثلہ شئی ولو کان جسما
لکان ذاتہ مثلا لسائر الاجسام بناء علی قولنا الاجسام متماثلۃ باسرہا انواتہ ذکر فی جانب
الاثبات الفاظا کثیرۃ وبالغ فیہ وھذا ھو الواجب لانہ لولم یذکر ھذہ الالفاظ لما تقرر
عند الاکثرین کونہ موجودا وایضا بالغ فی تقریر کونہ عالما بجمیع المعلومات فقال وعندہ
مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو وقال اللہ یعلم ما تحمل کل انثی وما تغیض الارحام ثم لم
یقع فی بیان انہ عالم لذاتہ او بالعلم وبین ایضا کون العبد فاعلا وعاملا وصانعا
وخالقا محدثا فی ایات کثیرۃ ثم بین فی سائر الایات ان الخیر والشر کلہ من اللہ ولم
یبین انہ کیف یجمع بین ھذین القولین بل اوجب الایمان بھما علی سبیل الاجمال وایضا
بین انہ لا یعزب شئی عن مشیئۃ اللہ وارادتہ وقضائہ وقدرہ ثم بین انہ لا یرید الظلم
والعبث والباطل فالحاصل ان طریقتہ فی الدعوۃ ھی تعظیم اللہ من جمیع الجھات
المعقولۃ والمنع من الخوض فی بیان ان تلک الجھات ھل تتناقض ام لا فانا ان قلنا
القبائح من افعال العباد حصلت بتخلیق اللہ فقد عظمنا لا بحسب الحکمۃ لکن ما
عظمنا لا بحسب القدرۃ وبحسب الحکمۃ معا فقال فی الاول قل کل من عند اللہ وقال
فی الثانی ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک ثم
منع الناس من ان یخوضوا فی تقریر ھذا التعارض وفی ازالتہ بل اوجب علی العوام
الایمان المطلق بتعظیم اللہ فی القدرۃ وفی الحکمۃ وفی الحقیقۃ فالذی قالہ ھو الصواب فثبت

الدعوة العامة لا تنتظم الا بهذا الطريق واما القسم الثاني من المباحث المتعلقة بالاديان
ما يتعلق باليوم الحاضر وذلك هو ان يكون العبد مشتغلا بخدمة المعبود
وتلك الخدمة اما ان تعتبر في القلب فهو بالمعارف والعلوم واما بالبدن وهو الاتيان
بالطاعات البدنية واما بالمال وهو الزكوة والصدقات ولما كان جمهور الخلائق محتاجين
الى مرشد يرشدهم الى هذه المعارف وهو النبي لاجرم وجب على الانبياء ان
يجبوا عليهم الايمان بالانبياء والرسل

والقسم الثالث من المباحث المتعلقة بالاديان ما يتعلق باليوم المستقبل
وهو معرفة الاخرة واحوال ما بعد الموت فهذه الاقسام الثلثة اهم المهمات للانبياء والرسل
في ان يشتغلوا بتعريفها احوالها وتفصيل اثارها واعلم ان المهمات على قسمين احدهما
ازالة ما لا ينبغي والثاني تحصيل ما ينبغي والاول متقدم على الثاني لان اللوح اذا حصل فيه
نقوش فاسدة فالواجب ازالتها حتى يمكن تحصيل النقوش الصحيحة فيه ثانيا فثبت
ان ازالة ما لا ينبغي متقدمة على تحصيل ما ينبغي فلهذا السبب اول ما ذكره الله في القرآن
هذه المراتب وهي سبعة فالمرتبة الاولى ازالة ما لا ينبغي وهو المراد بالتقى فلهذا بدأ الله بذكره
فقال هدى للمتقين واما سائر المراتب بعد ذلك ففيه اشارة الى تحصيل ما ينبغي واشرف
ما يتعلق بالانسان هو النفس واوسط المراتب البدن وادونها المال فلهذا ذكر بعد
قوله هدى للمتقين قوله يؤمنون بالغيب فان محل الايمان هو القلب فبعده قوله
ويقيمون الصلوة لانها تتعلق بالبدن واخره قوله ومما رزقناهم ينفقون لانه يتعلق بالمال وما ذكر

هذه الاحوال الاربعة المتعلقة بالاقتصادات اردفها بذکر مرتبتین تتعلقان بالنبوات فقال والذین یومنون بما انزل الیک وهو اشارة الی وجوب الایمان بالرسول الحاضر ثم قال بعده وما انزل من قبلک فهو اشارة الی وجوب الایمان بسائر الانبیاء والمتقدمین وعند هذا تم ما یحتاج الیه فی باب النبوات ثم قال فی مرتبة السابعة وبالاخرة هم یوقنون وهو اشارة الی الایمان بالبعث والقیامة ثم لما ذکر هذه المراتب السبع وهی الاصول المتعلقة بالامس والیوم والغد فقد تمت المطالب وکملت المصالح فلهذا قال بعده اولئک علی هدی من ربهم واولئک هم المفلحون وذالک لان الانسان ما دام یکون فی الدنیا فهو فی تطوف واحسن اصول المسافر ان یکون علی هدی من معرفة الطریق واذا مات فقد وصل المسافر الی المقصد واحسن احواله ان یکون قد افلح فی ذالک السفر وفاز بالخیرات

بحث نبوت از معارج القدس امام غزالی

قاعدة فی النبوة والرسالة وتشتمل علی بیانات بیان ان الرسالة هل تقتصر بالعدم او لا وبیان ان الرسالة مکتسبة ام اثرة ربانیة وبیان اثبات الرسالة بالبرهان وبیان خواص الرسالة وهی المعجزات وبیان کیفیة الدعوة وما یوخذ من السمع وما لا یوخذ

بیان ان الرسالة لا تقتضی بالحد والحقیقة بذکر جنسها وفصلها وذالک لان معرفة الاشیاء لا یتوقف علی الظفر بحدودها وحیل بجنسها وفصلها فکم من موجود لا جنس له ولا فصل ولا حد له ولا رسم وما له جنس وفصل فربما لا یظفر بجنسه وفصله ام القدم

ف اس عبارت کا حاصل ترجمہ خاتمہ میں آئیگا

الامور لكن الشان اعطاء الحد والرسم عسير على الاذهان نحو ليستدل على وجوده لا وحقيقته
باشارة فان العقل والنفس وكثيرا من المفارقات يتصور ولا حد لها ولا رسم وانما
يدل عليها بالبرهان ولو سأل سائل نبيا من الانبياء عن خواص الرسالة وماهيتها
واراد حدها بجنسها وفصلها اترى كيف كان جوابه عنها او كان يشرع في تحقيق ذلك
وذكر حده ورسمه وتعديد خواصه حتى يتوقف على معرفة ذلك كله وان لم يعرف لم يستجب
ذلك لا يمكنه تحصيله فاذا كان يجب عليه التصديق في الحال سواء عرف حد الرسالة او
لم يعرف واذا كانت الرسالة مرتبة فوق مرتبة الانسانية كما كانت الانسانية مرتبة
فوق مرتبة الحيوانية لم يتوقف اتباع الرسول على معرفة الرسالة كما لا يتوقف استسخار الحيوان
على معرفة الانسانية بل الانسان لو اراد تعريف الحيوان خواص الانسانية كان ذلك سفها
منه وتكليف ما لا يطاق لكن الله لو اراد الرسول تعريف الانسان خواص الرسالة كان
ذلك تكليفا منه ما لا يطاق فلا المطالبة عليه متوجه ولا الجواب عنه لازم وهذا كما
طالب فرعون موسى عليه السلام بذكر ماهية رب العالمين قال وما رب العالمين قال رب
السموات والارض وما بينهما ان كنتم موقنين وطالبه ثانيا وثالثا فلم يات بحد ولا رسم
ولم يبين له جنسا ولا فصلا في تعريفه سبحانه الا بالربوبية المحضة والتعريف بالخلائق
ومكانياتها وزمانياتها والمواليد التي بين المكان والزمان۔

بیان ان الرسالة خطوة مكتسبة ام اثرة ربانية فنقول اعلم ان الرسالة اثرة
علوية وحظوة ربانية وعطية الهية لا تكتسب بجهد ولا تنال بكسب الله اعلم حيث يجعل

رسالته ولكن الله وحينا اليك روحا من امرنا ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان
لكن الجهد والكسب في اعداد النفس لقبول آثار الوحي بالعبادات المشفوعة بالفكرة و
والمعاملات الخالصة عن الرياء والسمعة من لوازمها فليس الامر فيهما اتفاقيا جزافا حتى ينبأ
كل من دب ودرج ومر تباعلي جهد وكسب حتى ينبئها كل من بكر وادلج وكما ان الانسانية
لنوع الانسان والملكية لنوع الملائكة ليست مكتسبة لاشخاص النوع وان العمل بموجب
النوعية ليس يخلو عن اكتساب واختيار لاعداد واستعداد كذلك النبوة لنوع الانبياء
ليست مكتسبة لاشخاص النوع وان العمل بموجب النبوة ليس يخلو عن اكتساب واختيار لاعداد
واستعداد فيوحي اليه طه ما انزلنا عليك القرآن لتشقى حين تورمت قدماه
من العبادة حتى قال فلا اكون عبدا شكورا وكان صلى الله عليه وسلم يتحنث قبل
الوحي وحببت اليه الخلوة وكان يرى الرويا فيأتي مثل فلق الصبح على انها احوال
عرضية واعراض طارية على النوعية بنوع استحباب واستحقاق من كمال تركيب الطبايع وحسن
الصورة وتمام الاعتدال وطهارة النشوء والتربية وطيب الاعراق ومكارم الاخلاق والسمت
الصالح والاناءة والوقار ولين الجانب وخفض الجناح والرحمة والرافة بالاولياء والشدة
والبأس على الاعداء وصدق الحديث واداء الامانة والصون عن جميع الرذائل والتحلي
بانواع الفضائل وزكاء العرض عن جميع الدنيات والعفو عمن ظلمه والاحسان الى من اساء
اليه وصلة الرحم وحفظ الغيب وحسن الجوار واعانة المظلوم واعانة الملهوف وحب
المعروف وبغض المنكر وغير ذلك ما ضل صاحبكم وما غوى في هذا العالم ما زاغ البصر

وماطغى فى ذالك العالم وتعنو لنفسه نفوس العالمين طوعا وكرها وهو غير متكبر ولا جبار ولا فظ غليظ لهيبا اذا سكت ولا عيا اذا نطق لطيف الشمائل اذا تحرك وسكن فقد نهض باحتمال اعباء ما حمل من الرسالة فاداها وافاض رحمة على العالمين فوقاه صلى الله عليه وسلم وعلى آله الطاهرين

بيان اثبات الرسالة وبيان اثباتها بطريقين احدهما جملى والآخر تفصيلى اما الجملى فهو كما ان نوع الانسان تميز على سائر الحيوان بنفس ناطقة هى فوقها بالفضيلة العقلية والمسخرة لها والمالكة عليها والمتصرفة فيها لكن الك نفوس الانبياء عليهم السلام تميز عن نفوس الناس بعقل هادمهدى هو فوق العقول كلها بالفضيلة الربانية والمدبرة لها والمالكة عليها والمتصرفة فيها وكما ان حركات الانسان معجزات الحيوان فليس حيوان يتحرك مثل حركته الفكرية والقولية والعقلية لكن الك جميع حركات النبى معجزات للانسان فليس انسان يتحرك مثل حركته الفكرية والقولية والفعلية وكما تميز النبى عن الناس بعقله المناسب للعقول المفارقة والعقل الاول لكن الك تميز بنفسه المشاكل لنفوس السماويات والنفس الكلية وكذلك الك تميز بطبعه ومزاجه المستعد لقبول مثل هذا العقل والنفس الفعل وكما لا يتصور فى سنة الفطرة الالهية ان يكون من نطفة كل حيوان انسان كذلك لا يتصور فى سنة الفطرة ان يكون من نطفة كل انسان نبى الله يخلق ما يشاء ويختار الله يصطفى من الملائكة رسلا ومن الناس فهو المختار فى طبعه ومزاجه المصطفى بنفسه وعقله لا يشاركه فيهما احد من الناس ومن وجها آخر النبى وان شارك الناس فى البشرية والانسانية من حيث الصورة لا فقد باينهم من حيث المعنى اذ بشريته فوق بشرية الناس لاستعداد بشريته قبول الوحى قل انما انا بشر مثلكم

اشارة الى طرف المشابهة من حيث الصورة يوحى الى اشارة الى طرف المباينة من حيث المعنى

اما من حيث التفصيل فمن طرق

الطريق الاول برهان التمن من الحركات الاختيارية وهى اقسام ثلثة فكرية

وقولية وعملية والحركات الفكرية يدخلها الحق والباطل والقولية يدخلها الصدق و

الكذب وفى العملية يدخلها الخير والشر وهذه العبارات اصطلاحية والمعنى مستقيم فيها

مفهوم عنها ولا اشتراك فيها على تضادها او اختلافها ليست واجبة بجملتها و واجبة التحصيل

فان من افتى بهذا القول يكون مستحق القتل بفتواه لان فتواه من جملة الحركات وهو واجب الفعل وليس كلها

واجب الترك فان من افتى بهذا ينبغى ان لا يكون يتنفس لان التنفس منه حركة وهى واجبة الترك فظهر من

هذا بان بعضها واجب الترك وبعضها واجب الفعل واذا ثبت هذا فقد ثبت حدود

فى الحركات حتى كان بعضها خيرا واجب الفعل وبعضها شرا واجب الترك فالتمييز بين

حركة وحركة بالحدود لا يخلو اما ان يعرفه كل احد او لا يعرفه احد او يعرفه بعض دون

بعض وظاهر انه لا يعرفه كل احد وباطل انه يعرفه كل احد فظهر انه يعرفه احد دون احد

فثبت بالتقسيم الاول حدود فى الحركات ويثبت بالتقسيم الثانى اصحاب حدود يعرفونها

وهم الانبياء واصحاب الشرائع والانسان اذا رجع نفسه علم انه اذا لم يكن عارفا بالحدود

يجب ان يكون فى حكم اصحاب الحدود فثبت النبوات بضرورة الحركات —

الطريق الثانى نقول ان نوع الانسان محتاج الى اجتماع فى حركاته الاختيارية

ومعاملاته المصلحية ولولا ذلك الاجتماع ما بقى شخصه ولا انحفظ نوعه لاصطدمهم

وحرميه وكيفية ذالك الاجتماع يسمى ملة وشريعة وبيان ذالك ان فى استبقاء حياته و
واستحفاظ نوعه واحترام ماله وحرميه محتاج الى تعاون وتمانع اما التعاون فلتحصيل ما ليس له
مما يحتاج اليه فى مطعمه وملبسه ومسكنه واما التمانع فلحفظ ما له من نفسه وولده وحرميه
وماله وكذالك فى استحفاظ نوعه يحتاج الى تعاون فى الازدواج والمشاركة وتمانع بحفظ
ذالك على نفسه وهذا التمانع والتعاون يجب ان يكونا على حد محدود وقضية عادلة و
سنة جامعة مانعة ومن المعلوم ان كل عقل لا يفى بتمهيد هذه السنة على قانون يشتمل مصالح
النوع جملة ويخص حال كل شخص تفصيلا الا ان يكون عقل مؤيد بالوحى مفيض للرسالة مستمد من
الروحانيات الذى قيضت لحفظ نظام العالم وهو بامره لا يعملون وعلى سنته فى الخلق سائرون و
بحكمه حاكمون فيكون الفيض متصلا بها من المقادير فى الاحكام ثم منها فائضا على الشخص المعد
لتلك الامانة القابل لاسرار الله بانه يتبع الحق فى جميع الامور ويتبعه الحق فى جميع الحركات ويكلم
الناس على مقادير عقولهم لعلمه لو اتفق على تلك المقادير ويكلف العباد على قدر استطاعتهم
بقدرته المحيطة بتلك الاقدار وهذه الدلائل فروع لاصل واحد وهو اثبات الامر لله عز وجل
وهو الطريق الثالث لاثبات النبوة ومن لم يعرف الامر لم يعرف النبوة قط فان
النبى متوسط الامر كما ان الملك متوسط الخلق والامر وكما وجب الايمان بالله من حيث
الخلق والامر كذالك وجب الايمان بالله ومتوسطى الخلق والامر كل امن بالله وملائكته وكتبه
ورسله فالطريق فى اثبات الامر على نوعين احدهما ان الممكنات لما احتاجت الى مرجح لجانب
الوجود على العدم وان الحركات لما احتاجت بتجددها الى محرك يبدؤها بالقصد ثم المماثلة من الحركات

الی غیر ما الشیء عنه والمختلفات عنها الی غیر جهاتها الطبیعیة احتاجت الی کون المحرک مریدا
مختارا ثم المتوجهة منها الی نظام الخیر دون الفساد والشر احتاجت الی کون المحرک امرا
امر التدبیر وذلک قوله تعالی واوحی فی کل سماء امرها ثم الحرکات الانسانیة کما احتاجت الی
ارادة عقلیة فی جهاتها المتباینة لکن الکل احتاجت الی مکلف امرنا الا فی حدودها المختلفة حتی
یختار المکلف الحق دون الباطل فی الحرکات الفکریة والصدق دون الکذب فی الحرکات القولیة والخیر
دون الشر فی الحرکات العملیة وکما ان امر التدبیر جار علی عموم الخلق لنظام وجود العالم الکبیر
کله وذلک قوله تعالی والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الا له الخلق والامر تبارک الله رب العالمین
لکن الامر التکلیفی جار علی خصوص الخلق لنظام وجود العالم الصغیر وذلک قوله تعالی
یا ایها الناس اعبدوا ربکم الذی خلق ولکن الکل جمیع الاوامر والنواهی المتوجهة علی الناس وکما
اوحی فی کل سماء امرها بواسطة ملک کذلک اوحی فی کل زمان امرا بواسطة نبی فذلک هو
التقدیر وهذا هو التکلیف ـ

الطریق الثانی فی اثبات الامر الاول ان نقول قد تحقق وثبت بالبراهین
ان الاول المبدع ملک مطاع فله الخلق کله مُلکا ومِلکا وکل ملک فله فی سلطانه
امر ونهی وترغیب وترهیب ووعد ووعید ولا یجوز ان یکون امره محدثا
مخلوقا فان المخلوق من حیث هو مخلوق لا یدل الا علی خالق فلیس له دلالة علی الامر بمعنی
الاقتضاء والطلب والتکلیف والتعریف والحث والزجر والترغیب والترهیب ومن لم
یثبت لله عز وجل امرا یطاع فقد احال کل هذه الاوامر والنواهی والتدابیر والتنبیهات علی امر

النبوة مقصورة عليه غير متعدية عنه وما يضيفها الى الله تعالى من قال لله وذكر الله وامر الله ونهى الله ووعد الله ووعيد الله يكون مجازا لا حقيقة وترويجا للكلام على العامة لا تحقيقا ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا او قال اوحى الى ولم يوح اليه شئ فقد نسبوا النبى الذى فى اعلى درجات الانسان الى اشد الظلم الذى هو اسفل الدرجات والخيانة الذى هو اخبث السيئات تعالى منصب النبوة عن ذالك

بيان خواص النبوة

ولها خواص ثلث احدها تابعة لقوة التخيل و الثانية تابعة لقوة العقل النظرى والثالثة لقوة العقل العملى –

الخاصية الاولى

فاعلم اولا انه ليس يمكن ان يبرهن على مبادى العلوم و مقدماتها من العلوم نفسها فليسلم لنا ههنا ان كل معلول فيجب ان يلزم عن علته حتى يوجد وما دام ممكن الوجود عنه فليس يوجد وان الحركة السماوية اختيارية وان الحركة الاختيارية لا يلزم الا عن اختيار بالغ موجب للفعل وان الاختيار للامر الكلى لا يوجب شيئا فانه يلزم الامر الجزئى بعينه عن اختيار جزئى يخصه بعينه وان الحركات التى توجد بالفعل فى كلها جزئية فيجب ان كانت اختيارية ان يكون عن اختيار جزئى فيجب ان يكون المحرك لها مدركا للجزئيات ولا يكون الشئ عقلا صرفا بل يكون نفسا يستعمل آلة جسمانية تدرك بها امورا جزئية ادراكا اما ان يكون تخيلا او تعقلا عمليا هو ارفع من التخيل وله ايضا عقل كلى يستمد من العقل المفارق الذى يدرك العلوم الكلية وهذا كله مبين فى العلوم الالهية فيظهر من تسليم هذه ان الحركات السماوية يحرك كل واحد منها جوهر نفسانى يتعقل الجزئيات بالنحو من التعقل

الذی یخصها ویرتسم فیه صور رتبها وصور الجزئیات التی یختارها لکل واحد منها ویحاول

حتی یکون هیئات الحرکات تتجدد فیها دائما حتی تتجدد الحرکات فیکون یتصور لا محالة

حینئذ الغایات التی یؤدی الیها الحرکات فی هذا العالم ویتصور هذا العالم ایضا بتفصیله

وتخصیصه والاجزاء التی فیه لا یخرج منه شی عن ذلک ان یتصور الامور التی تحدث فی

المستقبل وذلک لانها امور یلزم وجودها عن النسبة التی بین الحرکات المتعلقة عنها

بالشخصیة والنسب التی بین الامور التی ههنا والنسب التی بین هذه الامور وتلک الحرکات

فلا یخرج النسبة عن ان یکون حدوثه فی المستقبل لازما لوجود هذه علی ما هی علیه فی الحال

فان الامور اما ان یکون بالطبع واما ان یکون بالاختیار واما ان یکون بالاتفاق والتی

یکون عن الطبع اما طبع حاصل ههنا اولیا وطبع حادث ههنا عن طبع ههنا وطبع حادث

عن طبع سماوی واما الاختیارات فانها یلزم الاختیار والاختیار حادث وکل حادث بعد

ما لم یکن فله علة وحدوثها بلزوم علته اما شی کائن ههنا علی احد الجهات او شی سماوی

او شی مشترک بینهما واما الاتفاقات فهی مصطکات ومصادمات بین هذه الامور الطبیعیة

والاختیاریة بعضها مع بعض فی مجاریها فیکون اذن الاشیاء الممکنة ما لم یجب لم توجد

وانما یجب لا بذاتها بل بالقیاس الی عللها والی الاجتماعات التی تعللها فتوافاها یکون

کل شی متکون متصورا لجمیع الاحوال الموجودة فی الحال من الطبیعیة والارادیة الارضیة

والسماویة ولما عن کل واحد منها ومجراه فی الحال فانما یتصور ما یجب عن استمرارها علی

ما عنها من الکائنات ولا کائنات الا ما یجب عنها کما قلنا فالکائنات اذا قد یدرکها الجوهر

لا من جهة ما هي ممكنة بل من جهة ما يجب وانما لا ندركها نحن لانه اما يخفى علينا جميع
اسبابها الاخذة لنحوها او يظهر لنا بعضها فبمقدار ما يظهر لنا منها يقع لنا حدس
وظن بوجودها وبمقدار ما يخفى علينا منه ما يتداخلنا الشك في وجودها واما المحركات
للاجرام السماوية فيحضرها جميع الاحوال المتقدمة معا فيلزمه ان يحضرها جميع الاحوال المتأخرة
معا فيكون هيئة العالم بما يريد ان يكون فيه يرتسم هناك ثم تلك الصورة لا وحدها
بل الصورة العقلية التي في الجواهر المفارقة غير محتجبة عن نفسنا الحجاب البتة من جهتها
انما الحجاب هو في قوابلها اما لضعفها او لاشتغالها بغير الجهة التي عندها يكون الوصول
اليها والاتصال بها واما اذا لم يكن احد المعنيين فان الاتصال بها مبتذل وليست هما
كذا في الاصل
يحتاج انفسنا وادراكها الى شيء غير الاتصال بها ومطالعتها فاما الصور العقلية
فان الاتصال بها بالعقل النظري فاما هذه الصور التي الكلام فيها فان النفس انما تتصورها
لقوة اخرى وهو العقل العملي ويخدمه في هذا الباب التخيل فيكون الامور الجزئية ينالها
النفس بقوتها التي تسمى عقلا عمليا من الجواهر العالية النفسانية ويكون الامور الكلية
ينالها النفس بقوتها التي يسمى عقلا نظريا من الجواهر العالية العقلية التي لا يجوز ان يكون فيها
شيء من الصور الجزئية البتة ويختلف الاستعدادات للنفوس جميعا في الانفس خصوصا
الاستعداد لقبول الجزئيات بالاتصال بهذه الجواهر النفسانية فبعض الانفس
يضعف فيها ويقل هذا الاستعداد لضعف القوة المتخيلة وبعضها لا يكون فيه
هذا الاستعداد اصلا لضعف القوة المتخيلة ايضا وبعضه يكون هذا فيها اقوى

حتى ان الحس اذا ترك استعمال القوة المتخيلة وترك شغلها بما يورد عليه جذبها القوة
العملية الى تلك الجهة حتى انطبع فيها تلك الصورة الا ان القوة المتخيلة لما فيها
من الغريزة المحاكية والمنتقلة عن شيء الى غيره لا يترك ما اخذت وبورد شبيهه او ضده
او مناسبه كما يعرض لليقظان من انه يشاهد شيئا فينعطف عنه التخيل الى اشياء اخرى
يحضرها مما يتصل به بوجه حتى ينسى الشيء الاول فيعود على سبيل التحليل والتخمين
ويرجع الى الشيء الاول بان ياخذ الحاضر مما قد تادى اليه الخيال فيفطن انه خطر في الخيال
تابعا لاي صورة تقدمته وتلك لاي اخرى ولكن ان ينتهي الى البدو ويتذكر ما انتقل
لكن الى التعبير هو تحليل بالعكس لفعل التخيل حتى ينتهي الى الشيء الذي يكون النفس شاهدته
حين اتصالها بذلك العالم ولخدمة المتخيلة تنتقل عنه الى اشياء اخرى فهذه طبقة وطبقة
اخرى يقوى استعداد نفسها حتى تثبت ما ناله هناك ويستقر عليه الخيال من غير ان يغلبه
الخيال وينتقل الى غيره فيكون الرؤيا التي لا يحتاج الى تعبير وطبقة اخرى اشد من هذه
الطبقة وهم القوم الذين يبلغ من كمال قوتهم المتخيلة وشدتها انها لا يستغرقها القوى
الحسية في ايراد ما يورد عليها حتى يمنعها ذلك عن خدمة النفس الناطقة في اتصالها بتلك
المبادي الموجبة اياها بالامور الجزئية فيتصل لذلك حال يقظته ويقبل تلك الصورة ثم
ان المتخيل يفعل مثل ما يفعل في حال الرؤيا المحتاجة الى التعبير بان ياخذ تلك الاحوال و
يحاكيها ويستولي على الحسية حتى يؤثر ما يتخيل فيها من تلك في قوة بنطاسيا بان ينطبع الصور
مثل
الحاصلة فيها في البنطاسيا المشاركة فيشاهد صورا الهية عجيبة مرئية واقاويل الهية مسموعة

تلك المدركات الوحيية وهذه ادون درجتيا المعنى المسمى بالنبوة واقوى من هذه ان
يستثبت تلك الاحوال والصور على هيآتها ما تقرر للقوة المتخيلة عن الاتصال الى محاكاتها
باشياء اخرى واقوى من هذا ان يكون المتخيلة مستمرة في محاكاتها والعقلى والحملى والوهمى
لا يخلفها عن استثباته فتثبت في الذاكرة صورة ما اخذت ويقبل المتخيلة على بنطاسيا
ويحاكى فيه فاقبلت بصورة عجيبة مسموعة ومبصرة ويؤدى كل واحد منهما على وجهه
وهذه طبقة النبوات المتعلقة بالقوة العقلية والعملية والخيالية وانظر قصص القران
كيف اشتمل على جزئياتها كانه تشاهدها وحضرها كانها نتايج عن النبي وسمع وكيف صدقت
بحيث لو ينكرها احد من منكري النبوة ولا يتعجبن متعجب من قولنا ان المتخيل قد يرتسم في
بنطاسيا فيشاهد فان المجانين قد يشاهدون ما يتخيلون ولذلك علة تتصل بامانة
السبب الذي لاجله يعرض للممرورين ان يخبروا بالامور الكائنة فيصدقون في الكثير ولذلك
مقدمة وهي ان القوة المتخيلة كالموضوعة بين قوتين مستعملتين لها سافلة وعالية اما
السافلة فالحس فانها يورد عليها صورا محسوسة تشغلها بها واما العالية فالعقل فانه
بقوته يصرفها عن التخيل للكاذبات التي يوردها الحواس عليها ولا يستعملها العقل فيها واجتماع
هاتين القوتين على استعمالها يحول بينها وبين التمكن من اصدار افعالها الخاصة
على التمام حتى يكون الصور التي يحدثها بحيث ينطبع في بنطاسيا انطباعا تاما فيحس
فاذا اعرض عنها احدى القوتين لم يبعد ان يقاوم الاخرى في كثير من الاحوال فلم تمنع
عن فعلها فتمنعه فتارة تتخلص عن مجاذبة الحس فيقوى على مقاومة العقل

وتمعن فيما هو بغلبها انحاص غير ملتفتة الى معاندة العقل وهذا فى حال النوم وعند
احضارها الصورة كالمشاهدة وتارة تتخلص عن سياسة العقل عند فساد الآلة التى
يستعملها العقل فى تدبير البدن فيستعصى على الحس ولا يمكنها من شغلها بل يمعن
فى ابرازها فاعيلها حتى يصير ما ينطبع فيها من الصور كالمشاهدة لانطباعه فى الحواس وهذا
فى حال الجنون وقد يعرض مثل ذلك عند الخوف مما يعرض من ضعف النفس وانخذالها واستيلاء
الوهم والظن المعينين للتخيل على العقل فيشاهد امورا موحشة فالممرورين والمجانين يعرض
لهم ان يتخيلوا ما ليس بهذا السبب واما اخبارهم بالغيب فانما يتفق اكثر ذلك لهم
عند احوال كالصرع والغشى يفسد حركات قواهم الحسية وقد يعرض ان تكل قوتهم
المتخيلة لكثرة حركاتهم المضطربة لانها قوة بدنية ويكون همهم عن المحسوسات مصروفة
فيكثر رفضهم للحس واذا كان كذلك فقد يتفق ان لا تشتغل هذه القوة بالحواس اشتغالا
مستغرقا ويعرض لها ادنى سكون عن حركاتها المضطربة دليسهل ايضا انجذابها
مع النفس الناطقة فيعرض للعقل العملى اطلاع الى افق عالم النفس المذكور فيشاهد هناك
ويتادى ما يشاهده الى الخيال فيظهر فيه كالمشاهد المسموع فيحيننذ اذا اخبر به
الممرور وخرج وفق مقاله يكون قد تكهن بالكائنات المستقبلة والآن فيجب ان نختم
هذا البيان فقد اودينا فيه نكت الاسرار المكنونة **فان قال** قائل اذا كان اصحاب
الجن والكهنة والعرافين وبعض المجانين ربما يخبرون عن الغيب ويصدق خبرهم
ويتنبؤن بالآيات ويتحقق اثرها فبطلت خاصية النبوة **فالجواب** ان يقال قد بينا

قبل ذلك في البيانات المتقدمة ان التخيل في الحيوانات على تفاوت وتفاضل وتضاد و
ترتب حتى قال بعض الحكماء ان اعلى درجاته ان يصل بنفس الى النفس التي هي
مدبر فلك القمر الذي هو واهب الصور ولولا ان الجزئيات من الموجودات الكائنة الفاسدة
متصورة متخيلة في ذات النفس الفلكي والا لما افاض على مادة ما يستحقه
ولا مانع لها من تصور اللوازم الجزئية من الكائنات عنها في العالم العنصري وكانه بهذا
المعنى صار للاجسام السماوية زيادة معنى على العقل المفارق لتظاهر رأي جزئي واخر
كلي وان كان الرأي الكلي مستمدا من العقول فاذا فهمت هذا فالنفوس البشرية
ان تنتقش بنقش ذلك العالم بحسب الاستعداد وزوال المانع ويكون كالمرآة المقابلة
للنفس الفلكي حتى يقع فيها جميع ما في النفس الفلكي فالى هذا الحد عظم امر الخيال
واما في جانب السفل فالى حيوان عديم التخيل او ضعيف التخيل سريع النسيان لا يمكنه ان
يستثبت الصورة ساعة او لحظة ثم يتجدد له الخيالات بحسب تجدد الحركات ونفد على
نمط التفاوت بالتفاضل واما ما هو على نمط التفاوت بالتضاد فخيال وتخيل كله حق نشأ
عن نفس خيرة وهي لخيال وتخيل كله نشأ عن نفس شريرة وخيال وتخيل بين الطرفين
ان التفت الى الخير التحق به وان التفت الى الشر التحق به ولههنا نمط آخر من الكلام وهو
اثبات عقل مجرد عن كل خيال واثبات خيال مجرد عن كل عقل واثبات عقل كله خيال واثبات
خيال كله عقل وههنا عمل من خيال وخيال عمل من حس وعقل عمل من خيال وخيال
عمل من عقل وههنا علم على مزاج الظن وظن على مزاج العلم وانهم ظنوا انهم علموا

ان لن يبعث الله احدا اشارة الى الظن الاول وانا ظننا ان لن نعجز الله في الارض ولن نعجزه هربا اشارة الى الظن الثاني واختصاص الظن بالجن في القران يشير في خصائص الجن ان وجودهم خيالي وتصوراتهم خيالية وصورهم لا يتراءا الا للخيال وكما ان الخيال على وسط بين الحس والعقل فكل ما هو خيالي على وسط بين الجسماني والروحاني كالجن والشياطين والاوساط ابدا تكون ممزوجة من الطرفين

الخاصية الثانية للنبوة وهي تابعة للقوة النظرية فنقول من المعلوم الظاهر ان الامور المعقولة التي يتوصل الى اكتسابها بحصول الحد الاوسط بعد الجهل بها انما يتوصل الى اكتسابها في القياس وهذا الحد الاوسط قد يحصل على ضربين من الحصول فتارة يحصل بالحدس والحدس هو فعل الذهن يستنبط بذاته الحد الاوسط والذكاء قوة الحدس وتارة يحصل بالتعلم ويتادى التعلم الى الحدس فان الاشياء تنتهي لا محالة الى الحدس يستنبطها اربابها تلك الحدوس ثم ادوها الى المتعلمين فجائز ان يقع للانسان بنفسه الحدس وان ينعقد في ذهنه القياس بلا معلم يشتري وهذا يتفاوت بالكم والكيف اما في الكم فلان بعض الناس يكون اكثر حدسا للحدود الوسطى واما بالكيف فلان بعض الناس يكون اسرع زمان حدس ولان هذا التفاوت ليس منحصرا في حد بل يقبل الزيادة والنقصان فمنهم غبي لا يعود عليه الفكر بزيادة ومنهم من له فطنة الى حد ويستمتع بفكره ومنهم من انتقص من ذالك وله اصابة في المعقولات وتلك الفطانة غير متشابهة في الجميع بل ربما قلت وربما كثرت فكما انك تجد جانب النقصان

ينتهي الى حد يكون معدوم الحدس فالى جانب الزيادة يمكن ان ينتهي الى حد
يستغني في اكثر احواله عن التعلم والتفكر فيحصل له العلوم دفعة ويحصل معه
الوسائط والدلائل فيمكن اذاً ان شخصاً من الناس مؤيد النفس لشدة الصفاء
وكمال الاتصال بالمبادي العقلية الى ان يشتعل حدساً في كل شيء فترتسم فيه الصورة
التي في العقل الفعال اما دفعة واما قريباً من دفعة ارتساماً لا تقليدياً بل يقينياً مع
الحدود الوسطى والبراهين اللامعة والدلائل الواضحة والفرق بين الحدس والفكر
ان الفكر هي الحركة للنفس في المعاني مستعينا بالتخيل في اكثر الامر يطلب بها
الحد الاوسط وما يجري مجراه مما يصار به الى علم بالمجهول حالة الفقد استعراضاً
للمخزون في الباطن وما يجري مجراه فربما تأدت الى المطلوب وربما انبتت واما الحدس
فهو ان يتمثل الحد الاوسط في الذهن دفعة بان يعلم العلة فيعلم المعلول او يعلم
الدليل فيحصل له العلم بالمدلول دفعة او قريباً من دفعة وهذا الحصول يكون تارة
عقيب طلب وشوق وقد يكون من غير طلب واشتياق بان يكون نفساً شريفة
قوية مستضيئة في نفسها فيحصل له العلوم ابتداء كانه لا يحتاج الى اختياره يكاد زيتها
يضيء ضوء الفطرة ولو لم تمسسه نار الفكرة ولا يفارق طريق الالهام والحدس
طريق الاكتساب والفكر في نفس العلم ولا في محله ولا في سببه لان محصل العلم النفس و
سبب العلم العقل الفعال او الملك المقرب ولكن يفارقه في جهة زوال الحجاب فان ذلك
ليس باختيار العبد ولم يفارق الوحي الالهام في شيء من ذلك بل في مشاهدة

الملك المفيد للعلم سؤال فان قال قائل اذا كان هذه القوة الحدسية موجودة في
غير النبي فان الانسان يجد في نفسه هذا التحدس في مسائل كثيرة وكل احد في صناعته
حدس وبرهان شرط في البين ان يكون في جميع المعقولات فهو شرط غير موجود فانه ربما ممتنع
عليه الحدس في مسئلة او مسائل وايضا فان عقله حينئذ يكون غير مشتبه عليه شيء ما من الغيب
والشهادة فيكون بعينه عقلا بالعقل فلا يحتاج الى وسط فلا يكون له حدس وقد اثبتم له
الحدس فهو ضد نفسه وان كان الحدس في بعض المسائل فقد شاركه فيه غيره وليس بحالكم ولا
ليس لبعض المسائل اولى من بعض وليس لحد معين حد يختص بالنبوة فلم تتعين الخاصية النبوة
وايضا فقد رتبتم العقل اربع مراتب الهيولاني والملكة والعقل بالفعل والعقل المستفاد
فهم او مرتبة توجد للنبي خاصية يتميز بها عن سائر الناس الجواب ان نقول من لم
يثبت في العقول الانسانية تضادا او ترتيبا لم يستقم اثبات هذه الخاصية اما التضاد فعقل
النبي وعقل الكاهن واما الترتيب فكعقل النبي وعقل الصديق والمتضادان خصمان يتجاذبان
المصالح وليس فوقهما حاكم والمترتبان نسبتهما ان عقل النبي فوقه عقل وعلى الوجهين جميعا عقل النبي
فوق العقول كلها وحاكم عليها ومتصرف فيها ومخرجها من القوة الى الفعل
ومكملها بالتكميل الى اقصى غايات الكمال اللائق لكل واحد منها فلا يمكن التنصيص
على حد محدود اما اذا كان يمكن ان يقال ان هذه القوة قابلة للزيادة والنقصان
فعقل النبي فوق العقول كلها۔

الخاصية الثالثة التابعة للنفس فنقول قد ظهر لنا في العلوم الالهية ان الصور

التي هي في الاجسام العالمية تابعة في الوجود للصور التي في النفوس والعقول الكلية وان هذه
المادة طوع لقبول ما هو متصور في عالم الغيب فان تلك الصور العقلية مبادي لهذه الصور
الحسية يجب عنها بذاتها وجود هذه الانواع في الاجسام الجسمانية والانفس الانسانية قريبة
من تلك الجواهر وقد يجب لها افعال طبيعية في البدن الذي لكل نفس فان الصور الارادية
التي ترتسم في النفس يتبعها ضرورة تشكل قهري للاعضاء وتحريك غير طبيعي وميل غير
غريزي ومنعزل لها الطبيعة والصورة الخوفية التي ترتسم في الخيال عنها تنبعث عنها في البدن
مزاج من غير ان يتعالج عن محل طبيعي سببه بنفسه والصورة الغضبية التي ترتسم في الخيال
يحدث في البدن مزاج آخر من غير سبب طبيعي والصورة المعشوقة عند القوة الشهوانية
اذا تمثلت في الخيال يحدث عنها مزاج يحدث ريحاً من المادة الرطبة في البدن ويمدها الى
العضو الى غير ذلك للفعل الشهواني ليستعد له آلة النفسان لا بسبب طبيعة البدن
الا من عنصر العالم ولكن لان هذه الطباع موجودة في جوهر العنصر او مثل في هذا
البدن ولا تنكر ان يكون من القوى النفسانية انسان ما هو اقوى فعلا وتاثيراً من الانفس التي
حتى لا يقتصر فعلها في المادة التي يخصها وهو بدنها بل اذا شاءت لحدث في مادة
العالم ما يتصور لها في نفسها ويكون مبدأ لذلك احداث تحريك وتسكين وتبريد
وتسخين وتكثيف وتليين كما ينفعل في بدنها فيتبع ذلك ان يحدث سحب
هاطلة ورياح وصواعق وزلازل وسيلان مياه غزيرة تنبعث منها عيون جارية
وما اشبه ذلك في العالم بارادة هذا الانسان الذي يقع له هذا الكمال في جبلة النفس

ثم يكون خيرا متحليا بالسيرة الفاضلة ومحاسن الاخلاق وسير الروحانيين مجتنبا عن
الرذائل ودنيات الامور فهو ذو معجزة من الانبياء اى يدعى النبوة ويتحدى بها ويكون
هذه الاحوال مقرونة بدعوى النبوة او كرامة من الاولياء ويزيده تزكية لنفسه وضبط القوى
وتسليطها من هذا الحى زيادة على مقتضى جبلته فيبلغ المبلغ الاقصى فيصير كانه نفس ما
للعالم والذى يقع له هذا فى جبلته ثم يكون شريرا ويستعمله فى الشر فهو الساحر الخبيث
واعلم ان هذه الاشياء ليس القول بها والشهادة لها ظنونا امكانية تصير اليه من
امور عقلية فقط وان كان ذلك له معتمد الركاز ولكنها تجاريب لما اثبت طلب
اسبابها ومن حسن الاتفاق لجمع الاستبصار ان يعرض لهم هذه الاحوال فى انفسهم
او يشاهدوها من امثالهم فى غيرهم حتى يصير ذلك ذوقا فى اثبات امور عجيبة
لها وجود وصحة ودواعيا له الى طلب سببها فانه اذا اقترن الذوق بالعلم كان
ذلك من اعجب الفوائد واعظم العوائد والله ولى التوفيق

خاتمة لهذا الباب فافضل النوع البشرى من اوتى الكمال فى حدس
القوة النظرية حتى استغنى عن المعلم البشرى اصلا واوتى القوة المتخيلة استقامة
وتمهلة لا يلتفت الى العالم المحسوس بما فيها حتى يشاهد العالم النفسانى بما فيه من
احوال العالم ويستثبتها فى اليقظة فيصير العالم وما يجرى فيها متمثلا لها و
متنقشا بها ويكون لقوته النفسانية ان يؤثر فى عالم الطبيعة حتى ينتهى الى درجة
النفوس السماوية ثم الذى له الامران الاولان وليس له الامر الثالث ثم الذى له هذه

التهيؤ الطبيعي في القوة النظرية دون العملية ثم يكتسب هذا الاستكمال في القوة
النظرية ولا حصة له في أمر القوة العملية من الحكماء ومنهم من الذي ليس له في
القوة النظرية لا تهيؤ طبيعي ولا اكتساب تكلفي ولكن له التهيؤ في القوة العملية
فالرئيس المطلق والملك الحقيقي الذي يستحق بذاته أن يملك هو الأول من الجماعة
المذكورين الذي إن نسب نفسه إلى عالم العقل وجد كأنه يتصل به دفعة
وإن نسب إلى عالم النفس وجد كأنه من سكان ذلك العالم وإن نسب نفسه إلى
عالم الطبيعة كان فعالاً فيها ما يشاء والذي يتلوه رئيس كبير بعده
في المرتبة والباقون هم أشراف النوع الإنساني وكرامه وأما الذين ليس
لهم استكمال شيء من القوى إلا أنهم يصلحون الأخلاق ويقتنون الملكات الفضيلة
فهم الأذكياء من النوع الإنساني ليسوا من ذوي المراتب العالية إلا أنهم يتميزون
عن سائر أصناف الناس —

تنبیہ ۔ معارج القدس کے صحیح نسخے بہت کمیاب ہیں، میرے پاس دو نسخے تھے جن میں سے ایک قدیم اور نسبتاً
زیادہ صحیح تھا۔ دونوں کے مقابلہ سے جس قدر تصحیح ممکن تھی کی گئی، لیکن اب بھی بہت سی غلطیاں نظر آتی ہیں
جن کا کوئی علاج نہیں —

امام رازی کی تقریر مذکورہ بالا کا خلاصہ

جو لوگ نبوت کے قائل ہیں ان میں دو فرقے ہیں ایک کا یہ مذہب ہی کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے یعنی اگر کوئی شخص نبوت کا مدعی ہو تو ہم دیکھیں گے کہ اس کے پاس معجزہ ہی یا نہیں؟ اگر ہی تو وہ سچا نبی ہی، اور جب اس طرح اس کی نبوت ثابت ہو جائے گی تو جس بات کو وہ حق کہے گا ہم حق سمجھیں گے، اور جسکو باطل کہے گا اسکو باطل قرار دیں گے، عام مذہب یہی ہی۔

دوسرے فریق کا یہ مذہب ہی کہ پہلے ہمکو خود یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ حق اور باطل کیا ہی؟ اس کے بعد جب ہم کو یہ نظر آئے کہ ایک شخص حق کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہی اور اس کی دعوت میں یہ تاثیر ہی کہ لوگ باطل چھوڑ کر حق کی طرف آتے جاتے ہیں تو ہم سمجھیں گے کہ وہ سچا پیغمبر ہے، یہ طریقہ قریب العقل اور قلیل الشبہات ہے۔

اس دوسرے طریقہ کو ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں لیکن پہلے مقدمات ذیل ذہن نشین کر لینے چاہییں۔

(۱) انسان کا کمال یہ ہی کہ اس کی قوت نظری اور عملی دونوں کامل ہوں، قوت نظری کے کمال کے یہ معنی کہ حقائق اشیاء کا اس کو صحیح علم ہو یعنی اس کے ذہن میں جس شے کا تصور آئے ٹھیک اصلی صورت میں آئے، قوت عملی کے کمال کے یہ معنی کہ نفس میں ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ خود بخود اچھے کام سرزد ہوں۔

(۲) دنیا میں تین طرح کے آدمی ہیں (۱) ناقص یعنی جن کی قوت نظری اور عملی دونوں ناقص ہی، یہ عوام الناس ہیں، (۲) خود کامل ہیں لیکن دوسروں کو کامل نہیں کر سکتے یہ اولیاء اور صلحاء ہیں، (۳) خود کامل ہیں دوسروں کو بھی کامل کر سکتے ہیں یہ انبیا ہیں

(۳) قوت نظری اور عملی کے درجے بہ لحاظ نقصان و کمال، و شدت و ضعف، نہایت مختلف ہین یہان تک کہ ان کی کوئی حد نہین قرار پاسکتی۔

(۴) گو عموماً تمام لوگون مین نقصان پایا جاتا ہے، لیکن ضرور ہے کہ انھی مین کوئی ایسا کامل بھی ہو جو نقصان سے بمراحل دور ہو۔ اس کی تصدیق مختلف مثالون سے ہوتی ہے۔

(۱) یہ ظاہر ہے کہ انسانون مین کمال اور نقصان کے درجے نہایت متفاوت ہین نقصان کے مدارج بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہونچ جاتے ہین کہ بعض انسان عقل اور ادراک مین بالکل جانورون سے قریب ہو جاتے ہین، جب نقصان کی جانب یہ حالت ہے تو ضرور ہے کہ کمال کی جانب بھی یہی حالت ہو یہان تک کہ انسانیت کی سرحد ملکوتیت سے مل جائے۔

(۲) استقرا بھی اس کی شہادت دیتا ہے، اجسام عنصری کی تین قسمین ہین، معدن، نبات، حیوان، ان مین سب سے افضل حیوان ہے، پھر نبات، پھر معدن، پھر ان کے بھی بہت سے انواع ہین اور ان سب مین اشرف انسان ہے، اسی طرح انسان کے بھی بہت سے اصناف ہین مثلاً زنگی۔ ہندی، رومی، شامی۔ فرنگی، ترک، ان سب مین جو لوگ دنیا کے وسط حصہ مین سکونت رکھتے ہین وہ سب سے افضل ہین۔ اس قیاس پر ضرور ہے کہ خود ان لوگون مین بھی کمال کا درجہ متفاوت ہو کر بڑھتا گیا یہان تک کہ ایک ایسا شخص نکل آئے جو اپنے صنف مین بھی سب سے افضل ہو۔

ہر دور مین ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو اپنے زمانہ کا افضل الناس ہوتا ہے، صوفیہ اس کو قطب کہتے ہین اور ہم کہتے ہین کیونکہ جب اس عالم جسمانی کا بہترین حصہ انسان ہے جو قوت نظریہ کی وجہ سے عالم ملکوت سے استفادہ کرتا ہے اور قوت عملیہ کی وجہ سے دنیا کا عمدہ سے عمدہ انتظام کر سکتا ہے تو عالم کا مقصود

اصلی درحاصل یہی انسان ہے، اور جب یہ شخص (یعنی قطب) اور تمام انسانون سے بھی بڑھکر ہو تو گویا اس تمام عالم عنصری کا حاصل یہی شخص ہے، اس بنا پر اس شخص کو عالم کا قطب کہنا بالکل صحیح ہے، شیعہ اسی کو امام معصوم، صاحب الزمان اور غائب عن الاعیان کہتے ہین، اور یہ کہنا انکا بجا ہے کیونکہ جب وہ نقائص سے خالی ہے تو معصوم ہی اور جب اپنے دور کا مقصد اصلی ہے تو صاحب الزمان ہی اور چونکہ عام لوگ اسکے کمال سے واقف نہین اسلئے گویا وہ غائب عن الاعیان ہی۔

اسی قیاس پر ایک ایسا شخص بھی ہونا چاہیے جو سب قطبون سے بھی افضل ہو، ایسا شخص سیکڑون ہزارون برس مین کہین جا کر پیدا ہوتا ہے اور وہی پیغمبر برحق اور موجد شریعت ہوتا ہی، ایسے اشخاص بھی ہوتے ہیں جو ان فضائل مین پیغمبر سے کم لیکن اور تمام لوگون سے زیادہ ہوتے ہین، یہ امام اور قائم مقام پیغمبر ہوتے ہین، امام کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو چاند کو آفتاب سے ہی، امام سے جو کم رتبہ ہین، ان کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو عام ستارون کو آفتاب سے ہے، باقی عوام الناس تو وہ حوادث یومیہ ہین جو اجرام فلکی کی تاثیر سے وجود مین آتے ہین۔

(۵) پیغمبر انسانیت کی اخیر سرحد پر ہوتا ہے اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ہر نوع کی انتہا دوسرے نوع کی ابتدا سے متصل ہی۔ اس لیے بشریت کی انتہا ملکوتیت کی ابتدا ہے، اس بنا پر پیغمبر مین ملکوتی صفات پائے جاتے ہین، وہ جسمانیات سے بے پروا ہوتا ہے، روحانیت اسپر غالب ہوتی ہی اس کی قوت نظریہ کے آئینہ مین معارف الٰہی مرتسم ہوتے ہین، اس کی قوت عملیہ عالم اجسام مین طرح طرح کے تصرفات کرسکتی ہے اور اسی کا نام **معجزہ** ہے

اوپر ثابت ہوچکا کہ نفوس ناطقہ مختلف الماہیتہ ہین، بعض کی قوت نظری نہایت کامل ہوتی ہے لیکن

قوت عملی ضعیف ہوتی ہے بعض اسکے برعکس ہوتے ہین بعض کو دونون مین کمال ہوتا ہی اور یہ
شاذ و نادر ہے بعض کی دونون قوتین ضعیف ہوتی ہین جیسا کہ عوام الناس کا حال ہے۔

جب یہ مقدمات ثابت ہو چکے تو سمجھنا چاہیے کہ روح کا مرض خدا سے اعراض اور دنیا مین انہماک ہی جو
شخص اس مرض کا طبیب ہوتا ہی یعنی لوگون کو خدا کی طرف توجہ دلاتا ہی اور دنیا سے ہٹاتا ہی وہی پیغمبر ہوتا ہے
اوپر یہ بیان ہو چکا ہو کہ اس صفت مین اختلاف مراتب ہوتا ہی اس لئے جس شخص مین یہ صفت درجہ کمال
پر پائی جائیگی وہ درجہ نبوت مین بھی کمال درجہ پر ہوگا جس مین کم درجہ پر ہوگی اس کی نبوت کا درجہ
بھی نسبتہ کم ہوگا۔

تفہیم

قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنے کا یہی طریقہ افضل اور اکمل ہے
چنانچہ ہم قرآن مجید کی بعض سورتین نقل کر کے انکی تفسیر کرتے ہین جس سے اس دعوی کی تصدیق ہوگی
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الخ چونکہ الٰہیات اصل اور نبوات انکی فرع ہین اسلئے قرآن مجید کا
عام طریقہ یہ ہے کہ پہلے الٰہیات کا بیان ہوتا ہی چنانچہ اس سورہ مین الٰہیات ہی سے ابتدا کی اور فرمایا کہ
اپنے خدا کی تسبیح پڑھو جو سب سے برتر ہے یعنی اس کو ممکنات سے کسی طرح کی مناسبت نہین کیونکہ تمام
ممکنات مادہ و صورت یا جنس و فصل سے مرکب ہین اور ان کی ذات یا صفات تغیر اور فنا کے قابل
ہین لیکن خدا ان تمام باتون سے برتر ہے

قرآن مجید مین خدا کے ثبوت کی جسقدر دلیلین مذکور ہین سب کا مدار صفات کے حدوث پر ہے امام
رازی کا یہ دعوی جو درحقیقت اشاعرہ کی آواز بازگشت ہے ہمارے نزدیک صحیح نہین (خدا کا ہونا
صفات کے حدوث پر مبنی نہین)

الذی خلق فسوّیٰ (وہ خدا جسنے بنایا اور ٹھیک بنایا) اس سے جسم کے عجائبات مراد ہین

والذی قدّر فہدیٰ (وہ خدا جسنے اندازہ کیا اور راہ دکھائی) اس سے روح کیطرف اشارہ ہی

والذی اخرج المرعیٰ (اور وہ خدا جسنے چارہ پیدا کیا) اس سے نباتات کی طرف اشارہ ہی حاصل یہ کہ

جماد، نباتات، حیوان، روح سب خدا کے ثبوت کے دلائل ہین

الٰہیات کا ذکر ہوچکا تو نبوات کا بیان کیا، اور یہ بیان ہوچکا کہ انبیا کا کمال چار چیزون مین ہے قوت

نظری، قوت عملی، دوسرون کی قوت نظری کی تکمیل، دوسرون کی قوت عملی کی تکمیل چنانچہ ان چارون

کو بہ ترتیب بیان کیا۔

سنقرئک فلا تنسیٰ (ہم تجکو پڑھا دینگے کہ پھر تو نہ بھولیگا) یہ قوت نظری کے کمال کا بیان ہی

یعنی اے پیغمبر تجکو نفس قدسی عطا کیا گیا ہی جو غلطی اور نسیان سے محفوظ ہے، البتہ اقتضائے

بشریت اس سے مستثنیٰ ہے۔

ونیسّرک للیسریٰ (اور ہم تجکو آہستہ آہستہ لائینگے آسانی کیطرف) اس سے قوت عملی کے

کمال کیطرف اشارہ ہے، یعنی تجھ مین ایسا ملکہ پیدا کرینگے کہ خود بخود تجھسے وہ کام سرزد ہونگے جو سعادت

اور راحت دارین کا سبب ہین۔

فذکّر ان نفعت الذکریٰ (تو لوگون کو سمجھا، اگر سمجھانا مفید ہو) اس سے ناقصون کے

اصلاح کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ سمجھانے سے یہی مراد ہے کہ ناقصون کی اصلاح کیجائے ساتھ ہی یہ بھی

بتادیا کہ ہر شخص مین اصلاح کی قابلیت نہین کیونکہ نفوس انسانی کے مراتب مختلف ہین بعضونکو سمجھانا سود مند ہے

بعضونکو نہین بعضونکو فائدہ کے بجاے الٹا نقصان ہوتا ہی کیونکہ سمجھانے سے انکے حسد، غیظ، غضب اصرار اور ہٹ کو

اور ترقی ہوتی ہے۔

اس کے بعد خدا نے دونون قسم کے آدمیون کی خاصیتین بیان کین چنانچہ فرمایا۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَخْشَىٰ (وہ قبول کرے گا جس کو خدا کا ڈر ہے) یعنی جن لوگون مین صلاح کی قابلیت ہوتی ہے ان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ خوف الٰہی ہر وقت اُن پر چھایا ہوا ہوتا ہے۔

وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ (اور نصیحت سے وہ بدبخت دور رہتا ہے جو بڑی آگ مین داخل ہونے والا ہے) یعنی جو بدبخت ہین وہ نصیحت سے متنفر ہوتے ہین اور اس وجہ سے دنیا مین بھی مبتلائے مصیبت رہتے ہین اور آخرت مین بھی۔

ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (پھر یہ بدبخت نہ مرے گا نہ جیے گا) نہ مرنا اسلئے کہ انسان مرنے سے در اصل نہین مرتا کیونکہ روح زندہ رہتی ہے، نہ زندہ رہنا اسلئے کہ ایسا جینا گویا جینا نہین ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ (وہ کامیاب رہا جسنے نفس کا تزکیہ کیا) انبیا کی تعلیم کا دو مقصد ہوتا ہے شر کا مٹانا اور خیر کی تعلیم دینا، مَن تَزَكَّىٰ سے پہلے مقصد کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تزکیہ کے معنی اخلاق ذمیمہ کے زائل کرنے کے ہین۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ (اور خدا کو یاد کیا اور نماز ادا کی) اس آیت مین تعلیم خیر یعنی علم و عمل کی تکمیل کا بیان ہے کیونکہ راس العلم خدا کی معرفت اور راس العبادات نماز ہے،

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (بلکہ یہ لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہین) یعنی لوگ انبیا کی تعلیم سے اعراض کرتے ہین اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان پر دنیا کی محبت غالب ہوتی ہے،

وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ (اور آخرت زیادہ بہتر اور پایدار ہے) آخرت کی ترجیح دو طرح ثابت کی، ایک یہ کہ

روحانی لذت جسمانی لذت پر مقدم ہے، دوسرے یہ کہ آخرت کی لذتین ابدی اور دائمی ہین۔

حاصل یہ کہ آیات مذکورہ مین چار چیزون کا بیان ہے، خدا کی ذات[1] وصفات، نبوت[2] کے اوصاف،

سعید[3] وشقی کی تقسیم اور دونون کا انجام، دنیا[4] پر عقبی کی ترجیح، اور یہی چار چیزین ہین جو علم وعمل کی بنیاد ہین

پھر فرمایا اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی (یہ بات پہلے صحیفون مین بھی ہی) یعنی جسقدر انبیا گذرے سب کی

تعلیم کا مقصد یہی چار چیزین ہین۔

اسی طرح سورہ والعصر مین بھی انھی چیزون کا بیان ہوا ہے، چنانچہ ہم اسکی بھی تفسیر بیان کرتے ہین۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (بے شبہ انسان نقصان مین ہی) پہلے ہم بیان کر چکے ہین کہ انسان مین ۱۹ مختلف

قوتین ہین، دس[1] حواس ظاہری وباطنی[2] دو شہوت وغضب سات نباتی قوتین اور یہی وہ ۱۹ چوکیدار ہین جو جہنم

کے دوزخ پر متعین ہین، یہ قوتین سب کی سب انسان کو دنیا کی طرف کھینچتی ہین، صرف ایک عقل روکنا

چاہتی ہی اُس کی قوت ان سب کے مقابلہ مین ضعیف ہی اس سے ثابت ہوا کہ تمام انسان معرض خطر

مین ہین صرف وہ لوگ مستثنی ہین جن کے پاس روحانی تریاق ہی یہ تریاق چار چیزون سے مرکب ہی

پہلا قوت نظریہ کا کمال، اس کو ان لفظون مین بیان کیا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (مگر وہ لوگ جو ایمان لاتے) دوسرا[2] قوت عملی کا کمال چنانچہ اس آیت مین اسکی طرف

اشارہ ہی وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور وہ لوگ جنھون نے اچھے کام کیے) تیسرا[3] لوگونکی قوت نظری کی تکمیل جسکا آگے ذکر

بیان کی وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ[1] چوتھا قوت عملی کی تکمیل چنانچہ فرمایا۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ[2] یہان یہ شبہ ہو سکتا ہی کہ اس آیت مین صرف صبر کا ذکر ہے اور محض صبر سے

[1] ترجمہ، اور لوگون کو نصیحت کی سچائی کی [2] ترجمہ، اور لوگونکو نصیحت کی صبر کی۔

قوت عملی کی تکمیل کیونکر ہو سکتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جس قدر برائیان ہین دو چیزون کے نتائج ہین شہوت اور غضب، شہوت ہر قسم کی بدکاریون کا سبب ہے اور غضب خونریزی اور سفاکی کا، اسی بنا پر جب خدا نے آدم کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتون نے کہا۔

اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ (کیا تو ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو خونریزی اور فساد کرے گا) تو جب انسان شہوت اور غضب کے روکنے پر قادر ہوگا وراسی کا نام صبر ہے تو قوت عملی کی جس قدر خوبیان ہین سب خود بخود اس کو حاصل ہونگی۔

بہت سی آیتون سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ نبوت کے لئے صرف انہی اوصاف چہارگانہ کا پایا جانا کافی ہے، معجزہ کی ضرورت نہین چنانچہ کفار نے جب رسول اللہ صلعم سے معجزات طلب کئے اور کہا کہ ہم پر اس وقت تک ایمان نہ لائین گے جب تک تم زمین سے چشمہ نہ جاری کر دو تو خدا نے فرمایا

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا (اے محمد کہدے کہ سبحان اللہ! مین تو صرف آدمی ہون اور پیغمبر ہون) یعنی پیغمبری کے لئے ان باتون پر قادر ہونا ضرور نہین بلکہ صرف قوت نظری اور عملی کا کمال کافی ہے۔

اسی سورۂ شعرا مین جب خدا نے کہا کہ قرآن مجید خدا کا کلام اور شیطان کا کلام نہین، تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مین تم کو بتاؤن کہ شیطان کس شخص کے پاس آتے ہین۔

تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ (وہ جھوٹون اور گنہگارون کے پاس آتے ہین) یعنی اگر یہ کلام شیطان کی طرف سے ہوتا تو شیطان چونکہ جھوٹ اور بدکاری کی تعلیم دیتا ہے اس لئے ضرور تھا کہ اس کلام کا پیش کرنے والا خود بھی جھوٹا اور بدکار ہوتا اور اسی کی تعلیم دیتا حالانکہ محمد تو ترک دنیا

اور انقطاع الی اللہ کی تعلیم دیتے ہین اس آیت مین رسول اللہ کی نبوت پر جو استدلال کیا گیا صرف اس
بنا پر کہ وہ ترک دنیا اور توجہ الی اللہ کی تعلیم دیتے ہین اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کے لئے اسی قدر
کافی ہے معجزہ کی ضرورت نہین۔
کفار یہ بھی کہتے تھے کہ محمد شاعر ہین اور ہر شاعر کے پاس ایک شیطان ہوتا ہی اسکو شاعری مین مدد
دیتا ہے خدا نے اسکے جواب مین فرمایا کہ شعرا ہر کوچہ مین سرمارتے پھرتے ہین یعنی وہ لذات دنیوی کا ذکر
کرتے ہین اور اسی کی ترغیب دلاتے ہین اور رسول اللہ خدا پرستی کی تعلیم دیتے ہین، اسلئے شیطان
ان کا شریک اور معین نہین ہوسکتا، ان تمام آیتون سے ثابت ہوا کہ نبوت کے اثبات کا یہ طریقہ اعلیٰ و افضل ہے

پیغمبر کی دعوت کا طریقہ

نبوت کا اصلی مقصد لوگون کو دنیا سے اعراض اور عاقبت کی طرف توجہ کرنے کی تعلیم دینی ہو لیکن چونکہ
انسان کو دنیاوی تعلقات سے گریز نہین اس لئے پیغمبر کو دنیوی معاملات پر بھی متوجہ ہونا پڑتا ہی،
مذہبی تعلیم کے متعلق جو پیغمبر کا فرض ہی اس کے مہمات اصول تین ہین۔

(۱) یہ بتانا کہ عالم حادث ہے، اور اس کا ایک صانع ہے جو ہمیشہ سے ہی اور ہمیشہ رہیگا جسکو
ممکنات سے کسی طرح کی مشابہت نہین جو کمال کے تمام اوصاف کا جامع ہی جس کی قدرت تمام
ممکنات مین ساری ہی جس کا علم تمام اشیاء پر محیط ہے جو واحد اور یکتا ہے یعنی نہ اسکے اجزا ہین، نہ
اس کا کوئی شریک ہے، نہ مقابل ہے، نہ اس کی بیوی ہے نہ بچے ہین، اسکے بعد یہ بتانا کہ عالم مین جو
کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم اور ارادہ سے ہوتا ہے اور یہ کہ خدا ظلم اور ہرزہ کاری سے بالکل بری ہے
لیکن ان امور کی تعلیم کے لئے پیغمبر حسب ذیل طریقے اختیار کرتا ہے۔

(۱) ان عقائد کی تعلیم مناظرہ اور مباحثہ کے طریقہ پر نہین دیتا کیون کہ اس طریقہ سے اعتراضات کا راستہ کھلتا ہے، اور پیغمبر اگر ان اعتراضات کے جواب مین مشغول ہو تو یہ سلسلہ بڑھتا جائے اور اصل مقصد رہ جائے اس لئے پیغمبر دلائل کو خطابیات کے پیرایہ مین ادا کرتا ہے جن مین ترغیب اور ترہیب بھی شامل ہوتی ہے، ترغیب و ترہیب کی وجہ سے دل مرعوب ہو جاتا ہے اور چون و چرا کی مجال نہین رہتی اور چونکہ فی نفسہ بھی وہ دلائل قوی ہوتے ہین، اسلئے ارباب نظر کو بھی اسکے قبول سے چارہ نہین ہوتا

(۲) پیغمبر تنزیہ محض کی تعلیم نہین دیتا کیونکہ تنزیہ محض عام لوگون کے خیال مین نہین آسکتی بلکہ وہ پہلے یہ بتاتا ہے کہ خدا ممکنات کی مشابہت سے منزہ ہے جیسا کہ قرآن مجید مین ہے

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ پھر یہ بتاتا ہے کہ خدا تمام مخلوقات پر غالب ہے، تمام اچھی باتین اسی کی طرف منتہی ہوتی ہین، وہ عرش پر قائم ہے لیکن ان پیچیدہ عقائد کے متعلق لوگونکو غور اور فکر سے بالکل روکتا ہے، ہان کوئی صاحب بصیرت ہو تو مضائقہ نہین پھر بتاتا ہے کہ انسان فاعل مختار ہے جس کام کو چاہے کر سکتا ہے جسکو نہ چاہے چھوڑ سکتا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی تلقین کرتا ہے کہ گو انسان کو خدا نے ہر طرح کا اختیار دیا ہے تاہم جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے، ایک ذرہ اسکے حکم کے بغیر حرکت نہین کر سکتا۔

یہ دونون خیال اگرچہ بظاہر متناقض ہین لیکن وہ ان کو اسی طرح سمجھا دیتا ہے اور لوگون کو ان پر غور و فکر کرنے سے روکتا ہے۔

چنانچہ جناب رسالت پناہ نے تعلیم کا یہی طریقہ اختیار کیا اور یہی طریقہ تمام طریقون سے بہتر ہے آپ نے سب سے پہلے خدا کی تنزیہ نہایت زور کے ساتھ بیان کی اور یہ آیتین پیش کین

واللّٰہ الغنی وانتم الفقراء (یعنی خدا بے نیاز ہے اور تم لوگ محتاج ہو) اس آیت سے خدا کا ہر چیز سے منزہ ہونا ثابت ہوتا ہی کیونکہ جب غنی ہوگا تو اسکو کسی چیز کی حاجت نہ ہوگی اور جب کسی چیز کی حاجت نہ ہوگی تو وہ مرکب ہوگا نہ متحیز ورنہ مرکب یا متحیز ہوتا تو اسکو اجزا یا مکان کی حاجت ہوگی۔

لیس کمثلہ شئ (اسکے مثل کوئی چیز نہیں) اس سے ثابت ہے کہ خدا جسمانی نہیں ورنہ اجسام کے مشابہ ہوتا۔ اسکے ساتھ خدا کے وجود کو بار بار شدو مد کے ساتھ بیان کیا، یہ اس لئے ضرور تھا کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو لوگ سمجھتے کہ جب خدا نہ جسم ہے، نہ کسی مکان میں ہے، نہ جہت میں ہے، تو سرے سے ہے ہی گا نہیں پھر آنحضرت نے یہ بیان کیا کہ خدا تمام معلومات کا عالم ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ

لیکن اس سے کچھ بحث نہیں کی کہ علم کی یہ صفت عین ذات ہی یا غیر، پھر فرمایا کہ انسان فاعل ہے، صانع ہے، خالق ہے، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ خیر و شر جو کچھ ہوتا ہے سب خدا کی طرف سے ہوتا ہی، ان دونوں باتوں میں بظاہر جو تناقض معلوم ہوتا ہے اسکی طرف کچھ توجہ نہیں کی بلکہ صرف حکم دیا کہ ان پر اجمالی ایمان لاؤ۔

غرض آنحضرت کی تعلیم کا اصل اصول یہ ہے کہ خدا کو ہر طرح منزہ مانا جائے اور اس کے متعلق کچھ غور نہ کیا جائے کہ اس سے تناقض لازم آتا ہے، اس میں راز یہ ہے کہ اگر یہ مانا جائے کہ انسان اپنے بُرے افعال کا آپ خالق ہے تو خدا ظلم کے الزام سے بچ جاتا ہی لیکن اسکی قدرت کی وسعت تنگ ہو جاتی ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ افعال بد کا خالق بھی خدا ہی ہے تو گو قدرت کی وسعت ثابت ہوتی ہے لیکن خدا پر ظلم کا الزام آتا ہے، اس لئے آنحضرت نے یہ تعلیم کی کہ خدا کو

تمام افعال کا خالق بھی مانا جائے اور ظلم اور جور سے بری بھی مانا جائے۔

دوسرا اصول انبیاء کی تعلیم کا یہ ہے کہ انسان کو تین طرح سے خدا کی عبادت کرنی چاہیے دل سے،
اعضا سے، مال سے، پہلی قسم کی عبادت معارف اور اعتقادات ہیں، دوسری نماز روزہ وغیرہ تیسری
زکوٰۃ وغیرہ، تیسرا اصول قیامت اور واقعات قیامت پر ایمان لانا۔

یہ تین چیزیں انبیاء کی تعلیم کا اصل الاصول ہیں۔

مہمات دین کی دو قسمیں ہیں، امور حسنہ کی تحصیل، امور قبیحہ کا ازالہ، دوسری قسم پہلی پر مقدم ہے کیونکہ
ایک لوح پر اگر کوئی غلط تحریر ہو تو پہلے اس کے مٹانے کی ضرورت ہوگی، اس بنا پر سورۂ بقر
میں غرض مذہبی کے جو مراتب ہفتگانہ مذکور ہیں، ان میں سے پہلے تقویٰ کا ذکر ہے
هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کیونکہ اتقا امور قبیحہ سے بچنے کو کہتے ہیں، باقی مراتب میں یہ ترتیب ہے کہ روح کا

---

[1] امام رازی کی یہ تقریر اگرچہ بظاہر نہایت لغو اور دور از کار معلوم ہوتی ہے، وہ ایسی تعلیم کی عمدگی ثابت کرتے
ہیں جو بالکل متناقض و ضد یکدگر ہے، باقی یہ حکم کہ اس تناقض پر غور نہ کرو، کہاں تک تعمیل کے قابل ہے، غور
اور فکر سے باز رہنا انسان کی اختیاری چیز نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام رازی نے انسان کی فطرت کو
خوب سمجھا ہے، خود دیکھتے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں آدمی خدا کی نسبت یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تمام چیزوں کا خالق ہے
کوئی چیز اسکے حکم اور مرضی کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی، ایک پتہ اسکے اشارہ کے بغیر ہل نہیں سکتا باوجود
اسکے یہ بھی مانتے ہیں کہ خدا عادل ہے، منصف ہے، رحیم ہے، فیاض ہے، تو جب ایسے متناقض خیالوں کو
لوگ تسلیم کرتے ہیں اور انکو خیال تک نہیں آتا کہ یہ دونوں اعتقاد باہم متناقض ہیں تو اگر اسکی تعلیم دیگئی تو کیا اعتراض
کی بات ہے، اسمیں بھی شبہ نہیں کہ اس مسئلہ میں ایک خاص پہلو اختیار کرنے سے یا جبر محض ہو جاتا ہے یا خدا کی عظمت
وشان کا پورا اثر اسکے دل پر نہیں رہتا، اسلئے یہی جامع الاضداد طریقہ فطرت انسانی کے مناسب ہے لیکن میرے
دل سے پوچھو تو میں انسان کو فاعل با اختیار مانتا ہوں اور اس سے خدا کی عظمت وشان میں کچھ فرق نہیں آتا،

د رتبہ جسم سے مقدم ہے اور جسم کا مرتبہ مال سے اسلیے پہلے
یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ فرمایا کیونکہ ایمان اور اعتقاد بالذات روح سے متعلق ہی پھر نماز کا ذکر کیا۔
یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کیونکہ نماز جسمانی اعمال مین داخل ہے پھر زکوۃ کا بیان کیا۔
وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ کیونکہ زکوۃ مال سے متعلق ہی یہ چارون امور الٰہیات سے متعلق تھے
انکا بیان ہوچکا، تو نبوت کے متعلقات بیان کیے چنانچہ فرمایا۔
وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ اس مین آنحضرت پر ایمان لانیکا ذکر ہے، پھر فرمایا
وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یعنی انبیاے سابقین پر ایمان لانا بھی شروط ہے جب الٰہیات اور نبوات کا
بیان ہوچکا اور ماضی حال استقبال تینون زمانہ کے متعلق جو فرائض ہین انکی تفصیل ہوچکی تو فرمایا۔
اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (یہی لوگ خدا کی طرف سے ہدایت پر ہین
اور یہی لوگ کامیاب ہین) ماحصل یہ کہ جب تک روح کی دنیا مین ہم مسافر ہیں اور مسافر کے لیے ضرور
ہی کہ راستہ کے علامات اور حالات معلوم ہون، اس بنا پر ان لوگون کی شان مین جو فرائض مذکورہ پر کاربند
ہین فرمایا کہ یہ لوگ راستہ سے واقف ہین اور یہی لوگ مرنے کے بعد کامیاب بھی ہون گے یعنی
منزل مقصود تک پہونچ جائین گے۔

(اس تقریر کے بعد امام صاحب کہتے ہین کہ دعوت اسلام کا یہ طریقہ بہترین طرق ہے اور اگر مین
شریعت اسلامی کے نکات اور لطائف کی تفصیل بیان کرون تو ایک دفتر ہوجاے گا اس لیے
اختصار پر قناعت کرتا ہون)

فصل چہارم | اس امر کے بیان مین کہ آنحضرت افضل الانبیاء ہین۔

اوپر بیان ہو چکا کہ پیغمبر وہ ہوتا ہے جو نفوس انسانی کا علاج کرتا ہے، اس بنا پر جس شخص مین یہ وصف زیادہ کمال کے ساتھ پایا جائے گا، اسی قدر وہ پیغمبری مین بھی کامل ہوگا، اب انبیاے سابقین کے حالات پر غور کرو، حضرت موسی علیہ السلام کی تعلیم کا اثر بنو اسرائیل تک محدود رہا حضرت عیسی علیہ السلام کی تعلیم قریباً بالکل بے اثر رہی، جو لوگ آج عیسائیت کے مدعی ہین وہ تثلیث کے قائل ہین، اور یہ ظاہر ہو کہ حضرت عیسی نے تثلیث کی تعلیم نہین دی تھی، اس بنا پر جو لوگ عیسائی کہلاتے ہین وہ بھی درحقیقت عیسائی نہین۔

اب رسول اللہ صلعم کی نبوت پر غور کرو۔

آنحضرت سے پہلے تمام عالم گمراہی مین مبتلا تھا، بت پرست پتھر پوجتے تھے، یہود خدا کو جسم مانتے تھے مجوسی دو خدا مانتے، اور ماؤن اور بیٹیون سے نکاح کرتے تھے، عیسائی تثلیث کے قائل تھے، صابئین ستارہ پرست تھے، اس لحاظ سے تمام عالم گمراہ اور برگشتہ تھا، آنحضرت کا پیدا ہونا تھا کہ تمام ادیان باطلہ غبار بنکر اڑ گئے، اور آفتاب توحید کی روشنی تمام دنیا مین پھیل گئی۔ اس سے علانیہ ثابت ہو کہ آنحضرت کی دعوت اور ہدایت کا اثر تمام انبیاے سابقین سے بڑھکر تھا، اس لیے آپ نبوت کے اعتبار سے تمام انبیا سے اعلی اور افضل ہین۔ آنحضرت کے افضل الانبیاء ہونے کی یہ دلیل لمی دلیل ہے یعنی پہلے نبوت کی حقیقت بیان کی گئی پھر یہ ثابت کیا گیا کہ یہ وصف جس کمال کے درجہ پر آپ کی ذات مین تھا اور کسی پیغمبر مین نہ تھا۔

فصل پنجم اس بیان مین کہ نبوت کی صحت پر اس طریقہ سے استدلال کرنا زیادہ قوی ہے بہ نسبت اسکے کہ معجزات سے استدلال کیا جائے۔

معجزہ سے نبوت پر استدلال کرنا برہان انی ہے یعنی اثر سے موثر پر استدلال کرنا ہے، اور یہ طریقہ

ہم نے ابھی بیان کیا، یہ برہان لمی ہے جس سے اصل نبوت کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت امراض روحانی کے طبیب ہیں اور امراض روحانی کے طبیب ہی کو پیغمبر کہتے ہیں۔

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گا کہ آنحضرت کا منطق و فلسفہ و ہندسہ و طب وغیرہ سے واقف ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ چیزیں، استغراق اور توجہ الی اللہ میں خلل انداز ہوتی ہیں، اس تقریر سے وہ تمام اعتراضات جو نبوت پر وارد ہوتے ہیں اور جنکا ذکر اوپر گذر چکا خود بخود اٹھ جاتے ہیں۔ مثلاً یہ اعتراض کہ ہر پیغمبر انبیاے سابقین کی شریعت کو منسوخ کر دیتا ہے اور یہ بالکل لغویات سے ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے دو حصے ہیں اعتقادی، اور حصہ عقلی میں نسخ نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف خدا کی تقدیس اور خلق اللہ کی خیر خواہی کا نام ہے اور یہ نسخ کے قابل نہیں اسی بنا پر قرآن مجید میں آیا ہے کہ۔

تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ آؤ ہم تم ایک ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو ہم دونوں کے نزدیک مسلّم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں۔

شریعت کا دوسرا حصہ یعنی احکام اور قانون، یہ البتہ نسخ کے قابل ہے اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ انسان جب کسی کام کو ایک مدت سے کرتا آتا ہے تو پھر اس میں اثر باقی نہیں رہتا، وہ اس کام کو بربناے عادت کرنے لگتا ہے، نہ بربناے رغبت و شوق، اس لئے نسخ کے ذریعہ سے ایک جدت آ جاتی ہے اور لوگ اس کام کو شوق اور رغبت سے کرنے لگتے ہیں، باقی یہ اعتراض کہ شریعتوں میں جو تھوڑا سا ادل بدل ہوتا ہے اسکے لئے قتل و خونریزی کا جائز رکھنا پسندیدہ نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ جزئیات ہیں اگر ایسا نہ کیا جائے تو کلیات بھی لوگ نہ مانیں گے (لیکن میرے نزدیک

شریعت اسلامی مین حفاظت خود اختیاری کے سوا کسی حالت مین قتل اور خونریزی کی اجازت ہی نہین، شبلی نعمانی

سب سے اخیر اعتراض یہ تھا کہ قرآن مجید مین تشبیہ کے الفاظ بہت وارد ہین جن سے خدا کا جسمانی اور مکانی ہونا ثابت ہوتا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ تنزیہ محض، عام لوگون کے خیال مین آ ہی نہین سکتی تھی اس لئے بین بین کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

معارج القدس کی عبارت کا اردو بالاختصار

نبوت اور رسالت

اس مسئلہ میں امور ذیل سے بحث ہے -

۱- کیا نبوت کی حد اور حقیقت بیان کی جاسکتی ہے ؟

۲- نبوت کوئی اکتسابی چیز ہے یا انبائی ؟

۳- نبوت پر استدلال -

۴- نبوت کے خواص جنکو معجزات کہتے ہین -

۵- تبلیغ نبوت کی کیفیت

پہلی بحث ،

نبوت کے مفہوم سمجھنے کے لئے یہ ضرور نہین کہ اس کی حدتام بیان کی جائے سیکڑون ہزارون چیزین ہین جن کی جنس وفصل ، حد اور حقیقت ہمکو معلوم نہین ، باوجود اس کے ہم اسکے مفہوم کو سمجھتے اور جانتے ہین ، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شئے کا جاننا ، حدتام ، یا جنس وفصل کے جاننے پر موقوف نہین ، عقل ، روح ، اور غیر مادی اشیاء کا تصور ہم کرتے ہین اور اُن کی حقیقت کو بالکل نہین جانتے ،

ذمن کرو کوئی شخص اگر خود کسی پیغمبر سے نبوت کی ماہیت، اور اس کی جنس و فصل پوچھتا، تو کیا پیغمبر نبوت کی حد و رسم کے بتلانے مین مشغول ہوتا؟ اور کیا اگر پیغمبر ایسا نہ کرتا تو اس شخص کو یہ حق ہوتا کہ جب تک پیغمبر نبوت کی حد تام نہ بتائے وہ ایمان نہ لائے۔

نبوت ایک وصف ہے جو انسانیت سے بالاتر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے، انسان حیوانات کو مسخر کرتا ہے، لیکن حیوانات یہ عذر نہین پیش کر سکتے کہ جب تک ہمکو انسان کی حقیقت اور ماہیت نہ بتائی جائے ہم انسان کی اطاعت نہ کرین گے۔ عام انسانون اور پیغمبرون مین بھی یہی نسبت ہے فرعون نے حضرت موسیٰ سے بار بار خدا کی ماہیت اور حقیقت پوچھی لیکن حضرت موسیٰ نے حقیقت کچھ نہین بتائی بلکہ صرف اس کی قدرت کے آثار بتائے جس کی وجہ یہ تھی کہ خدا کی حد و حقیقت بتائی نہین جا سکتی؛ اور خدا پر ایمان لانے کے لیے حد و حقیقت کا معلوم ہونا ضروری نہین

دوسری بحث نبوت کوئی اکتسابی چیز نہین بلکہ خدا جس شخص مین یہ قابلیت پیدا کرتا ہے، وہی نبی ہوتا ہے، قرآن مجید مین ہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ یعنی خدا ہی جانتا ہے کہ پیغمبری کے لیے کسکو انتخاب کرے البتہ ریاضت فکر مجاہدہ لوازم نبوت سے ہین جن کی وجہ سے نبی وحی کے قابل ہوتا ہے، اس کی یہ مثال ہے کہ انسان کا انسان ہونا کوئی اکتسابی چیز نہین، باین ہمہ انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہین ان مین کسب اور مجاہدہ کو دخل ہوتا ہے اسی طرح نبوت، گو کوئی اکتسابی چیز نہین لیکن نبی عبادت اور مجاہدہ کرتا ہے تب اس پر نبوت کے آثار مرتب ہوتے ہین اسی بناپر آنحضرت عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پاؤن پر ورم آجاتا تھا۔

نبی فطرۃً معتدل مزاج اور پاکیزہ صورت ہوتا ہے، اسکی اٹھان اور تربیت عمدہ ہوتی ہے اس مین شریفانہ اخلاق پائے جاتے ہین، اسکے چہرہ سے نور ٹپکتا ہے، حلم - وقار - تواضع، راست گوئی - دیانت داری، اسکی فطرت ہوتی ہے، وہ ہر قسم کی رذائل اور دنی باتون سے بری ہوتا ہے عفو احسان، صلۂ رحم، حفظ غیب، حسن جوار، اعانت مظلوم، یہ تمام اوصاف اس مین بالطبع پائے جاتے ہین، وہ بالطبع اچھی باتون کو پسند اور بری باتون سے نفرت کرتا ہے، وہ مغرور - جابر، درشت خو، اور کج خلق نہین ہوتا چپ رہتا ہے تو لوگون پر اسکا رعب چھا جاتا ہے بات کرتا ہے تو اسپر کوئی گرفت نہین کرسکتا، اسکی حرکت وسکون دونون مین سنجیدگی پائی جاتی ہے، تمام لوگ طوعاً اور کرہاً اسکے سامنے سر جھکا دیتے ہین

تیسری بحث | نبوت کا ثبوت

نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہین اجمالی و تفصیلی چنانچہ ہم دونون کو الگ الگ بیان کرتے ہین

یہ امر بدیہی ہے کہ انسان کو جو چیز تمام حیوانات سے الگ کرتی ہے وہ نفس ناطقہ ہے، یہی چیز ہے جس کی بدولت انسان حیوانات سے فائق ہے، انکو مسخر کرتا ہے، ان پر ہر طرح کا تصرف کرتا ہے، اسی طرح انبیا مین ایک خاص عقل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ تمام انسانون سے ممتاز نظر آتے ہین تمام انسان انکے محکوم اور تحت التصرف ہوتے ہین اور جس طرح انسان کے افعال اور حرکات حیوانات کے لیے معجزہ ہین یعنی حیوان کبھی انسان کی قوت فکری اور عقلی کا ہمسر نہین ہوسکتا، اسی طرح انبیا سے جو افعال سرزد ہوتے ہین - وہ عام انسانون کے لیے معجزہ ہوتے ہین یعنی اور لوگون سے وہ افعال سرزد نہین ہوسکتے ہ

جس طرح نبی کی عقل اورون سے ممتاز ہوتی ہے اسی طرح اسکا نفس، اسکی طبیعت، اسکا مزاج بھی

تمام لوگوں سے ممتاز و نفوس ملکی کے مشابہ ہوتا ہے۔

جس طرح ہر حیوان انسان نہیں ہو سکتا، اسی طرح ہر آدمی نبی نہیں ہو سکتا، خدا ہی جانتا ہے کہ کس شخص میں نبی ہونے کی قابلیت ہے اور کس میں نہیں؟ خدا جس شخص کو نبوت کے لیے انتخاب کرتا ہے اسکی عقل اسکی طبیعت، اسکا مزاج بھی منتخب ہوتا ہے یعنی اور لوگوں کی عقل مزاج، اور طبیعت سے اسکو کچھ نسبت نہیں ہوتی، وہ صورۃً انسانوں کے مشابہ ہوتا ہے یعنی جسمانیت کے لحاظ سے تو وہ بشر ہوتا ہے لیکن اسکی بشریت، وحی کے قابل ہوتی ہے، قرآن مجید کی اس آیت میں قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ میں انہی دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہے

تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ انسان میں تین قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں فکری، قولی، عملی، ان قوتوں سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی، ان دو متضاد حالتوں کے لحاظ سے ہر ایک کا الگ نام ہوتا ہے، فکر کو حق و باطل سے موسوم کرتے ہیں، اقوال کو صادق و کاذب سے اور عمل کو خیر و شر سے تعبیر کرتے ہیں

یہ امر ظاہر ہے کہ تمام افعال قابل عمل نہیں ہیں اور نہ سب قابل ترک، بلکہ بعض قابل عمل ہیں، اور بعض قابل ترک۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قابل عمل اور قابل ترک کی تمیز آیا ہر شخص کر سکتا ہے، یا کوئی نہیں کر سکتا یا بعض کر سکتے ہیں اور بعض نہیں پہلے دونوں احتمال بداہۃً باطل ہیں، اس لئے صرف تیسرا احتمال باقی رہا یعنی بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جو ان حدود کو تعین کر سکتے ہیں کہ فلاں افعال عمل کے قابل ہیں،

اور فلاں فلاں یہی لوگ پیغمبر اور بانی شریعت ہوتے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ظاہر ہے کہ انسان کی بقا آپس کی اعانت اور اجتماع کے بغیر نہیں ہو سکتی اگر یہ آپس میں تعاون اور تعاضد نہ ہو تو نہ انسان کا کوئی فرد باقی رہ سکتا ہے نہ اُسکی نوع نہ اسکا مال نہ اسکی عزت۔ اس اجتماع اور تعاون کے جو اصول و آئین ہیں انہی کو شریعت کہتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی بقاے نوع اور بقاے جان و مال کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے تعاون اور تمانع تعاون کے ذریعے سے انسان اپنی خوراک لباس اور مسکن اور دیگر ضروریات مہیا کرتا ہے اور تمانع کے ذریعہ سے اس کی جان مال اولاد خطرات سے محفوظ رہتی ہے لیکن اس تعاون اور تمانع کا کوئی باقاعدہ ضابطہ اور دستور العمل ہونا چاہیے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص ایسا دستور العمل اور ضابطہ نہیں بنا سکتا جو تمام بنی نوع انسان کے مناسب حال اور ہر ہر شخص کی ضروریات کا کفیل ہو ایسا ضابطہ صرف وہ شخص وضع کر سکتا ہے جسکو قوت قدسیہ حاصل ہو جس کو ان روحانیات سے فیض پہونچتا ہو جنکے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ ہے، یہ شخص ہر مذہب سے آگاہ ہوتا ہے، ہر بات میں حق کا پیرو ہوتا ہے، ہر شخص سے اُسکی سمجھ کے موافق خطاب کرتا ہے، لوگوں کو اُن کی استطاعت کے موافق، احکام کی تکلیف دیتا ہے، یہی شخص پیغمبر اور رسول ہوتا ہے۔

تیسرا طریقہ اس طریقہ کے سمجھنے کے لئے مقدمات ذیل ذہن نشین رکھنے چاہییں۔

(۱) چونکہ ممکن کا وجود و عدم برابر ہے اس لئے ممکن کے وجود میں آنے کے لئے مرجح کا ہونا ضرور ہے جس کی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو، یہی مرجح ممکن کی علت ہوتا ہے۔

نظام عالم مین خدا کا تدبیری حکم جو نافذ ہے، ملائکہ کے ذریعہ سے ہے، اس قیاس پر انسانون پر خدا کا جو تکلیفی حکم نافذ ہے وہ بھی کسی کے ذریعہ سے ہو گا اُسی کا نام نبوت ہے۔

باقی جن لوگون کا یہ خیال ہے کہ امر و نہی ۔ ترغیب و ترہیب تنبیہ و تہدید، انبیا خود اپنی طرف سے کرتے ہین، خدا کو اس سے واسطہ نہین، اور خدا کی طرف ان افعال کی نسبت مجازاً ہے تو یہ لوگ انبیا کو (نعوذ باللہ) کاذب اور خائن قرار دیتے ہین۔

جب یہ مسلم ہے کہ خدا تمام عالم کا بادشاہ ہے اور بادشاہ عموماً امر و نہی، تنبیہ و تہدید، ترغیب و ترہیب کرتے ہین تو خدا سے یہ امور کیون بعید ہین۔

نبوت کے خواص

نبوت سے تین خاصے ہین ایک قوت تخیل سے متعلق ہے دوسرا قوت نظری سے تیسرا قوت عملی سے، پہلی خاصیت کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(امام غزالی نے یہان یونانی فلسفہ کا ایک مسئلہ بیان کیا ہے اور اسکو بہت پھیلا کر لکھا ہے لیکن وہ مسئلہ نہایت لغو اور مہمل ہے اور اس کی دلیل اُس سے زیادہ مہمل، اسکا خلاصہ یہ ہے کہ یونانیون کے نزدیک افلاک ذی روح ہین، اور تمام کلیات و جزئیات کی صور علمیہ ان کے نفس مین مرتسم ہین، اس بنا پر وہ عالم جزئیات و کلیات ہین، انسان کو جو علم ہوتا ہے وہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ صور علمیہ جو افلاک کے نفوس اور جواہر مجردہ مین مرتسم ہین وہی انسان کے نفس ناطقہ مین مرتسم ہو جاتے ہین کیونکہ نفس ناطقہ چونکہ مجرد ہے اس لئے اس کو عقول مجردہ اور نفوس افلاک سے اتصال ہوتا ہے، لیکن امام صاحب کا اصلی استدلال اس مسئلہ کے ماننے پر موقوف نہین، وہ قوت متخیلہ سے استدلال کرتے ہین اور قوت متخیلہ کے وجود سے کسی کو انکار نہین ہے)

قوتِ متخیلہ مین جو اشیا کی صورتون کے مرتسم ہونے کی قابلیت ہے، وہ مختلف المدارج ہو۔ بعض آدمیون مین یہ قابلیت قوی ہوتی ہے، بعض مین کمزور اور بعض مین بالکل ندارد۔ قوتِ متخیلہ جب قوی ہوتی ہے تو محسوسات سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی فوراً اسمین صورتین مرتسم ہونی شروع ہوتی ہین۔ قوتِ متخیلہ کا ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ایک صورت پر قناعت نہین کرتی، ایک صورت کو چھوڑ کر دوسری صورتین پیدا کرنی شروع کرتی ہے، جو پہلی صورت کے مشابہ یا مخالف ہوتی ہین، مثلاً انسان ایک شے کو آنکھون سے دیکھ رہا ہے، دیکھتے دیکھتے اس کا خیال یک ذرا سے تعلق سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، پھر اُس چیز سے ایک اور چیز کی طرف، یہان تک کہ پہلی چیز بالکل بھول جاتی ہے۔ اسی حالت مین پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس چیز کا کیون تصور ہوا تھا، پھر سلسلہ بسلسلہ پہلے خیال کی طرف واپس جاتا ہے۔

یہ قوت بعضون مین اسقدر مستحکم اور قوی ہوتی ہے کہ جو صورت خیال مین آتی ہے وہ قائم رہتی ہے اور اُس سے ہٹ کر دوسری صورتون کی طرف منتقل نہین ہوتی، اس قسم کی قوت سے جو خواب نظر آتا ہے وہ محتاجِ تعبیر نہین ہوتا۔

قوتِ متخیلہ عموماً اس وقت کام کرتی ہے جب ظاہری حواس بیکار ہوتے ہین اسی بنا پر نیند کی حالت مین یہ قوت زیادہ تر کام کرتی ہے کیونکہ اُسوقت حواسِ ظاہری معطل رہتے ہین لیکن بعض آدمیون مین یہ قوت اسقدر قوی ہوتی ہے کہ حواسِ ظاہری کے بحال رہنے کی حالت مین بھی وہ اپنا کام کرتی ہے، اور اسی لئے بیداری مین بھی ان کو وہ باتین نظر آتی ہین جو اور لوگون کو خواب کی حالت مین نظر آتی ہین۔

قوت متخیلہ کو جو صورتیں نظر آتی ہیں کبھی وہ ان میں تصرف کرکے حس مشترک کے حوالہ کرتی ہی اس صورت میں انسان عجیب و غریب خدائی صورتیں اور آوازیں مشاہدہ کرتا اور سنتا ہے، یہ صورتیں اور آوازیں بالکل محسوسات کے مثل ہوتی ہیں، یہ نبوت کا ادنی درجہ[1] ہی اس سے ترقی ہو کر یہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ قوت متخیلہ ان صورتوں میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرتی اور بعینہ وہی صورتیں حس مشترک میں آتی ہیں۔

اس سے بڑھکر یہ کہ قوت متخیلہ اور قوت عقلی اور عملی ایک ساتھ کام کرتی ہیں، اور یہ درجہ نبوت کا وہ درجہ ہے جو قوت عقلی عملی اور خیالی تینوں کا جامع ہے، قرآن مجید کے قصوں پر خیال کرو، کس طرح ایک ایک جزئی واقعہ بیان کیا ہے گویا تمام واقعات آنحضرت کے آنکھوں کے سامنے تھے اور یہ تمام واقعات بالکل سچ ہیں۔

یہ امر کہ جو صورتیں قوت متخیلہ میں مرتسم ہوتی ہیں وہ حس مشترک میں آکر آنکھوں سے نظر آنے لگتی ہیں، اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا مجانین کو دیکھو، وہ جو کچھ تخیل کرتے ہیں، انکو آنکھوں سے نظر آنے لگتا ہے، اصل یہ ہے کہ قوت متخیلہ عقل اور حس دو قوتوں کے درمیان میں واقع ہے، حس قوت متخیلہ کے سامنے محسوس صورتیں پیش کرکے اسکو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہی عقل کا یہ کام ہے کہ قوت متخیلہ کو غلط تخیلات سے روکتی ہے، ان دونوں قوتوں کی کشمکش اور مزاحمت میں قوت متخیلہ اپنا اصلی کام آزادی سے نہیں کرسکتی، لیکن جب ان میں سے ایک کا زور کم ہوتا ہے، تو قوت متخیلہ آزادی حاصل کرنا چاہتی ہی مثلاً جب قوت حسیہ کا بار اُس پر نہیں پڑتا تو وہ عقل پر غالب آکر اپنے خاص کام میں مشغول ہوتی ہی

[1] انبیا کی اس قوت کو قوت متخیلہ کے بجائے قوت قدسیہ کہنا زیادہ صحیح ہے، ۱۲ شبلی نعمانی

یعنی صورتون کو اصلی صورت مین حس مشترک کے حوالہ کرتی ہے نیند مین یہی کیفیت ہوتی ہے یا مثلاً جب
عقل کی حکومت سے اس کو نجات ملتی ہے تو قوت متخیلہ پر غالب آکر خیالی صورتون کو اس طرح حس مشترک
مین بھیجتی ہے کہ وہ آنکھون سے نظر آنے لگتی ہین چنانچہ جنون اور خوف کی حالت مین ایسا ہی ہوتا ہے اسی
بنا پر ان حالتون مین مجانین کو حقیقت ناک صورتین نظر آتی ہین

اسی بنا پر واقعات خیالی جو لوگ دیکھتے ہین اسی حالت مین دیکھتے ہین جب انکے قواے حسی باطل
ہوجاتے ہین اور انپر صرع یا غشی طاری ہوتی ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ زیادہ کام کرتے کرتے تھک جاتی ہے اس صورت مین وہ محسوسات
کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے، اور اس وجہ سے نفس ناطقہ سے اتصال ہوتا ہے اور صور مجردہ کو وہ
مشاہدہ کرتی ہے، کاہن جو واقعات آیندہ کی پیشین گوئیان کرتے ہین اسی حالت مین کرتے ہین۔

یہان یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ جب مجانین، کاہن، آسیب زدہ لوگ، واقعات آیندہ کی پیشین گوئی کر سکتے
ہین تو نبوت کو کیا ترجیح ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ تخیل کے مراتب مختلف اور متعدد ہین یہان تک
کہ بعض حکما کا قول ہے کہ تخیل کا اعلی درجہ یہ ہے کہ روح کو اس نفس سے اتصال ہو جاتا ہے جو تمام عالم
کی مدبر اور واہب الصور ہے، اور تمام وہ صورتین اسمین مرتسم ہو سکین جو نفس فلکی مین مرتسم ہین (یہ وہی
ارسطو کا خیال ہے کہ افلاک صاحب ادراک ہین اور جو صور علمیہ ان مین مرتسم ہین وہ سب انسان
کے نفس ناطقہ مین بھی مرتسم ہو سکتے ہین) یہ تخیل کا اعلی درجہ ہے،

تخیل کا ادنی درجہ حیوانات مین پایا جاتا ہے اور بعض حیوانات مین مطلقاً یہ قوت نہین ہوتی۔

یہ اختلاف قوت وضعف کی بنا پر تھا، تباین اور تضاد کا اختلاف اس طرح ہوتا ہے کہ بعض تخیلات سچے اور صحیح ہوتے ہیں اور اُنکا مخرج نفوس مقدسہ ہوتے ہیں، بعض بالکل جھوٹے اور فتنہ انگیز اور اُنکا مخرج نفوس خبیثہ ہوتے ہیں، بعض دونوں کے بین بین، یہ بات بھی یہاں جاننے کے قابل ہے کہ عقل، خیال اور حس کے مختلف اقسام ہیں، عقل محض[1] جسمیں مطلق خیال کی آمیزش نہیں، خیال محض[2] جسمیں عقل کا لگاؤ نہیں، عقل[3] جو بالکل خیال ہے، خیال[4] جو بالکل عقل ہے، حس[5] جو خیال سے پیدا ہوتی ہے خیال[6] جو حس سے پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح بعض علم بالکل ظن کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض ظن علم کے ہم پایہ ہوتے ہیں، قرآن مجید کی اس آیت میں وَاِنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ دوسری قسم کے ظن کا ذکر ہے ...قرآن مجید میں جن کا بیان ذکر آیا ہے ظن کے لفظ سے آیا ہے اس قسم ... اور اُنکا تصور خیالی تھا اور اُن کی صورتیں صرف خیال کو نظر آسکتی ہیں اور چونکہ خیال حس اور عقل کے درمیان برزخ ہے، اس لئے جو چیز خیالی ہوگی وہ جسمانی اور روحانی کے بین بین ہوگی جیسے جن اور شیاطین، اور جو چیز وسط میں ہوتی ہے وہ یا تو طرفین سے مرکب ہوتی ہے یا دونوں سے الگ ہوتی ہے۔

نبوت کی دوسری خاصیت یہ خاصیت قوت نظری کی تابع ہے

اثبات مجہول کے ادراک کا طریقہ یہ ہے کہ چند معلوم باتوں کو ترتیب دیتے ہیں، اس ترتیب سے ایک مجہول بات معلوم ہو جاتی ہے مثلاً ہم کو معلوم تھا کہ عالم میں تغیر ہوتا رہتا ہے یہ بھی معلوم تھا کہ جس چیز میں

[1] یہ فقرہ امام غزالی کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے

تغیر ہوتا رہتا ہے وہ فانی ہے، ان دونو مقدمات کو جب اسطرح ترتیب دیا کہ عالم متغیر ہے اور جو متغیر ہو
فانی ہے تو نتیجہ نکلا کہ عالم فانی ہے، یہ نتیجہ ہمکو پہلے معلوم نہ تھا لیکن جن مقدمات کی ترتیب سے معلوم ہوا وہ
پہلے سے معلوم تھے، ان مقدمات کو صغریٰ اور کبریٰ کہتے ہیں اور جو چیز دونوں مقدمات میں مشترک
ہوتی ہے اس کو حد اوسط کہتے ہیں۔

اشیائے مجہول کا علم دو طریقے سے ہوتا ہے فکر اور حدس، فکر میں ذہن مقدمات معلومہ کی طرف منتقل
ہوتا ہے، حد اوسط کو تلاش کرتا ہے، سب کو ملا کر ترتیب دیتا ہے، ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے، حدس
میں دفعۃً تمام مقدمات ذہن میں آجاتے ہیں اور ساتھ ہی نتیجہ کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے، ممکن ہے
کہ اس حالت میں بھی حرکت فکری وقوع میں آتی ہو لیکن یہ حرکت اسقدر جلد اور غیر نمایاں ہوتی ہے کہ ذہن
اس کو بالکل محسوس نہیں کرتا، حدس میں کم و کیف دونوں اعتبار سے اختلاف مراتب ہوتا ہے، بعض دفعہ
اکثر حدس ہوتا ہے بعض آدمیوں کو نہایت جلد ہوتا ہے یعنی ذرا سا غور کرنے سے تمام مقدمات
ذہن میں آجاتے ہیں اور ساتھ ہی نتیجہ بھی ذہن میں آجاتا ہے، حدس کے مراتب نہایت مختلف ہیں
بعض ایسے کودن ہوتے ہیں کہ سیکڑوں دفعہ غور کرنے سے بھی ان کا ذہن نتیجہ کی طرف منتقل نہیں ہوتا،
بعض کا ذہن جلد ہی منتقل ہوتا ہے، بعض کا اس سے بھی زیادہ، یہانتک الیٰ غیر نہایۃ۔

حدس کا جو سب سے انتہائی درجہ ہے وہ نبوت کا خاصہ ہے، نبی کو جو اشیا کا علم ہوتا ہے وہ مقدمات کی
ترتیب اور استنباط سے نہیں ہوتا بلکہ خود بخود دفعۃً اس کے دل میں القا ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ قوت نبی کے سوا اور لوگوں میں بھی ہوتی ہے، جو شخص کسی فن کا ماہر
ہوتا ہے اس فن کے متعلق اکثر امور دفعۃً اسکے ذہن میں آجاتے ہیں، تو نبی کو ترجیح کیا ہوتی؟ اس کا

جواب یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس قوت میں اختلاف مدارج ہے تو نبوت کا خاصہ وہ حد ہے جو ان مدارج کی اخیر انتہا ہے۔

نبوت کا تیسرا خاصہ یہ امر بداہۃً ثابت ہے کہ خیال اور تصور کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔ انسان پر جب خوف طاری ہوتا ہے تو جسم پر ایک خاص حالت طاری ہوتی ہے غصہ کی حالت میں دوسرا اثر ہوتا ہے، ایک محبوب صورت کا خیال دل میں آتا ہے تو اعضا میں ایک اور قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوائے نفسانی، جسم پر اثر کرتے ہیں، اب جس طرح نفس کا اثر اپنے جسم پر ہوتا ہے ممکن ہے کہ بعض نفوس اس سے قوی ہوں کہ انکا اثر صرف اُن کے جسم پر محدود نہ ہو بلکہ اور اجسام پر بھی اثر کریں جس سے تبرید۔ یا تحریک۔ یا تسکین۔ یا تکثیف، یا تلیین، حاصل ہو اور اسکا یہ نتیجہ ہو کہ بادل پیدا ہو جائیں، یا زلزلہ آجائے یا چشمہ جاری ہو جائے۔

اس قسم کی قوت جن نفوس میں ہوتی ہے وہ اگر نیک اور پاکیزہ اخلاق ہوں تو یہ افعال معجزہ یا کرامت کہلاتے ہیں، ورنہ سحر اور جادو، یہ قوت تزکیہ نفس اور ریاضت سے ترقی کر سکتی ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ یہ امور فرضی نہیں ہیں، بلکہ چونکہ تجربوں سے انکا ثبوت ہوا ہے اس لیے اُن کے اسباب سے بحث کی گئی، اگر کسی شخص میں یہ قوت خود موجود ہو اور وہ ان افعال کے اسباب پر غور کرے تو اسکو وجدان اور دلیل دونوں حاصل ہوں گے۔

خاتمہ نوع بشری میں سب سے افضل وہ ہے جس کی قوت حدسیہ اسقدر قوی ہو کہ اس کو تعلم و تعلیم کی بالکل حاجت نہ ہو اور قوت متخیلہ اسقدر صحیح اور مضبوط ہو کہ محسوسات اُس کو اپنی طرف متوجہ نہ کرنے پائیں، بلکہ نفس سے جو ادراکات پیدا ہوتے ہیں وہ مجسم ہو کر سامنے آئیں۔

اور قوت نفسانی اسقدر قوی ہوکہ عالم اجسام پر اثر ڈال سکے یہان تک کہ اجرام علوی بھی اسکے تصرف

مین آجاتین۔

اس درجہ سے اُتر کروہ شخص ہے جسمین صرف دو پہلی باتین ہون اس سے کم وہ جس کی صرف قوت

نطقی قوی ہو اُس سے کم وہ جسکی صرف قوت عملی ترقی کرے

جس شخص مین تینون باتین پائی جاتین وہ گویا شہنشاہ ہے، عالم علوی سے اسکو یہ نسبت ہوکہ جب

چاہے اس عالم مین شامل ہوجائے عالم نفسانی کا وہ گویا رہنے والا ہے اور عالم اجسام پر جس قسم کا

چاہے تصرف کرسکتا ہے۔

اس سے کم درجہ پر جو شخص ہے وہ دوسرے درجہ کا بادشاہ ہے اس سے کم درجہ کے لوگ

شرفاے امت ہین۔

جنمین کسی قسم کی قوت نہ ہو لیکن اخلاق حسنہ سے متصف ہونے کی قابلیت ہو وہ اولیاے امت

ہین جو عام آدمیون سے ممتاز ہین۔